Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

305

305

उर्दू संग्रह

पुस्तक का नाम ... हयाते सादी ...

लेखक ... अलताफ हुसैन पानीपत ...

प्रकाशन वर्ष ... 1939 ...

आगत संख्या ... 305 ...

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ओ३म्

यह पुस्तक श्री लाला लब्भूराम जी नैय्यड़ लुधियाना निवासी की ओर से गुरुकुल पुस्तकालय को भेंट में प्राप्त हुई।

ओ३म्

पुस्तक संख्या 8/५६ ८/०५

पञ्जिका-संख्या .. २५४३6

पुस्तक पर सर्व प्रकार की निशानियां लगाना वर्जित है। कोई सज्जन पन्द्रह दिन से अधिक देर तक पुस्तक अपने पास नहीं रख सकने। अधिक देर तक रखने के लिये पुनः आज्ञा प्राप्त करनी चाहिये।

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بلا اجازت کوئی نہ چھاپے

24826
305

حیات سعدی

جس میں حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی کی سوانح عمری اور ان کی
تصنیفات کا مکمل ذکر ہے اور ان کی عام شاعری پر بالاجمال نظر کیگئی ہے

من تصنیف

شمس العلماء مولانا خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی
سعدی ہند

حسب فرمائش

شیخ جان محمد اللہ بخش تاجران کتب لاہور

کشمیری بازار

۱۹۳۹

مطبوعہ محمدی پریس لاہور

قیمت مجلد (عه) ایک روپیہ

305:U

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

مشہور و معروف مصنفین اردو کی قابل قدر تصنیفات

استاد غالب دہلوی مرحوم

اردوئے معلے ہر دو حصہ مکمل معہ فرہنگ الفاظ مجلد یہ ان خطوط کا مجموعہ ہے جو مرزا صاحب نے اپنے دوستوں کے تمدنی حالات کو مدنظر رکھ کر لکھے تھے قیمت عہ/

عود ہندی ۔ اسمیں مادہ اسا تحی ہیں جو انہوں نے بعض شعرا کو انکے اشعار کی اصلاح کے متعلق وقتاً فوقتاً لکھے ۱۲/

مہر نیم روز یعنی خاندان تیموریہ کی مکمل تاریخ ہمایوں کے حالات تک ۔ قیمت ۸/

دستنبو ۔ حالات غدر میں ۔ قیمت ۱۲/

کلیات نظم فارسی .... عہ/

دیوان غالب اردو معہ حالات ۶/

دیوان غالب مع شرح حسرت موہانی عہ/

خواجہ حالی پانی پتی رح

یادگار غالب یعنی سوانحعمری نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی مرحوم ۔ عہ/

مسدس حالی معہ ضمیمہ حیات حالی و نقشہ جات رنگین تاریخی مقامات ۶/

مقدمہ دیوان حالی شعر و شاعری کی حقیقت پر بہترین مقدمہ ہے ...... عہ/

شکوہ ہند ۳/ ۔ مناجات بیوہ ۳/

مجموعہ نظم حالی ۸/

پنج گنج حالی ۴/

حیات سعدی جو آپکے زیر مطالعہ ہے عہ/

مولانا شبلی نعمانی رح

مجموعہ کلام شبلی اردو ۱۲/

کلیات شبلی فارسی ...... عہ/

الفاروق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی اور ان کا طرز معاشرت ...... عہ/

الغزالی امام غزالی کی سوانحعمری اور انکا فلسفہ عہ/

المامون خلیفہ مامون رشید عباسی کے حالات عہ/

سیرۃ النعمان امام اعظم کی لائف اور انکا طریقہ اجتہاد عہ/

سوانح مولانا روم مولانا روم کے حالات اور انکے دیوان و مثنوی پر ریویو .... عہ/

سفرنامہ روم و شام و مصر ...... عہ/

موازنہ انیس و دبیر ۱۰/

مضامین عالمگیر شہنشاہ عالمگیر پر اعتراضات اور انکے جوابات ۳/

شعر العجم حصہ اول .... عہ/

〃 〃 دوم .... عہ/

〃 〃 سوم .... عہ/

〃 〃 چہارم .... عہ/

〃 〃 پنجم .... عہ/

ملنے کا پتا: شیخ جان محمد الہ بخش تاجران کتب لاہور کشمیری بازار

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

305;U

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

مشہور آدمیوں کا حال لکھنا جس کو یونانی میں بیوگرفی اور عربی میں ترجمہ یا تذکرہ کہتے ہیں کم و بیش قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے۔ اگرچہ اُس وقت زیادہ تر بہادروں کے معرکے اور دیوتاؤں کے کرشمے لوگوں کو اکثر زبانی یاد ہوتے تھے۔ جو مناسب موقعوں پر بیان کئے جاتے تھے۔ لیکن یہودیوں کے ہاں قدماء کی سرگذشتیں لکھی بھی جاتی تھیں۔ یہودیوں کے بعد یونانیوں اور رومیوں نے اس طرف توجّہ کی۔ چنانچہ یونان کے مشہور مؤرخ پلوٹارک کی بیوگرفی جو دوسری صدی عیسوی میں لکھی گئی۔ اُس عہد کے تذکروں میں ممتاز اور برگزیدہ ہے۔ اور عیسائیوں کے مذہبی لٹریچر میں اُس زمانہ کے اولیاء شہداء اور مجتہدوں کی سوانح عمری جو کسی قدر مکمل ہیں کثرت سے موجود ہیں۔ زمانۂ متوسط میں مسلمانوں کی بیوگرفی سب سے زیادہ وقعت کے قابل ہے۔ لیکن ان دونوں زبانوں میں تذکرہ لکھنے کا عام طریقہ یہ تھا۔ کہ لوگوں کے حالات محض بطور روایت کے بیان کرتے تھے۔ روایت کو اس میں کچھ دخل نہ دیتے تھے۔ اور بیان میں مبالغہ کو زیادہ کام میں لاتے تھے۔ مسلمانوں کی بیوگرفی میں بھی یہی عام خاصیت پائی جاتی ہے۔ صرف رجالِ حدیث کے حالات جو محدثین نے لکھے ہیں۔ اُن میں البتّہ بہت احتیاط کی گئی ہے۔ ہر ایک شخص کے اخلاق اور خصائل راست راست بے کم و کاست لکھے گئے ہیں۔ اور اُن کے عیب اور خوبیاں پوست کندہ بیان کی گئی ہیں۔ باقی اشعار اور شعراء وغیرہ کے تذکرے ایسے نہیں ہیں۔ اور چونکہ تذکرہ نویسی کا مدار

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

محض نقل اور روایت پر تھا۔ اس لئے اُن لوگوں کے سوا جن کے حالاتِ تاریخ میں مفصل لکھے گئے ہیں۔ جیسے خلفاء۔ سلاطین۔ وزرا۔ اور سپاہ سالار وغیرہ باقی تمام اہلِ کمال کے حالات مختصر طور پر تحریر ہوئے ہیں۔ اور مشہور سے مشہور مُصنّف کی لائف بھی جداگانہ نہیں لکھی گئی۔ زمانہ حال میں یورپ کے مؤرخوں نے خاصکر سترھویں صدی سے بیوگرفی کو بے انتہا ترقی دی ہے۔ یہاں تک کہ تاریخ کی طرح بیوگرفی نے بھی فلسفہ کی شکل اختیار کی ہے۔ حال کی بیوگرفی میں اکثر مورّخانہ تدقیق کی جاتی ہے۔ اور واقعات سے منطقی طور پر نتائج استخراج کئے جاتے ہیں مصنّف کے کلام میں خوض کیا جاتا ہے۔ اور اُس کے عیب اور خوبیاں صاف طور پر ظاہر کی جاتی ہیں۔ اکثر ایک ایک شخص کی لائف کئی کئی ضخیم جلدوں میں لکھی جاتی ہے۔

بیوگرفی اُن بزرگوں کی ایک لازوال یادگار ہے جنہوں نے اپنی نمایاں کوششوں سے دُنیا میں کمالات اور نیکیاں پھیلائی ہیں۔ اور جو انسان کی آئندہ نسلوں کے لئے اپنی مساعیٔ جمیلہ کے عمدہ کارنامے چھوڑ گئے ہیں۔ خصوصاً جو قومیں علمی ترقیات کے بعد پستی اور تنزل کے درجہ کو پہنچ جاتی ہیں۔ اُن کے لئے بیوگرفی ایک تازیانہ ہے۔ جو اُن کو خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے۔ جب وہ اپنے اکابر و اسلاف کی زندگی کے حالات اور اُن کے کمالات دریافت کرتے ہیں۔ تو اُن کی غیرت کی رگ حرکت میں آتی ہے۔ اور اپنی کھوئی ہوئی عزّت اور برتری کے دوبارہ حاصل کرنے کا خیال اُن کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ دنیا میں اکثر لوگ ایسے گذرے ہیں۔ جنہوں نے بڑے بڑے آدمیوں کی زندگی کے حالات صرف کتابوں میں پڑھ پڑھ کر اپنے تئیں انسانیت کے اعلےٰ درجہ تک پہنچایا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے۔ کہ لوتھر[۱] کے دل میں جو ایک غیر معمولی

[۱] لوتھر جرمنی کا رہنے والا عیسائی مذہب کا ایک مشہور مُصلح اور تمام یورپ کو پوپ کے پنجہ سے نجات دینے والا ہے۔ ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۵۴۶ء میں فوت ہوا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تحریک پیدا ہوئی اور بنجمن[1] فرینکلن نے نہایت پست حالت سے اعلےٰ درجہ کی ترقی اور شہرت حاصل کی۔ اُس کا بڑا سبب یہی بیوگرفی کا مطالعہ تھا۔ بیوگرفی علمِ اخلاق کی نسبت ایک اعتبار سے زیادہ سودمند ہے۔ کیونکہ علمِ اخلاق سے صرف نیکی اور بدی کی ماہیت معلوم ہوتی ہے۔ اور بیوگرفی سے اکثر نیکی کے کرنے اور بدی سے بچنے کی نہایت زبردست تحریک دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اور اسلاف کا ستودہ کاموں کی ریس کرنے کا شوق دامن گیر ہوتا ہے۔ انگلستان کے ایک مشہور مصنف کا قول ہے کہ بیوگرفی چلا چلا کر اور سمندر کے طوفاں کی طرح غل مچا کر یہ آواز دیتی ہے۔ کہ جاؤ اور تم بھی ایسے ہی کام کرو۔ ہمارے ملک میں بیوگرفی کی طرف اب تک کچھ توجہ نہیں ہوئی۔ ملک کی عام زبان یعنی اُردو میں اب تک یا تو یورپ کے بعض مشہور لوگوں کے حالات انگریزی سے ترجمہ ہوئے ہیں۔ یا ایسے لوگوں کے سوانح لکھے گئے ہیں جن کے حالات پڑھ کر کوئی عمدہ تحریک دل میں پیدا نہیں ہوتی۔ ہمارے نزدیک ہندو مسلمانوں کے اکابر اسلاف میں بھی ایسے بہت سے افراد نکلیں گے۔ جن کے بڑے بڑے کام اور اُن کے کمالات قوم کے لئے سرمایۂ افتخار ہیں۔ اور موجودہ نسلوں کا فرض ہے۔ کہ اُن کا زندہ کرنے اور آیندہ نسلوں کا دل بڑھانے کے لئے اُن کے فضائل اور کمالات دنیا میں شائع کریں۔ مگر مشکل یہ ہے۔ کہ قدماء میں جو سب سے زیادہ مشہور ہیں اُن کے بھی مفصل حالات دستیاب ہونے سخت دشوار بلکہ ناممکن ہیں۔ صرف تذکروں میں کچھ کچھ مختصر حال درج ہے۔ لیکن اُس سے کسی کی لائف ترتیب وار لکھنی ہرگز ممکن نہیں۔

ہم نے اس خیال سے شیخ سعدی شیرازی کا نام حد سے زیادہ مشہور ہے۔ شاید اُن کے مفصل حالات بہم پہنچ جائیں۔ اُن کی سوانح عمری لکھنے کا ارادہ کیا تھا اور اس غرض سے اکثر فارسی تذکرے جو یہاں مل سکتے ہیں۔ دیکھے۔ اور

[1] یہ شخص امریکہ کا ایک مشہور فاضل ہے۔ جس نے سب سے اوّل علم برق کے اصول دریافت کئے ہیں۔ سنہ ۱۷۰۶ء میں بمقام بوسٹن پیدا ہوا۔ اور سنہ ۱۷۹۰ء میں فوت ہوا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

انگریزی تذکرہ سر گور آوسلی صاحب کا بھی دیکھا۔ مگر ان تمام تذکروں میں زیادہ تر وہی شیخ کی مشہور نقلیں اور حکائتیں جو زبان زد خاص و عام ہیں۔ تھوڑے تھوڑے تفاوت کے ساتھ مندرج پائیں۔ شیخ کی تصنیفات پر بھی اجمالی تعریف کے سواء کسی نے کوئی بات ایسی نہیں لکھی۔ جس سے اُس کلام کی عظمت اور واقعی خوبیاں معلوم ہوں۔ اگرچہ یہ تمام باتیں مایوس کرنے والی تھیں۔ مگر ہم نے اپنے ارادہ کو جس طرح ہوسکا۔ پورا کیا۔ جس قدر صحیح اور معقول باتیں تذکروں سے معلوم ہوسکتی تھیں۔ اُن کے علاوہ بعض حالات خود شیخ کے کلام سے استنباط کیئے۔ اور نیز اُس عہد کی تاریخ میں اکثر واقعات کا سُراغ لگایا۔ اور کچھ باتیں علی بن احمد جامع کُلیاتِ شیخ کے دیباچہ سے اخذ کیں۔ اور کچھ کچھ انگریزی کتابوں سے بھی مدد لی۔ اور اس تمام معلومات کو جہاں تک ممکن تھا۔ لائف کی صُورت میں مرتّب کیا۔ اور شیخ کی تصنیفات کے بیان میں زیادہ تر اپنی ناچیز رائے اور تفحص پر بھروسہ کر کے یہ مضمون ختم کیا گیا۔ اگرچہ شیخ کی اصل سرگذشت میں جس قدر کہ وہ اب تک معلوم ہوئی ہے۔ کوئی عظیم الشان واقعہ نہیں ہے۔ لیکن جس ترتیب کے ساتھ اُس کے پراگندہ حال جمع کر کے اس کتاب میں لکھے گئے ہیں۔ اور جس طریقہ سے اس کی عمدہ تصنیفات اور پاکیزہ خیالات پر بحث کی گئی ہے۔ اس سے اُمید کی جاتی ہے۔ کہ عام ناظرین کے لیئے اس کا مطالعہ لطف سے خالی نہ ہوگا۔ اور خاصکر شعرا کو اس سے کسی قدر بصیرت اور نصیحت بھی حاصل ہوگی۔

اس کتاب کے دو باب اور ایک خاتمہ ہے۔ **پہلے باب** میں شیخ کی سوانح عمری کا بیان ہے۔ اور **دوسرے باب** میں اُس کی تصنیفات کا مفصل ذکر ہے۔ اور **خاتمہ** میں اُس کے عام حالات اور عام شاعری پر بالاجمال نظر کی گئی۔

لے یہ صاحب ۱۸۰۷ء میں جب کہ مارکوئس ولزلی صاحب گورنر جنرل تھے۔ بطریق سیاحت ہندوستان میں آئے تھے۔ رفتہ رفتہ لکھنؤ میں نواب سعادت علیخاں کے ہاں نوکر ہوگئے۔ پھر گورنمنٹ کی طرف سے ایران میں سفیر ہوکر گئے۔ سفارت کے زمانہ میں ایک تذکرہ ایران کے مشہور شاعروں کا جن میں شیخ جی بھی شامل ہیں۔ اُنھوں نے بہت کوشش سے لکھا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہے۔ اگرچہ اسلام کے قدیم مصنفوں میں بیشمار لوگ ایسے گذرے ہیں جنکی عظمت اور جلالت کے سامنے شیخ کو کچھ رتبہ نہیں ہے۔ مگر ہم نے سب سے اول شیخ کا حال اس لئے لکھا ہے۔ کہ ہندوستان میں اُس سے زیادہ کوئی مسلمان مصنف مقبول اور مشہور نہیں ہے۔ اور خاص کر فارسی زبان کے شعراء میں میرے نزدیک کوئی شاعر اُس کے رتبہ کو نہیں پہنچا۔ لیکن اگر زمانہ نے فرصت دی۔ تو ہمارا ارادہ ہے۔ کہ اور بھی چند مشہور اور ذی وقعت مصنفوں کی سوانح عمری اور اُن کی تصنیفات کا بیان جدا جدا لکھیں گے ۔ السَّعیُ مِنَّا وَالاِتمامُ مِنَ اللہِ ۔

۱۸۸۱ء الطاف حسین حالی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پہلا باب

شیخ کی سوانح عمری

شیخ کی سرگذشت بیان کرنے سے پہلے اُس مردم خیز خطّہ کا مختصر حال لکھنا شائد بے محل نہ ہوگا جس کی خاک سے ایسا مفید اور مقبول مصنّف پیدا ہوا۔ اور جہاں سے علماء و شعراء اور جلیل القدر مصنّفوں کی ایک جماعت کثیر عروج اسلام کے ہر طبقہ اور ہر صدی میں ظہور کرتی رہی۔

فارس اور شیراز کا حال

ایران کے جنوب مغربی حصّہ میں خلیج فارس کے کنارہ پر پارس[1] ایک خطّہ ہے۔ جس کو عرب فارس کہتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں تمام ایران کو پارس کہتے تھے۔ لیکن اب خاص اس حصّہ کو پارس کہا جاتا ہے۔ اس چھوٹی سی ولایت میں بہت سی قدرتی اور قدیم مصنوعی چیزیں ایسی ہیں۔ کہ اُسے دُنیا کا نمونہ کہا جا سکتا ہے۔

تقریباً آدھا ملک پہاڑی اور آدھا میدانی ہے۔ اور جنوبی حد پر سمندر یعنی خلیج فارس ہے آب و ہوا کہیں نہایت گرم ہے اور کہیں نہایت سرد ہے۔ اکثر صحرا سرسبز و شاداب ہیں۔ جا بجا چشمے اور ندیاں جاری ہیں۔ صحرائے شاپور میں جو کہ شیراز

[1] پارس جیسا کہ فرہنگ ناصری میں لکھا ہے۔ ہوشنگ کے بیٹے کا نام تھا۔ اسی کے نام سے قدیم زمانہ میں تمام ایران کو پارس کہتے تھے۔ اور اہل یورپ اب بھی تمام ایران کو اسی لئے پرشیا یعنی پارس کہتے ہیں۔ لیکن جب سے کہ ایران کے ہر ایک صوبہ اور ولایت کا جدا جدا نام رکھا گیا۔ اسوقت سے پارس اس ولایت کو کہنے لگے +

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے نواح میں ہے۔ ایک وسیع قطعہ ہے۔ جس کا نام شِعب بوّان ہے۔ عرب کے لوگ یہ سمجھتے تھے۔ کہ دُنیا میں چار تفرج گاہیں ایسی ہیں۔ جن کا کہیں نظیر نہیں ✣ صُغد[1] سمرقند۔ غوطہ دمشق۔ نہر اُبلّہ۔ اور شِعب بوّان ✣

اتابک ابوبکر بن سعد زنگی جس کے عہدِ حکومت میں شیخ نے گلستان لکھی ہے۔ ہمیشہ فخر سے کہا کرتا تھا کہ میرے ملک میں دو چیزیں ایسی ہیں۔ جو خوف اور اطمینان کی حالت میں بادشاہوں کے لئے ناگزیر ہیں۔ خوف کی حالت میں قلعۂ سفید اور اطمینان کی حالت میں نزہت گاہِ شعب بوّان۔ اکثر شعرائے عرب نے اس قطعہ کی تعریف میں قصیدے لکھے ہیں۔ جن میں سے سلامی شاعر کا قصیدہ عضد الدولہ دیلمی کی فرمائش سے لکھا گیا تھا۔ بہت مشہور ہے۔ ایک اور شاعر کہتا ہے ؎

اِذَا اَشْرَفَ الْمَحْزُوْنُ مِنْ رَاْسِ قَلْعَۃٍ　　عَلٰے شِعْبِ بَوَّانٍ اَسْتَرَاحَ مِنَ الْکَرْبِ

ترجمہ۔ جب غمگین آدمی قلعہ پر سے شعب بوان کی فضا کو دیکھتا ہے۔ تو اُسکی تمام کلفتیں دُور ہو جاتی ہیں۔

فارس کے میوے عراق عجم میں جاتے ہیں۔ گرم پانی کے چشمے اور سفید کانیں فارس میں موجود ہیں۔ فارس کے آثارِ قدیمہ دُنیا کے اُن عجائبات میں سے ہیں جن کو اگلے زمانہ کے لوگ جنّ اور پری کے کام سمجھتے تھے۔ جیسے تخت جمشید، نقشِ شاپور، دخمہ فریدون اور خانہ زردشت۔ اُنکا مفصّل حال ایران کی انگریزی تاریخوں میں مذکور ہے۔ انہیں آثار قدیمہ کی نسبت عُرفی شیرازی نے کہا ہے ؎

از نقش و نگارِ در و دیوار شکستہ　　آثار پدید است صنادیدِ عجم را

---

[1] صُغد معرّب سُغد نشیب کی زمین اور صغد سمرقند ایک نزہت گاہ سمرقند کے قریب تھی۔ غوطہ بھی نشیب نشین کو کہتے ہیں۔ اور غوطہ دمشق ایک سیرگاہ دمشق میں تھی۔ اُبلّہ بصرہ میں ایک پُرفضا مقام تھا۔ وہاں ایک ندی تھی۔ اُس کو نہر اُبلّہ کہتے تھے۔ یہ تینوں مقام اور شعبِ بوّان دنیا کے چار بہشت سمجھے جاتے تھے ✣

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس کے سوا اور بہت سی خصوصیتیں ایسی ہیں۔ جن کے دیکھنے سے انسان کے قوائے میں شگفتگی اور بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے۔ کہ فارس کے اکثر شہر مردم خیز سمجھے گئے ہیں۔ جیسے کہ یزد۔ میبند۔ گازرون۔ فیروز آباد۔ بیضا۔ شیراز وغیرہ۔ ان شہروں میں کثرت سے علما و فضلاء اور ادیب و شاعر پیدا ہوئے ہیں۔ جن کی تصنیفات مسلمانوں میں ابتک موجود ہیں۔ خصوصاً شیراز جو کہ صدہا سال ایران کا پایۂ تخت رہا ہے۔ مسلمان ایرانیوں نے جس طرح قُم کو دارالمومنین اور یزد کو دارالعباد کا خطاب دیا ہے۔ اسی طرح شیراز کو دارالعلم کے لقب سے ملقب کیا ہے۔ اگرچہ شیراز کا علم و فضل زمانہ کے انقلاب اور سلطنتِ اسلامیہ کے تنزل سے اب نہایت پست حالت میں ہے۔ لیکن اُس کی موجودہ نسلوں کی حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی قدیم بزرگی اور برتری کے نشہ میں اب تک بدمست ہیں۔ حاجی لطف علیخاں آور نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ شیراز کے چھوٹے بڑے جوان اور بوڑھے صحبت اور جلسوں پر فریفتہ ہیں۔ کسبِ معاش اسقدر کرتے ہیں۔ کہ کسی کے محتاج نہ ہوں۔ تھوڑی سی آمدنی پر قانع رہتے ہیں۔ اور ہمیشہ سیرگاہوں اور قہوہ خانوں میں جمع ہوتے ہیں +

شیراز کی بنیاد اسلام کے زمانہ میں پڑی ہے۔ محمد بن قاسم جس نے مسلمانوں میں سب سے اوّل ہندوستان پر لشکر کشی کی ہے۔ شیراز کا بانی ہے۔ یہ شہر پہلی صدی ہجری کے آخیر میں ایک نہایت سرسبز و شاداب قطعۂ زمین پر آباد کیا گیا ہے۔ تقویم البلدان میں لکھا ہے کہ شیراز کے مکانات بہت وسیع اور بازار پُررونق ہیں۔ اور گھر گھر نہر جاری ہے۔ شاید ہی کوئی مکان ایسا ہو جس میں ایک عمدہ باغ اور نہر نہ ہو۔ پھر صفاریوں[۱] اور دیلمیوں[۲] کے عہد میں شیراز نے اور بھی زیادہ وسعت اور رونق حاصل کی۔ عضدالدولہ دیلمی کے زمانہ میں اُس کی آبادی اس درجہ کو پہنچی کہ شہر

۱۔ صفاریوں میں تین بادشاہ ہوئے۔ چالیس برس اُنکی سلطنت رہی +

۲۔ دیلمیوں میں اٹھارہ بادشاہ ہوئے۔ جنکی حکومت ۱۲۸ برس رہی +

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں اہل لشکر کی گنجائش نہ رہی اور شہر کے باہر ایک جدید عمارت بنائی گئی جس کا نام شوق الامیر رکھا گیا۔ اور اس کے بیٹے صمصام الدولہ نے اس جدید عمارت کے گرد پختہ فصیل کھنچوائی؀

شیراز کی آب وہوا نہ زیادہ گرم ہے نہ زیادہ سرد۔ بلکہ نہایت معتدل اور خوشگوار ہے۔ شیخ سعدی اور خواجہ حافظ اور اکثر پرانے اور نئے شاعروں نے شیراز کی تعریف میں اشعار اور قصیدے لکھے ہیں۔ ازاں جملہ خواجہ حافظ کا یہ شعر مشہور ہے۔

بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت کنارِ آب رکنا باد و گلگشت مصلیٰ را

شیخ علی حزیں نے بارہویں صدی ہجری میں جب کہ شیراز کی رونق بالکل جا چکی تھی اُسکو دیکھا ہے وہ اپنے سوانح عمری میں اُسکی بہت سی تعریف کے بعد لکھتا ہے کہ شیراز کی آب وہوا دماغ کے ساتھ نہایت مناسبت رکھتی ہے جس قدر چاہو کتاب کے مطالعہ اور فکر و غور مضامین میں مصروف رہو کبھی جی نہ اکتائیگا

اس میں شک نہیں کہ شہر کا قدرتی موقع اور آب وہوا کی خوبی اور عمارات کی لطافت وخوش اسلوبی باشندوں کے خیالات اور قویٰ پر عجیب اثر رکھتی ہے یہی سبب ہے کہ شیراز کے اکثر مشائخ اور علماء وشعراء پاکیزہ طبع اور لطیف وظریف ہوئے ہیں۔ شیخ نے بوستان کے دیباچہ میں اہل شیراز کو اُن تمام اشخاص پر ترجیح دی ہے۔ جن سے وہ حالات سفر میں ملا تھا۔ شیراز سے جس قدر علماء ومشائخ وشعراء ومصنفین ابتداء سے اخیر تک اُٹھے ہیں اور جن کا حال مسلمانوں کے تذکروں میں جا بجا مذکور ہے۔ ان کی تعداد سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ اس شہر کی خاک علم وہنر کے ساتھ کس قدر مناسبت رکھتی ہے اور شیخ کے کلام کی بے نظیر شہرت اور مقبولیت سے ثابت ہے کہ شیخ کا وجود بھی شیراز کے لئے کچھ کم باعثِ افتخار نہ تھا؀

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شیخ کا نام۔ نسب۔ ولادت اور بچپن

اس کا نام شرف الدین اور مصلح لقب اور سعدی تخلص ہے۔ سرگور اوسلی نے اس کی ولادت ۵۸۹ھ ہجری مطابق ۱۱۹۳ء میں لکھی ہے۔ مگر تحقیق یہ[1] ہے کہ وہ سال مذکور سے بہت برسوں پہلے اتابک مظفر الدین تکلہ بن زنگی کے عہد حکومت میں پیدا ہوا ہے۔ شیخ کی ولادت کے کئی برس بعد اتابک سعد زنگی اپنے بھائی تکلہ[2] بن زنگی کی جگہ تخت شیراز پر متمکن ہوا تھا۔ چونکہ شیخ نے سعد زنگی کے عہد میں شعر کہنا شروع کیا تھا۔ اور نیز شیخ کا باپ عبداللہ شیرازی سعد کے ہاں کسی خدمت پر مامور تھا۔ اس لئے اس نے اپنا تخلص سعدی قرار دیا۔ شیخ کا باپ جیسا کہ اس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے ایک باخدا اور متورع آدمی تھا۔ شیخ کے بچپن کا حال اس سے زیادہ معلوم نہیں کہ نماز روزہ کے مسائل اسکو بہت تھوڑی عمر میں یاد کرائے گئے تھے اور بچپن ہی میں اس کو عبادت شب بیداری اور تلاوت قرآن مجید کا کمال شوق تھا۔ عید اور تہواروں میں ہمیشہ باپ کے ہمراہ رہتا تھا۔ اور کہیں آوارہ پھرنے نہ پاتا تھا۔ باپ اس کے افعال

---

[1] اس کی ولادت کا سال کسی نے نہیں لکھا صرف سال وفات سب نے لکھا ہے یعنی ۶۹۱ھ ہجری اور اس کی عمر ۱۰۲ یا ۱۱۰ یا ۱۲۰ برس کی بتائی ہے پس کم سے کم عمر ماننے سے اس کی ولادت ۵۸۹ھ میں قرار پاتی ہے لیکن اس سے لازم آتا ہے کہ ابوالفرح ابن جوزی جو بغداد میں اس کا جلیل القدر اُستاد تھا۔ اسکی وفات کے وقت جو کہ قطعاً ۵۹۷ھ ہجری میں ہوئی ہے شیخ کی عمر نو برس سے زیادہ نہ ہو اور یہ بالکل خلاف واقعہ ہے اسی لئے اسکی عمر ۱۰۲ برس سے زیادہ تسلیم کرنی چاہیئے۔

[2] بوستان میں تکلہ کو شاہانِ پیشین میں لکھا ہے حالانکہ سعدی اس کے وقت میں پیدا ہو لیا تھا۔ اس کا سبب ہے کہ بوستان تکلہ سے چوتھے بادشاہ یعنی ابوبکر کے عہد میں لکھی گئی ہے پس شاہانِ پیشین سے وہ بادشاہ مراد ہیں جو ابوبکر سے پہلے تھے نہ وہ جو سعدی سے پہلے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

واقوال کی نگرانی عام باپوں کی نسبت بہت زیادہ کرتا تھا۔ اور بے موقع بولنے پر زجر و توبیخ کرتا تھا۔ شیخ نے اپنی تربیت کا بڑا سبب اسی باپ کی تادیب اور زجر و توبیخ کو قرار دیا ہے چنانچہ وہ بوستاں میں کہتا ہے

ندانی کہ سعدی مکاں از چہ یافت　　نہ ہاموں نوشت و نہ دریا شگافت

بخردی بخورد از بزرگاں قفا　　خدادادش اندر بزرگی صفا

لیکن شیخ کے بعض اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ باپ اُسکو کمسن چھوڑ کر مر گیا تھا باپ کی وفات کے بعد غالباً شیخ کی والدہ نے اس کو تربیت کیا ہوگا۔ کیونکہ اس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جوانی کی حالت میں اسکی ماں زندہ تھی۔ کئی تذکروں میں یہ لکھا ہے کہ علامہ قطب الدین شیرازی جو کہ محقق طوسی کا شاگرد رشید اور ہلاکو خاں کا مصاحب خاص تھا شیخ کا ماموں یا قریب کا رشتہ دار تھا۔ مگر بعض تذکروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ اور علامہ کے باہم ایسی بے تکلفانہ ہنسی اور چہل ہوتی تھی۔ جو ماموں بھانجوں میں نازیبا معلوم ہوتی ہے بہر حال شیخ اور علامہ دونوں ہمعصر تھے۔ اور شاید کچھ قرابت بھی رکھتے ہوں ؂

شیخ کی تعلیم کا حال

اگرچہ شیخ کا باپ ایک درویش آدمی تھا۔ اور بچپن میں شیخ کو بہ نسبت علم حاصل کرنے کے زہد و عبادت اور صلاح و تقوٰے کی ترغیب دی گئی تھی۔ اس کے سوا شیخ ابھی جوان نہ ہونے پایا تھا کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔ مگر اُس نے ہوش سنبھالتے ہی شیراز اور اس کے قُرب وجوار میں علما و مشائخ اور فصحا و بلغا کی ایک جماعت کثیر اپنی آنکھ سے دیکھی تھی اور اُن سے بھی زیادہ ایک جمِّ غفیر کا شہرہ جو خطۂ فارس میں اہل کمال ہو گذرے تھے بزرگوں سے سنا تھا۔ قاعدہ ہے کہ بزرگوں اور کاملوں کے دیکھنے یا ان کی شہرت اور ذکر خیر سننے سے ہونہار لڑکوں کے دل میں خود بخود انکی ریس اور پیروی کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے اسی لئے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تحصیل علم کا شوق اس کو دامنگیر ہوا اگرچہ دار العلم شیراز میں تحصیل علم کا سامان مہیا تھا۔ علمائے جلیل القدر درس تدریس میں مشغول تھے۔ مدرسہ عضدیہ جو کہ عضد الدولہ دیلمی نے قائم کیا تھا۔ اور اس کے سوا اور مدرسے وہاں موجود تھے۔ لیکن اس وقت وہاں ایسی ابتری اور خرابی پھیلی ہوئی تھی کہ اہل شیراز کو ایک دم اطمینان نصیب نہ تھا اگرچہ اتابک سعد بن زنگی نہایت عادل۔ رحم دل بامروّت اور قیاض بادشاہ تھا۔ مگر اس کی طبیعت میں اولوالعزمی حد سے زیادہ تھی۔ اکثر شیراز کو خالی چھوڑ کر عراق کے حدود میں لشکر کشی کرتا رہتا تھا۔ اور اپنی مہمات کے شوق میں ممالک محروسہ کو بالکل فراموش کر دیتا تھا۔ اس کی غیبت کے زمانہ میں اکثر مفسد لوگ میدان خالی پاکر اطراف وجوانب سے شیراز پر چڑھ آتے تھے اور قتل وغارت کر کے چلے جاتے تھے۔ چنانچہ ساتویں صدی کے آغاز میں اوّل اتابک اوزبک پہلوان نے اور پھر چندروز بعد سلطان غیاث الدین نے بہت سے لشکر کے ساتھ آکر شیراز کو ایسا تاخت وتاراج کیا کہ اس کی تباہی اور بربادی میں کوئی دقیقہ باقی نہ رہا ایسی حالت میں تحصیل علم کی فرصت شیخ کو وطن میں ملنی دشوار بلکہ ناممکن تھی۔ اس کے علاوہ امن کے زمانہ میں بھی وطن کے مکروہات اور موانع ہمیشہ تحصیل علم میں رخنہ انداز ہوتے ہیں یہ اسباب تھے جنہوں نے شیخ کو ترک وطن پر مجبور کیا۔ چنانچہ ذیل کے اشعار میں اس نے شیراز سے تنگ آکر بغداد جانے کا ذکر کیا ہے ؎

دلم از صحبتِ شیراز بکلّی بگرفت — وقت آنست کہ پرسی خبر از بغدادم

سعدیا حُبّ وطن گرچہ حدیثیست صحیح — نتواں مُرد بہ سختی کہ من اینجا زادم

ترجمہ میرا دل شیراز کی صحبت سے تنگ آگیا۔ اب وہ وقت ہے کہ مجھ سے بغداد کا حال پوچھو۔ اے سعدی وطن کی محبت اگرچہ صحیح بات ہے مگر اس ضرورت سے کہ میں یہاں پیدا ہوا ہوں۔ سختی میں مرا نہیں جاتا ٭

اس زمانہ میں مسلمانوں کے بیشمار مدرسے بلادِ اسلام میں جا بجا کھلے ہوئے تھے۔ جہاں دُور دُور سے طالب علم آ آکر علم تحصیل کرتے تھے۔ ہرات۔ نیشاپور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اصفہان - بصرہ اور بغداد میں خواجہ نظام الملک طوسی وزیر الپ ارسلاں کے بنائے ہوئے مدرسے آباد اور معمور تھے - ان کے سوا شام[1] - عراق اور مصر وغیرہ جگہ جگہ مدرسے جاری تھے - لیکن سب زیادہ شہرت نظامیہ بغداد نے حاصل کی تھی جس کو خواجہ نظام الملک طوسی نے ۴۵۹ھ ہجری میں بنوایا تھا - ہزاروں جلیل القدر عالم اور حکیم اس مدرسہ سے تعلیم پاکر نکلے ہیں - جن کی تصنیفات اب تک مسلمانوں میں موجود ہیں یہ مدرسہ اسقدر نامور تھا کہ جو علماء یہاں کے پڑھے ہوئے مشہور ہو جاتے تھے پھر اُن کے مستند اور ذی اعتبار ہونے میں کسی کو شبہ نہ رہتا تھا - امام ابو حامد غزالی - شیخ عراق عبدالقاہر سہروردی - استاد الائمہ ابو حامد عماد الدین موصلی اور بڑے بڑے جلیل القدر عالموں نے اسی مدرسہ میں تعلیم پائی تھی - شیخ کو اس مدرسہ میں آنے کی ترغیب اس سبب سے اور بھی زیادہ ہوئی ہوگی کہ اس کا ہموطن شیخ ابو اسحاق شیرازی جس کا علم وفضل شہرۂ آفاق تھا - مدت تک اس مدرسہ کا متولی رہا تھا - جس وقت نظام الملک نے بغداد میں مدرسہ قائم کیا تھا تو سب سے اول یہاں کا متولی شیخ ابو اسحاق کو مقرر کیا تھا - اور ان سب سے اہل شیراز کو اس مدرسہ سے ایک خاص نسبت اور لگاؤ تھا ؛

الغرض شیخ نے مدرسہ نظامیہ میں جاکر تحصیل علم شروع کی اور جیسا کہ بوستان میں اس نے تصریح کی ہے وہاں سے اس کے لئے کچھ وظیفہ بھی مقرر ہو گیا تھا ؛

---

[1] ان میں سے مدرسہ ناصریہ ملک الناصر صلاح الدین کا بنایا ہوا قبرس میں اور مدرسہ رواحیہ رواحہ کے پوتے زکی ابو القاسم ہبۃ اللہ کا - اور نیز مدرسہ ست الشام خاتون بنت ایوب خواہر صلاح الدین کا اور دار الحدیث ملک عادل بن ایوب کا دمشق میں - اور مستنصریہ خلیفہ مستنصر باللہ کا بغداد میں اور صاحبیہ وزیر صفی الدین کا قاہرہ میں اور نوریہ نور الدین ارسلان شاہ صاحب موصل کا موصل میں بہت مشہور تھے - ان کے سوا جیسا کہ تاریخ ابن خلکان سے معلوم ہوتا ہے اور بہت سے مدرسے جیسا کہ مدرسہ ثقفیہ - قاہریہ - عزیزیہ - عربیہ - زینبیہ - نفیسیہ علائیہ وغیرہ وغیرہ بیت المقدس موصل بغداد دمشق اور اسکندریہ وغیرہ میں موجود تھے ؛

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بغداد میں جن لوگوں سے شیخ نے پڑھا تھا اُن میں سب سے زیادہ مشہور اور نامور علاّمہ ابو الفرج عبد الرحمٰن ابن جوزی ہے جس کا لقب جمال الدین ہے یہ شخص حدیث اور تفسیر میں اپنے وقت کا امام تھا۔ بیشمار کتابیں اس کی تصنیفات سے ہیں کہتے ہیں کہ اس نے مرتے وقت وصیّت کی تھی کہ میں نے جن قلموں سے حدیث لکھی ہے اُن کا تراشہ میرے حُجرے میں ہے مرنے کے بعد مجھ کو نہلائیں تو غسل کے لئے اس تراشہ سے پانی گرم کریں۔ چنانچہ اس کی وصیّت کے موافق عمل کیا گیا اور پانی گرم ہو کر کچھ تراشہ بچ رہا۔

جس زمانہ میں شیخ بغداد میں علاّمہ ابن جوزی سے پڑھتا تھا اُسوقت شیخ کی جوانی کا آغاز تھا۔ دولت شاہ سمرقندی و سرگور اوسلی نے لکھا ہے کہ ابن جوزی سے تحصیل علم کرنے کے بعد شیخ نے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رح سے بعیت کی تھی اور اُن سے علم تصوّف اور طریق معرفت و سلوک حاصل کیا۔ اور پہلی مرتبہ انہیں کے ساتھ بیت اللہ کے حج کو گیا۔ مگر یہ بات بالکل غلط ہے۔ کیونکہ شیخ سید عبد القادر جیلانی قدس سرّہٗ کی وفات ۵۶۱ھ ہجری میں یعنی شیخ سعدی کی ولادت سے بہت پہلے ہو چکی تھی۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ شیخ شہاب الدین سُہروردی سے اس کو صحبت رہی ہے۔ اور ایک بار سفر دریا میں وہ ان کے ساتھ رہا ہے۔

شیخ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں اس سے ہم عمر اور ہمعصر لوگ اس کی خوش بیانی اور حسن تقریر پر رشک کرتے تھے۔ چنانچہ ایکبار اس نے اُستاد سے شکایت کی کہ فلاں طالب علم مجھ کو رشک کی نگاہ سے دیکھتا ہے جب میں آپس میں بیٹھ کر مسائل علمیہ بیان کرتا ہوں تو وہ حسد سے جل جاتا ہے اُستاد یہ سُنکر شیخ پر غصّے ہُوا اور یہ کہا کہ اوروں کے رشک و حسد کی تو شکایت کرتے ہو اور اپنی بدگوئی اور غیبت کو بُرا نہیں سمجھتے۔ تم دونوں اپنی عاقبت خراب کرتے ہو۔ وہ رشک اور حسد سے اور تم بدگوئی و غیبت سے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شیخ کو بچپن سے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے فقر اور درویشی کی طرف زیادہ میلان تھا۔ طالب علمی کے زمانہ میں بھی وہ برابر وجد و سماع کی مجلسوں میں شریک ہوتا تھا۔ اور علامہ ابوالفرح ابن جوزی ہمیشہ اس کو سماع سے منع کرتا تھا مگر شیخ کو سماع کا ایسا چسکا تھا کہ اس باب میں کسی کی نصیحت کارگر نہ ہوتی تھی۔ لیکن علماء کی سوسائٹی آہستہ آہستہ اس کے دل میں گھر کرتی جاتی تھی۔ آخر ایک روز کسی مجلس میں اسکو ایک بدآواز قوال سے پالا پڑا اور بضرورت ساری رات اس مکروہ صحبت میں بسر ہوئی۔ صحبت کے ختم ہونے پر آپ نے سر سے منڈاسا اتارا اور جیب میں سے ایک دینار نکالا اور یہ دونوں چیزیں قوال کی نذر کیں۔ اصحاب مجلس کو اس حرکت سے تعجب ہوا شیخ نے یاروں سے کہا کہ میں نے آج اس شخص کی کرامت مشاہدہ کی ہے۔ میرا مربی استاد ہمیشہ سماع سے منع کرتا تھا۔ مگر میں نے اس کے حکم کی تعمیل نہ کی۔ اور برابر سماع میں شریک ہوتا رہا۔ آج خوش قسمتی سے اس مبارک جلسے میں آنا ہوا اور اس بزرگوار قوال کے تصرف سے میں نے ہمیشہ کے لئے سماع سے توبہ کی *

شیخ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ کی صحبت سے عالم طالب علمی میں تصوف اور درویشی کے خیالات اس کے دل سے اتر گئے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ ایک شخص خانقاہ کو چھوڑ کر مدرسہ میں چلا آیا۔ میں نے پوچھا کہ عالم اور درویش میں کیا فرق دیکھا جو اس طریقہ کو چھوڑ کر اس کوچہ میں قدم رکھا۔ کہا درویش صرف اپنی جان بچانے میں کوشش کرتے ہیں اور علماء یہ چاہتے ہیں کہ اپنے ساتھ ڈوبتوں کو بھی بچائیں *

شیخ نے شعر میں اکثر یہ بات جتائی ہے کہ اس کو کسی سرزمین کے ساتھ عراق یا بغداد سے بڑھ کر تعلق نہیں رہا۔ چنانچہ ایک جگہ کہتا ہے ؎

ساقی بزن نوائے زاں پردۂ عراقی ۔۔۔ بعد از عراق جائے خوش نایدم ہوائے

جس زمانہ میں شیخ نظامیہ بغداد میں پڑھتا تھا۔ اگرچہ اس وقت حقیقت میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

عباسیوں کی خلافت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ مگر ظاہری شان و شوکت ہارون اور مامون کے عہد کو یاد دلاتی تھی۔ عباسیہ کا آخیر خلیفہ مستعصم باللہ سریر سلطنت پر متمکن تھا۔ اور اس کے عہد میں گویا بغداد کی خلافت نے چند روز کے لئے سنبھالا لیا تھا۔ اطراف عالم کے اکابر و اشراف اور ہر علم و فن کے ماہر اور ارباب حرفت و صنعت مدینۃ السلام بغداد میں جمع تھے۔ عیش و عشرت کے سامان حد سے زیادہ ہر طرف مہیا نظر آتے تھے۔ خلیفہ کی عظمت اور رعب و داب سے بڑے بڑے جلیل القدر بادشاہ لرزتے تھے اور بڑے بڑے شہریار اور فرمانروا بارگاہ خلافت میں مشکل سے باریاب ہوتے تھے۔ قصر خلافت کے آستانہ پر ایک پتھر بمنزلہ حجر اسود کے پڑا ہوا تھا۔ جس کو امراء اور اعیان سلطنت قصر خلافت میں داخل ہوتے وقت بوسہ دیتے تھے۔ تہواروں میں جس راہ سے خلیفہ کی سواری نکلتی تھی وہاں ایک مدت پہلے سے رستہ کے تمام منظر اور بالا خانے کرایہ داروں سے رک جاتے تھے۔

الغرض عباسیہ کا یہ آخری جاہ و جلال شیخ نے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔ اور پھر اُسی آنکھ سے اُس دار الخلافہ کا بے چراغ ہونا جو چھ سو برس بوسہ گاہ ملوک و سلاطین رہا تھا۔ اور اس خاندان کی بربادی جس کا سایۂ اقتدار یورپ۔ ایشیا اور افریقہ پر برابر پڑتا تھا۔ اور خلیفہ اور اس کی اولاد اور ہزارہا بنی عباس اور کئی لاکھ اہل لشکر اور اہل بغداد کا تاتاریوں کی تیغ بیدریغ سے قتل ہونا اور عرب کے سطوت اور اقتدار کا ہمیشہ کے لئے صفحہ روزگار سے مٹ جانا مشاہدہ کیا تھا۔ شیخ نے وہ تمام اسباب بھی دیکھے تھے جو مستعصم باللہ کی تباہی اور عباسیہ کے زوال کا باعث ہوئے۔ اور وہ ظلم و ستم بھی اس کی آنکھوں کے روبرو گزرے تھے جو ہلاکو خاں کے خونخوار لشکر نے بغداد میں برپا کئے۔ ان حوادث و واقعات کا تماشا شیخ کے لئے ایک نہایت عمدہ سبق تھا۔ جس نے اُس کے دل میں قوم کی دل سوزی۔ بادشاہوں کی اصلاح۔ رعایا کی ہمدردی اور ہر طبقہ کے لوگوں کی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بھلائی کا خیال پیدا کر دیا تھا اور اسی خیال کی بدولت اس نے اپنی تمام عمر ابنائے جنس کی نصیحت اور خیراندیشی میں صرف کی +

مستعصم باللہ کا نہایت دردناک مرثیہ شیخ نے اس وقت لکھا ہے جب کوئی شخص اسکا رونے والا اور خود اسلام کے سوا کوئی اس کا ماتم دار اور سوگوار دنیا میں باقی نہ تھا۔ اس مرثیہ کے چند ابیات اس موقعہ پر نقل کرنے مناسب معلوم ہوتے ہیں۔

ابیات

ترجمہ	اشعار	
آسمان کا فرض ہے کہ مستعصم کی تباہی پر زمین پر خون برسائے۔	آسمان را حق بود گر خوں ببارد بر زمین بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المؤمنین	(۱)
اے محمد (صلعم) اگر آپ قیامت ہی کو مرقد سے باہر نکلیں گے تو ابھی نکل کر قیامت دنیا میں دیکھ لیجئے۔	ای محمد گر قیامت می بر آری سر ز خاک سر بر آور ویں قیامت درمیانِ خلق بیں	(۲)
محل کے نازپروردوں کے حلق کا خون ڈیوڑھی ہی سے بہ گیا اور ہمارے دل کا خون آستین سے ٹپک نکلا۔	نازنینانِ حرم را خونِ خلقِ نازنین ز آستاں بگذشت و ما را خونِ دل از آستین	(۳)
زمانہ کی گردش اور دنیا کے انقلاب سے پناہ مانگنی چاہیئے یہ بات کسی کے خیال میں بھی نہ آتی تھی کہ یوں سے یوں ہو جائیگا۔	زینہار از دورِ گیتی و انقلابِ روزگار در خیالِ کس نگشتے کانچناں گردد چنیں	(۴)
جنہوں نے اس بیت الحرام کی شان و شوکت دیکھی ہے جہاں روم کے قیصر اور چین کے خاقان خاک پر سر رگڑتے اور زمین پر بیٹھتے تھے وہ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھیں +۔	دیدہ بر دار ای کہ دیدی شوکتِ بیت الحرام قیصرانِ روم سر بر خاک و خاقان بر زمیں	(۵)

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

(۶) خونِ فرزندانِ عمِّ مصطفےٰ شد ریختہ
ہم بر آنجا کہ سلطاناں نہادندے جبیں

کہ پیغمبر خدا کے بنی عمّ کا خون اس خاک پر بہہ گیا جہاں سلاطین ماتھا رگڑتے تھے۔

(۷) بعد ازیں آسایش از دنیا نباید چشم داشت
قیر در انگشتری ماند چو برخیزد نگیں

آئندہ دنیا سے آرام کی توقع رکھنی نہیں چاہیئے کیونکہ انگوٹھی پر سے جب نگیں جاتا رہتا ہے تو نری کلونس رہ جاتی ہے۔

(۸) دجلہ خوں نابست زین پس گر نہد سر در نشیب
خاکِ نخلستانِ بطحا را کند با خونِ عجیں

دجلہ کا پانی نکھرا خون ہو گیا ہے اگر اب جاری رہیگا تو نخلستانِ بطحا کی خاک کو خون سے رنگین کر دے گا۔

(۹) نوحہ لائق نیست بر خاکِ شہیدان زانکہ ہست
کمتریں دولت مر ایشاں را بہشت بریں

شہیدوں کی خاک پر نوحہ کی کیا ضرورت ہے کیونکہ ان کیلئے ادنی نعمت فردوس بریں ہے

۱۰- لیکن از روے مسلمانی و راہِ مرحمت
مہرباں را دل بسوزد در فراقِ نازنیں

ہاں مگر رحم اور اسلام کی ہمدردی کے سبب دوست کا دل دوست کی جدائی میں کڑھتا ہے

۱۱- باش تا فردا کہ بینی روز داور رستخیز
کز لحد با روئ خوں آلودہ برخیزد دفیں

کل تک صبر کرو قیامت کے دن دیکھ لینا کہ قبر سے اہل قبر لہو بھرا منہ لیکر اٹھیں گے۔

۱۲- تکیہ بر دنیا نباید کرد دل بروی نہاد
کاسماں گاہے بمہرست ای برادر گہ بکیں

یارو دنیا پر بھروسہ کرنا اور اس سے دل لگانا نہیں چاہیئے کیونکہ آسمان کبھی دوست ہے اور کبھی دشمن۔

۱۳- زور بازوی شجاعت بر نیاید با اجل
چوں قضا آید نماند قوّتِ رائے رزیں

شجاعت کا زور موت پر غالب نہیں آ سکتا اور جب قضا آتی ہے تو رائے صائب کی قوّت جاتی رہتی ہے۔

۱۴- تیغ ہندی بر نیاید روز ہیجا از نیام
شیر مردے را کہ باشد مرگ پنہاں در کمیں

جس بہادر کی گھات میں اجل ہوتی ہے اس کی امیں تلوار لڑائی کے دن میان سے باہر نہیں نکلتی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

۱۵	تجربت بیفائدہ است آنزا کہ برگردید بخت حملہ آوردن چہ سود آنزا کہ برگردید زین	جب نصیبہ پلٹ گیا پھر اس کا امتحان کرنا بیفائدہ ہے اور جب زین الٹ گیا پھر حملہ کرنا فضول ہے۔
۱۶	کرگسانند از پے مردار دنیا جنگجوے اے برادر گر خردمندی چو سیمرغان نشین	یارو مردار دنیا کے لئے گدہ آپس میں لڑ رہے ہیں۔ اگر تم عقلمند ہو تو سیمرغوں کی طرح الگ بیٹھو۔

شیخ پر بعض امامیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مستعصم باللہ جیسے نالائق اور ناشدنی خلیفہ کا مرثیہ لکھنا شیخ کی شان سے نہایت بعید تھا۔ اگرچہ اس بات کا انکار نہیں ہو سکتا کہ مستعصم باللہ میں دانائی نیکی اور انصاف بالکل نہ تھا۔ تکبر اور غرور نے اس کے دماغ کو مختل کر دیا تھا۔ غفلت اور بے پروائی کی نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ ایک بار اس کے بیٹے ابو بکر نے اہل سنت کی حمایت اور طرفداری میں کرخ کے بنی ہاشم پر نہایت سخت ظلم اور تعدّی کی۔ جس کے بیان کرنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں مگر اس نالائق خلیفہ نے اس کا کچھ تدارک نہ کیا۔ لیکن اس سے شیخ کے مرثیہ لکھنے پر کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ مستعصم باللہ کو کیسا ہی نالائق اور قابل نفرین سمجھو مگر یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ اس کے بگڑنے سے نہ صرف بنی عباس کی حکومت دنیا سے اُٹھ گئی۔ بلکہ مشرق سے مغرب تک جہاں جہاں عرب کے قدم جمے ہوئے تھے۔ ایکبارگی اُن میں تزلزل آ گیا۔ اور چندروز میں ان کا اقتدار صفحۂ ہستی سے یک قلم محو ہو گیا۔ پس جس شخص کے رگ و پے میں عرب کے خون کا ایک قطرہ بھی ملا ہوا تھا یا جس کے دل میں ایک ذرہ برابر اسلام کی حمیت تھی اس کیلئے اس سے بڑھ کر اور کیا مصیبت ہو سکتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بنی عمّ کا خون تاتاری وحشیوں کے ہاتھ سے آب باران کیطرح بہایا گیا اور جس عمارت کی بنیاد خلفائے راشدین کے ہنرمند ہاتھوں نے ڈالی تھی وہ چشم زدن میں ایک خاک کا ڈھیر ہو گیا۔ شیخ نے حقیقت میں مستعصم باللہ کا مرثیہ نہیں لکھا بلکہ اسلام کا مرثیہ لکھا ہے۔ اور اگر اس موقعہ پر حسان بن ثابت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

موجود ہوتے تو اُن کو بھی ایسا ہی مرثیہ لکھنا پڑتا مستعصم کے حال پر یہ شعر صادق آتا ہے ؎

ہمارے بعد بہت روئے ہمکو اہلِ وفا کہ اپنے مٹنے سے مہر و وفا کا نام مٹا

القصّہ شیخ مدرسہ نظامیہ سے نکل کر مدت دراز تک ایشیا اور افریقہ میں برابر سیر و سیاحت کرتا رہا۔ جب کتاب کے مطالعہ سے اس کا جی سیر ہو گیا۔ تو نسخہ کائنات کا مطالعہ شروع کیا۔ بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ اس نے تیس برس کی عمر تک تحصیل علم کی ہے۔ اور تیس برس سیر اور سفر میں اور تیس برس تصنیف و تالیف میں اور تیس برس عُزلت نشینی میں بسر کئے ہیں اگرچہ یہ تیس تیس برس کے چار مساوی حصے مقرر کرنے تکلّف سے خالی نہیں اور غالباً یہ مضمون منو شاستر سے اخذ کیا گیا ہے جس میں عمر کو ایسے ایسے تین یا چار حصّوں پر تقسیم کرنیکا حکم دیا گیا ہے مگر اس میں شک نہیں کہ شیخ کی عمر کا بڑا حصہ تحصیل علم اور سیر اور سفر میں بسر ہُوا نفحات الانس میں لکھا ہے کہ "شیخ عالم صوفیوں میں سے تھا اور علوم و آداب سے بہرۂ کامل رکھتا تھا" اگرچہ اُس کی شہرت طبقہ علماء میں اس قدر نہیں ہوئی جسقدر زمرۂ شعرا میں ہوئی۔ مگر اس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک محقق اور سلجھا ہوا عالم تھا۔ بعض موقعوں پر فقہا اور قضاۃ کے مجمعوں میں اسکو بحث و مناظرہ کا اتفاق ہُوا ہے۔ اور اخیر کو اس کی رائے سب پر غالب رہی ہے ایک بار غالباً شام یا عراق کے کسی شہر میں جہاں اس کے جان پہچان کم تھے۔ کسی تقریب سے قاضیٔ شہر کی مجلس میں اس کا گزر ہُوا۔ اُس وقت شیخ نہایت شکستہ حال تھا۔ اور مجلس میں تمام علماء و فقہا کمال تزک و احتشام سے بیٹھے تھے۔ شیخ سادگی سے سب کے برابر جا بیٹھا۔ خدّام نے جھڑک کر وہاں سے اٹھا دیا۔ اور مشکل سے پائین مجلس جگہ ملی۔ اس وقت کسی مسئلہ میں گفتگو ہو رہی تھی اور کسی سے وہ عقدہ حل نہ ہوتا تھا۔ شیخ نے دُور ہی سے باواز بلند کہا کہ اگر مجھ کو اجازت ہو تو اس باب میں میں بھی کچھ کہوں۔ سب شیخ کیطرف متوجہ ہو گئے اور ایک کم حیثیت آدمی کی ایسی جرأت پر سب کو تعجب ہُوا۔ شیخ نے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس مسئلہ کو بہت خوبی اور فصاحت سے بیان کیا چاروں طرف سے تحسین و آفرین ہونے لگی۔ قاضی نے مسند چھوڑ دی اور عمامہ سر سے اُتار کر شیخ کے سامنے رکھ دیا شیخ نے کہا یہ غرور کا اوزار مجھے نہیں چاہیئے۔ جب لوگ مجھکو حقیر اور ذلیل معلوم ہوں گے تو پھٹے پرانے کپڑے والوں سے میں بھی تمہاری طرح ناک چڑھاؤں گا اسی طرح اور بہت سے طعن اور ملامت کے الفاظ کہہ کر وہاں سے چل دیا۔ شیخ نے یہ اپنی سرگذشت بوستان میں اس طرح بیان کی ہے کہ گویا کسی غیر شخص کی سرگذشت ہے۔ مگر اخیر کے شعر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس نے خاص اپنی رو داد لکھی ہے۔

شیخ کی تحصیل اور مبلغ علم کا حال دریافت ہونا مشکل ہے مگر ظاہرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے فلسفہ اور حکمت کی طرف بہت کم توجہ کی تھی۔ زیادہ تر اس کی ہمت دینیات اور علم سلوک اور علم ادب کی جانب مصروف رہی۔ اور خاصکر وعظ اور خطابت میں جس کی تعلیم مدرسہ نظامیہ میں باقاعدہ طور سے ہوئی تھی۔ اس کو عمدہ دستگاہ تھی۔ طالب علمی ہی کے زمانہ میں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اس کے ہم جماعت لوگ اس کی خوش بیانی پر رشک کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بلاد شام میں اس نے مدتوں وعظ کہا ہے وہ لکھتا ہے کہ میں ایک دفعہ جامع بعلبک میں وعظ کہہ رہا تھا اور اہل مجلس نہایت افسردہ دل تھے جن کو کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ میں اس آیت کے معنے بیان کر رہا تھا کہ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ کہ ایک راہ رو وہاں سے گذرا۔ اس نے میرا بیان سُنکر ایسا پُرجوش نعرہ مارا کہ اور لوگ بھی اس کے ساتھ جیت گئے۔ اور تمام مجلس گرم ہو گئی ؎

شیخ کو علاوہ علم و فضل کے اکثر زبانوں سے واقفیت تھی۔ عرب۔ شام اور مصر وغیرہ میں رہتے رہتے وہاں کی زبان گویا اسکی مادری زبان ہو گئی تھی۔ وعظ اور بحث و مباحثہ اور تمام معاملات عربی زبان میں کرتا تھا۔ اور صرف روزمرّہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی بول چال ہی پر قدرت نہ تھی بلکہ عربی قصائد فصیح اور بامزہ اس کے کلیات میں موجود ہیں۔ اس کے سوا بت خانہ سومنات کے قصہ میں اس نے ایک جگہ ظاہر کیا ہے کہ وہ ژند کی زبان جانتا تھا۔ سر گور اوسلی لکھتے ہیں کہ ایشیاٹک جنرل کے ایک پرچہ مطبوعہ ۱۸۴۳ء میں فرانس کے مشہور محقق ام گارسن ڈی۔ ٹی سی نے لکھا ہے کہ "سعدی پہلا شخص ہے جس نے ہندوستانی زبان یعنی ریختہ میں جب کہ وہ سومنات اور گجرات میں آیا تھا۔ شعر کہا ہے"۔ مگر یہ ایک مغالطہ ہے۔ جو نہ صرف محقق مذکور کو بلکہ اس سے پہلے ہندوستان کے تذکرہ نویسوں کو بھی ہُوا ہے۔ اصل یہ ہے کہ دکن میں بھی ایک شاعر سعدی تخلص اُس زمانہ میں ہُوا ہے۔ جب کہ ریختہ کی بنیاد پڑنی شروع ہوئی تھی۔ یہ خیال کیا گیا ہے کہ اس کی وفات کو تقریباً چار سو برس گذرے ہیں کہتے ہیں کہ ریختہ میں سب سے پہلے اس نے شعر کہا ہے اور یہ تین شعر اس کے مشہور ہیں:

اشعار

قسقہ جو دیدم بر رخش گفتم کہ یہ کیا دیت ہے
گفتا کہ دُر اے باورا اس ملک کی یہ ریت ہے

ہمنا تمھن کو دل دیا تم دل لیا اور دُکھ دیا
ہم یہ کیا تم وہ کیا ایسی بھلی یہ پیت ہے

سعدی بگفتار ریختہ در ریختہ دُر ریختہ
شیر و شکر آمیختہ ہم ریختہ ہم گیت ہے

مرزا رفیع سودا نے اپنے تذکرہ میں ان اشعار کو شیخ سعدی شیرازی کے نام پر لکھا ہے۔ مگر حکیم قدرت اللہ خاں قاسم نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ اس شخص کو سعدی شیرازی جیسا کہ بعض تذکرہ نویسوں نے دھوکا کھایا ہے محض غلط ہے۔

سر گور اوسلی نے یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ کی ایک نظم دیکھی گئی ہے جس میں اس نے اٹھارہ مختلف زبانیں اُن ملکوں کی لکھی ہیں جہاں جہاں وہ سیاحی کو گیا ہے۔ اس بیان میں بھی ظاہر کچھ مبالغہ نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ ایک مدت دراز تک

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وہ ایشیا اور افریقہ کے مختلف ملکوں میں سفر کرتا رہا ہے۔ اور اکثر جگہ اس نے بہت بہت دیر تک قیام کرنا۔ شام۔ عراق۔ فلسطین۔ مصر یمن اور ہندوستان میں مدّت دراز تک مقام کرنا خود اس کے کلام سے ثابت ہوتا ہے۔ پس ضرور ہے۔ کہ وہ ان ملکوں کی زبان سے کافی واقفیت رکھتا ہو۔ اس کے سوا اُس نے اور بہت سے ملکوں کی سَیر کی ہے۔ جن میں اکثر کا ذکر گلستان اور بوستان میں کیا ہے۔

شیخ کی سیاحت کا حال

سرگوراوسلی لکھتے ہیں کہ مشرقی سیاحوں میں ابن بطوطا کے سوا شیخ سعدی سے بڑھ کر اور کوئی سیّاح ہم نے نہیں سُنا۔ اس نے ایشیائے کوچک۔ بربر۔ حبش مصر شام۔ فلسطین۔ آرمینیا۔ عرب جملہ ممالک ایران اکثر ممالک توران ہندوستان۔ رودبار۔ دیلم۔ کاشغر اور جیحون سے آگے تک اور بصرہ و بغداد سے ستھین[۱] وال تک کی سیر کی تھی۔ صاحب موصوف یہ بھی لکھتے ہیں کہ شیخ کو چار دفعہ ہندوستان میں آنے کا اتفاق ہُوا ہے۔ از آنجملہ ایک دفعہ پٹھان اغلمش کے وقت میں اور دو دفعہ خاص امیر خسرو سے ملنے کو دہلی میں آیا ہے"۔

ہمارے نزدیک یہ مضمون محض بے سروپا ہے۔ اغلمش کوئی بادشاہ ہندوستان میں نہیں ہُوا۔ شاید سلطان التمش کے دھوکے میں اغلمش لکھا گیا ہے۔ بیشک شیخ نے اغلمش کا ذکر گلستان میں ایک جگہ کیا ہے۔ جہاں یہ لکھا ہے کہ "سرہنگ زادہ را بر درِ سرائے اغلمش دیدم" مگر ہندوستاں میں کوئی اغلمش یا سرائے اغلمش نہیں سنی گئی۔ سعدی اور امیر خسرو کی ملاقات بھی ثابت نہیں ہوتی۔ اگرچہ اکثر تذکرہ نویسوں کو یہ شبہ ہُوا ہے۔ شیخ آذری نے بھی اپنی

[۱] ستھین وال سے مراد شاید سدِ سکندری ہے۔ کیونکہ شیخ نے ایک جگہ اپنے دیوان میں تصریح کی ہے کہ میں سدِ سکندری تک گیا ہوں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کتاب جواہرالاسرار میں لکھا ہے کہ شیخ امیر کے دیکھنے کو شیراز سے ہندوستان میں آیا ہے۔ مگر اس کا ثبوت کچھ نہیں ہے۔ بلکہ شیخ اور امیر خسرو کے عصر کا مقابلہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ شیخ کا امیر کے ملنے کے لیئے آنا خلاف قیاس ہے۔ خسرو کی ولادت ۶۵۱ سنہ ہجری میں ہوئی ہے۔ جب کہ شیخ کی عمر ستّر برس سے زیادہ ہو چکی تھی۔ اب اگر امیر خسرو کی شہرت بفرض محال پچّیس برس ہی کی عمر میں ایران تک پہنچ گئی تھی تو اس وقت شیخ کی عمر تقریباً سو برس کی ہونی چاہیئے۔ پس یہ کیونکر خیال میں آتا ہے۔ کہ ایک سو برس کا شیخ جو شاعری میں یگانۂ وقت اور مقبول خاص و عام ہو ایک پچّیس برس کے لڑکے کی شہرت سُنکر ایران سے ہندوستان میں آئے۔ البتہ معتبر حوالوں سے اسقدر ثابت ہوتا ہے کہ سلطان غیاث الدّین بلبن کے بیٹے قاآن محمد سلطان ناظم ملتان نے جسکو خان شہید کہتے ہیں شیخ سے دوبار درخواست کی کہ آپ شیراز سے یہاں آیئے۔ اور چونکہ امیر خسرو اس وقت محمد سلطان کے مصاحبوں میں تھے۔ اس لیئے ان کا کلام بھی شیخ کے ملاحظہ کے لیئے بھیجا۔ شیخ اس وقت بہت معمّر ہو گیا تھا۔ اس سبب سے خود نہ آسکا۔ لیکن دونوں دفعہ اپنے دو دیوان اپنے ہاتھ کے لکھتے ہوئے خان شہید کو بھیجے۔ اور امیر خسرو کی نسبت یہ لکھا کہ اس جوہر قابل کی تربیت اور قدر افزائی کرنی چاہیئے۔

شیخ کا ہندوستان میں چار دفعہ آنا بھی ثابت نہیں ہے۔ صرف بوستان سے اتنا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس نے سومنات سے نکل کر ایک بار مغربی ہندوستان کا دورہ کیا ہے۔ اور وہاں سے بحر ہند اور بحر عرب کی راہ مین اور حجاز میں پہنچا ہے۔

شیخ کے سفر جسقدر گلستان اور بوستاں سے ثابت ہوتے ہیں اُنکی تفصیل یہ ہے کہ مشرق میں خراسان ترکستان اور تاتار تک گیا ہے اور بلخ اور کاشغر وغیرہ میں مقیم رہا ہے جنوب میں سومنات تک آیا۔ اور ایک مدت تک یہاں ٹھیرا۔ اور سومنات سے مغربی ہندوستان میں پھر کر دریا کی راہ سے عرب کو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

چلا گیا۔ شمال اور مغرب کی طرف عراقِ عجم۔ آذربائیجان۔ عراق عرب شام۔ فلسطین اور ایشیائے کوچک میں بارہا اس کا گزر ہُوا ہے۔ اصفہان۔ تبریز۔ بصرہ کوفہ واسط بیت المقدس۔ طرابلس الشرق۔ دمشق۔ دیار بکر اور اقصائے روم کے شہروں اور قریوں میں مدت دراز تک اس کی آمد و رفت رہی ہے۔ مغرب کی جانب عرب اور افریقہ میں اس کا بار بار جانا اور وہاں ٹھیرنا معلوم ہوتا ہے۔ ہندوستان سے مراجعت کے وقت یمن میں جانا صنعا میں ایک مدت تک قیام کرنا حجاز میں پہنچنا۔ اسکندریہ مصر اور حبش کے واقعات اس کے کلام میں مذکور ہیں۔

شیخ نے دریا میں بھی بارہا سفر کیا ہے خلیج فارس بحر عمان۔ بحر ہند بحر عرب بحر قلزم اور بحر روم میں اس کے متعدد سفر ثابت ہوتے ہیں۔ چیمبرز ان سائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے۔ کہ وہ یورپ کے اکثر ملکوں میں پھرا ہے۔ لیکن شیخ کے کلام سے کہیں یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ اکثر تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ شیخ نے چودہ حج پیادہ پا کئے۔ اور خود شیخ کے کلام سے بھی ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔ وہ ایک سفر کا حال بوستان میں اس طرح لکھتا ہے کہ بیابان فید میں ایک رات نیند کا ایسا غلبہ ہُوا کہ ہیں چلتے چلتے سرِ راہ پڑکر سو رہا۔ پیچھے سے ایک شتر سوار آیا اور اس کی نکیل میرے سر پر مار کر کہا کہ کیا تو نے مرنے کا ارادہ کیا ہے جو جرس کی آواز سُنکر بھی نہیں اُٹھتا بیابانِ فید جس کا اس حکایت میں ذکر ہے ایک صحرائے لق و دق چھ سو میل لمبا اور چار سو میل چوڑا ہے۔ جو حجاج کوفہ سے مکہ معظمہ کو جاتے ہیں ان کے رستہ کے بیچوں بیچ فید ایک بستی ہے۔ جس کے نام سے یہ صحرا مشہور ہے فید کوفہ سے تقریباً تین سو پچیس میل ہے اور اسی قدر مسافت پر وہاں سے مکہ معظمہ ہے اس صحرا میں پانی نہایت کمیاب ہے۔ اور آبادی کہیں نظر نہیں آتی۔ ایسی راہ سے پیادہ پا حج کو جانا ظاہر کرتا ہے کہ شیخ نے کیسی کیسی صعوبتیں سفر میں اٹھائی ہیں۔

کریم خاں زند نے اپنے عہد حکومت میں شیراز کے قریب ایک احاطہ بنوایا ہے جو ہفتن کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں سات مجہول الاسم درویشوں کی قبریں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بنی ہوئی ہیں اور احاطہ کے دروازہ پر شیخ سعدی اور خواجہ حافظ کی شبیہیں نصف قد کی لگی ہوئی ہیں۔ کپتان کلارک نے جو بوستاں کا ترجمہ انگریزی میں چھاپا ہے اس میں شیخ کی اس تصویرؔ کا فوٹوگراف بھی چھاپا ہے۔ شیخ کی شبیہ میں ایک کشکول اس کے ہاتھ میں اور ایک تبر اس کے کندھے پر ہے۔ جو کہ اس ملک کے سفر کرنے والوں کی خاص علامت ہے۔

شیخ کے کلام سے بھی جا بجا یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ بے سروسامان اور متوکل درویشوں کی طرح سفر کرتا رہا ہے۔ اور بعض موقعوں پر اس کو حالتِ سفر میں نہایت سخت تکلیفیں اور ایذائیں پہنچی ہیں۔

ساتویں صدی ہجری اور بارہویں صدی عیسوی کے وسط میں جب کہ صلیبی لڑائیوں کا سلسلہ فلسطین میں ختم نہ ہوا تھا اور مسلمان اور عیسائیوں کے باہم سخت خصومت اور عداوت ہو رہی تھی۔ شیخ پر ایک سخت واقعہ گذرا ہے۔ جس کا ذکر گلستاں کے دوسرے باب میں کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک بار اہل دمشق سے ناراض ہو کر اس نے بیابان قدس یعنی فلسطین کے جنگلوں میں رہنا اختیار کیا تھا۔ اور آدمیوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا۔ آخر وہاں کے عیسائیوں نے اس کو پکڑ کر قید کر لیا۔ اس وقت طرابلس الشرق یعنی مشرقی ٹریپولی میں شہر کے استحکام اور حفاظت کے لئے خندق تیار ہو رہی تھی۔ اور یہودی اسیروں سے جن کو یورپ کے عیسائی بلگیریا اور ہنگری وغیرہ سے گرفتار کر کے ساتھ لائے تھے۔ مزدوری کا کام لیا جاتا تھا۔ شیخ کو یہودیوں کے ساتھ خندق کے کام پر لگایا۔ مدت کے بعد حلب کا ایک معزز آدمی جو شیخ کا واقف کار تھا اس طرف سے گذرا۔ اور شیخ کو پہچان کر اس سے پوچھا کہ یہ کیا حالت ہے۔ شیخ نے کچھ درد انگیز اشعار پڑھے اور یہ کہا کہ خدا کی قدرت! جو شخص بیگانوں سے کوسوں بھاگتا تھا وہ آج بیگانوں کے پنجہ میں گرفتار ہے

ؔ بینی صاحب ایک سیاح نے اپنے ایران کے سفرنامہ میں اس تصویر کا مفصل حال لکھا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رئیس حلب کو اس کے حال پر رحم آیا- اور دس دینار دیکر شیخ کو قید فرنگ سے چھڑا دیا اور اپنے ساتھ حلب میں لے گیا- اس کی ایک بیٹی ناکتخدا تھی- شیخ کا نکاح سو دینار مہر مقرر کر کے اس کے ساتھ کر دیا- کچھ مدت وہاں گذری مگر بیوی کی بدمزاجی اور زبان درازی سے شیخ کا دم ناک میں آگیا- ایک بار اس نے شیخ کو طعنہ دیا- کہ کیا آپ وہی نہیں جس کو میرے باپ نے دس دینار دیکر خریدا ہے؟ شیخ نے کہا ہاں بے شک میں وہی ہوں- دس دینار دے کر مجھے خریدا- اور سو دینار پر آپ کے ہاتھ بیچا۔

نفحات الانس میں لکھا ہے- کہ شیخ نے بہت مدت تک بیت المقدس اور شام کے شہروں میں سقائی کی ہے- غالباً یہ وہی زمانہ ہے جس کا ذکر اس حکایت میں کیا گیا ہے- معلوم ہوتا ہے- کہ اس پر ایسی ایسی تکلیفیں اور سختیاں اکثر گذری ہیں- وہ گلستاں میں ایک جگہ لکھتا ہے- کہ میں نے کبھی زمانہ کی سختی اور آسمان کی گردش کا شکوہ نہیں کیا- مگر ایک موقع پر دامن استقلال ہاتھ سے چھوٹ گیا- کہ نہ میرے پاؤں میں جوتی تھی- اور نہ جوتی خریدنے کا مقدور تھا- اسی حالت میں غمگین اور تنگدل کوفہ کی جامع مسجد میں پہنچا- وہاں ایک شخص کو دیکھا کہ جس کے پاؤں ہی سرے سے نہ تھے- اس وقت میں نے خدا کا شکر یہ ادا کیا- اور اپنے ننگے پاؤں غنیمت سمجھے۔

عالم غربت میں کبھی کبھی عسرت اور تنگی کا ہونا ایک لازمی امر تھا- مگر شیخ ایسے موقعوں پر خودداری کو ہاتھ سے نہ دیتا تھا- ایک سال اسکندریہ میں جب کہ شیخ وہاں موجود تھا نہایت سخت قحط پڑا اور درویشوں پر بہت سختی گذرنے لگی- اس زمانہ میں وہاں ایک ہیجڑا نہایت دولت مند تھا- غریبوں اور پردیسیوں کو اس کے ہاں سے کھانا یا نقدی ملتی تھی- کچھ درویش جو غالباً شیخ کے رفقا میں سے تھے شیخ کے پاس آئے- اور اس ہیجڑے کے ہاں دعوت میں چلنے کی تحریک کی- شیخ نے اُن کے ساتھ دعوت میں چلنے سے انکار کیا- اور کہا کہ شیر بھوک کے مارے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مر بھی جائے تو بھی کتے کا جوٹھا نہیں کھاتا۔

شیخ کے وقائع سفر میں جو کہ اس نے گلستاں اور بوستاں میں بیان کئے ہیں سب سے زیادہ عجیب سومنات کا واقعہ ہے جو بوستاں کے آٹھویں باب میں مذکور ہے۔ یعنی شیخ لکھتے ہیں کہ جب میں سومنات میں پہنچا اور ہزاروں آدمیوں کو دیکھا کہ ایک بت کی پرستش کے لئے دور دور سے وہاں آتے ہیں۔ اور اس سے مرادیں مانگتے ہیں۔ تو مجھ کو تعجب ہوا۔ کہ جاندار ایک بیجان چیز کی کس لئے پرستش کرتے ہیں۔ اس بات کی تحقیق کے لئے میں نے برہمن سے ملاقات پیدا کی۔ ایک روز اس سے پوچھا کہ یہ لوگ اس بیحس مورت پر کیوں اسقدر فریفتہ ہیں۔ اور اس کے سامنے مورت کی سخت مذمت اور حقارت کی۔ برہمن نے مندر کے پجاریوں کو خبر کر دی۔ سب نے مجھ کو آن کر گھیر لیا۔ میں نے مصلحۃً اُن کے سرگروہ سے کہا کہ میں نے کوئی بات بداعتقادی سے نہیں کہی۔ میں خود اس مورت پر فریفتہ ہوں لیکن چونکہ میں نووارد ہوں اور اسرار نہانی سے ناواقف ہوں اس لئے اس کی حقیقت دریافت کرنی چاہتا ہوں تاکہ سمجھ بوجھ کر اس کی پوجا کروں۔ اس نے یہ بات پسند کی۔ اور کہا کہ آج رات کو تو مندر میں رہ۔ تجھ کو اصل حقیقت معلوم ہو جائیگی۔ میں رات بھر وہاں رہا۔ صبح کے قریب تمام بستی کے مرد و عورت وہاں جمع ہو گئے اور اس مُورت نے اپنا ہاتھ اُٹھایا۔ جیسے کوئی دُعا مانگتا ہے یہ دیکھتے ہی سب جے جے پکارنے لگے۔ جب وہ چلے گئے۔ تو برہمن نے ہنس کر مجھ سے کہا۔ کیوں اب تو کچھ شبہ باقی نہیں رہا؟ میں ظاہرداری سے رونے لگا۔ اور اپنے سوال پر شرمندگی اور انفعال ظاہر کیا۔ سب برہمنوں نے مجھ پر مہربانی کی۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کر اس مورت کے سامنے لے گئے۔ میں نے مُورت کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ اور بظاہر چند روز کے لئے برہمن بن گیا۔ جب مندر میں میرا اعتبار بڑھ گیا۔ تو ایک روز رات کو جب سب چلے گئے۔ میں نے مندر کا دروازہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تو بند کر دیا - اور مورت کے تخت کے پاس جاکر غور سے اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا - وہاں مجھے ایک پردہ نظر آیا جس کے پیچھے ایک پجاری چھپا بیٹھا تھا - اور اس کے ہاتھ میں ایک ڈور تھی - معلوم ہُوا کہ جب وہ اس ڈور کو کھینچتا ہے - فوراً اس مورت کا ہاتھ اُٹھ جاتا ہے - اسی کو عام لوگ اس کا کرشمہ سمجھتے ہیں اس پجاری نے جب یہ دیکھا کہ راز فاش ہو گیا - وہ کھسیانہ ہو کر وہاں سے بھاگا میں بھی اس کے پیچھے دوڑا - اور اس خوف سے کہیں مجھ کو پکڑوا کر مروا نہ ڈالے اس کو پکڑ کر ایک کنوئیں میں گرا دیا - اس کے بعد میں فوراً وہاں سے بھاگ کر نکلا - اور ہندوستان میں ہوتا ہُوا یمن کے رستے حجاز میں پہنچا *

اس حکایت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے - کہ ایک ایسے بڑے مندر میں جہاں ہزاروں پجاری اور سینکڑوں بھجن گانے والے مرد اور عورت اور سینکڑوں جاتری شب و روز موجود رہتے تھے - وہاں ایک مشتبہ آدمی کو ایسا موقعہ کیوں کر ملا - کہ تمام مندر میں اُس کے سوا کوئی متنفس باقی نہ رہا - اس کے سوا ایسے سناٹے کے وقت جب کہ مندر میں کوئی متنفس موجود نہ تھا - پردہ کے پیچھے ایک پجاری کا ڈور تھام کر بیٹھنا کس غرض سے تھا اور کیوں تھا *

اس اعتراض کے جواب میں صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید یہ واقعہ یعنی سومنات میں جانا اور مندر میں ہندو بن کر رہنا اور ایک شخص کو اپنی جان کے خوف سے کنوئیں میں دھکیل کر بھاگ جانا صحیح ہو - مگر اس صورت میں یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ اس واقعہ کے تمام جزئیات کی تصویر شیخ سے پوری پوری نہیں کھچ سکی - اصل یہ ہے کہ کوئی واقعہ نظم میں بیان کیا جاتا ہے تو شاعر کو وزن و قافیہ کی ضرورت سے کہیں کہیں اصل مدعا میں ضرور کمی بیشی کرنی پڑتی ہے - اور بعض اوقات وہ شاعرانہ خیالات کی رَو میں بہ کر اصل واقعہ سے دور جا پڑتا ہے - پس اگر اس واقعہ سے کسی کی غرض متعلق نہیں ہوتی - تو کسی کو اس کی طرف التفات نہیں ہوتا ورنہ اہل غرض کو اس پر اعتراض کرنے کا موقعہ ملتا ہے - مثلاً شیخ نے بوستان کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اسی باب میں ایک بادشاہزادہ کی حکایت صرف گیارہ بیت کی لکھی ہے مطلب یہ ہے کہ گھوڑے سے گر کر اس کی گردن کو ایسا صدمہ پہنچا تھا کہ وہ پھر نہ سکتی تھی مگر ایک حکیم کے علاج سے اچھی ہوگئی۔ کسی قدر صحت کے بعد جب طبیب ملنے کو آیا تو اس کی طرف کچھ التفات نہ کیا۔ طبیب وہاں سے دل میں ناخوش ہو کر اٹھ کھڑا ہُوا دوسرے روز ایک دوا بھیجی کہ اس کی دھونی سے بالکل آرام ہو جائیگا۔ اس سے بادشاہ کو ایک چھینک آئی اس کی گردن جیسی چوٹ لگنے پر ہوگئی تھی ویسی ہی پھر ہوگئی۔ اسی حکایت کو شیخ نے ایک ۴۲ بیت کی مثنوی میں جو بحر ہزج میں ہے بیان کیا ہے اور یہ اس کے کلیات میں موجود ہے۔ ان دونوں مثنویوں میں قصہ کے جزئیات مختلف ہیں۔ مختصر حکایت میں سرزمین یونان کا حکیم اور طولانی حکایت میں صرف حکیم لکھا ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک بُوٹی بھیجی تھی۔ اور دوسری جگہ ایک تخم بھیجا تھا۔ ایک جگہ بادشاہ کا قصہ لکھا ہے اور دوسری جگہ ایک ہنر آزما کا ایک جگہ لکھا ہے کہ اسی دوا کی دھونی سے چھینک آئی۔ دوسری جگہ چھینک وغیرہ کا کچھ ذکر نہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ نظم میں بشرطیکہ ناظم کو حُسن بیان اور زینت الفاظ کا پورا پورا خیال ہو قصہ کے جزئیات کا اپنی اصلی حالت پر باقی رہنا نہایت دشوار ہے۔ پس بہ نسبت اس کے کہ شیخ پر غلط بیانی کا الزام لگایا جائے یہ بہتر ہے کہ اس کے بیان کو اس مقام پر ادائے مطلب میں قاصر سمجھا جائے۔

شیخ کا سفر کے بعد وطن میں آنا

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ شیخ نے سعد زنگی کے ابتدائے حکومت میں تحصیل علم کے لئے ترک وطن اختیار کیا تھا۔ سعد زنگی چھٹی صدی کے آخر میں تخت نشین ہوا اور ۶۲۳ھ ہجری میں وفات پائی۔ غالباً شیخ شیراز سے نکل کر سعد زنگی کے زمانہ میں وطن نہیں آیا۔ کیونکہ اس نے شیراز سے چلتے وقت وہاں کی حالت ابتر و خراب دیکھی تھی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اتابک اُزبک پہلوان اور سلطان غیاث الدین کے حملے اور شہر کا تاخت و تاراج ہونا اپنی آنکھ سے دیکھ گیا تھا۔ مگر جب سعد زنگی کا بیٹا قتلغ خاں ابو بکر اپنے باپ کی جگہ تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔ تو اس نے فارس کو جو دو سو برس سے مورد آفات و حوادث تھا چند روز میں سر سبز و شاداب کر دیا۔ اگرچہ مؤرخین نے اس کی تعریف میں بہت مبالغے کئے ہیں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اس نے اپنی خوبیوں کے سبب بے انتہا شہرت اور نیکنامی حاصل کی تھی اطراف و جوانب سے مشائخ و زہّاد اس کی شہرت سنکر آتے۔ اور ان کا کمال تعظیم و احترام کیا جاتا تھا۔ شیراز کی خانقاہیں۔ عبادت خانے مدرسے اور مسجدیں جو ویران ہو گئی تھیں۔ اس کے عہد میں آباد کی گئیں۔ اور ایسی عمارتوں کی امداد کے لئے گاؤں اور جاگیریں وقف کیں۔ ایک شفاخانہ شیراز میں بنوایا۔ اور بڑے بڑے حاذق طبیب اس پر مامور کئے۔ اپنی دانشمندی اور حسن تدبیر سے ملک فارس کو ہمیشہ مغول و تاتار کے سیلاب بلا سے جس کی کہیں پناہ نہ تھی۔ محفوظ رکھا۔ اور ۶۲۳ھ سے ۶۵۸ھ تک سلطنت کی مدت تک اس کے عہد میں بھی شیخ نے شیراز کا رُخ نہیں کیا اور اطراف و جوانب میں سیر و سیاحت کرتا رہا۔ مگر جب ابو بکر کا شُہرہ دُور و نزدیک برابر سُننے میں آیا۔ اور وطن کا اشتیاق بھی حد سے زیادہ گزر گیا اور وطن میں قرار واقعی امن و چین قائم ہو گیا۔ تب شام سے عراق عجم ہوتا ہُوا۔ اور اصفہان میں ٹھیرتا ہُوا جیسا کہ بوستان کی ایک حکایت سے معلوم ہوتا ہے شیراز میں پہنچا۔ شیخ کے کلیات میں ایک قطعہ ملتا ہے جس سے ثابت ہے کہ اس نے ایک مدت دراز کے بعد ابو بکر سعد کے عہد میں شیراز کی طرف معاودت کی تھی وہ قطعہ بجنسہٖ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

قطعہ

۱- ندانی کہ من دراقالیم غربت — تجھ کو معلوم نہیں؟ کہ میں نے پردیس
چرا روزگارے بگردم درنگی — میں ایک مدت تک کیوں توقف کیا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

۲- بروں رفتم از تنگ ترکاں کہ دیدم جہاں درہم افتادہ چوں موئے زنگی	میں ترکوں کی چپقلش سے نکل بھاگا کیونکہ ملک حبشی کے بالوں کی طرح ژولیدہ ہو رہا تھا
۳- ہمہ آدمی زادہ بودند لیکن چو گرگاں بخونخوارگی تیز چنگی	سب آدمی کے بچے تھے لیکن خونخواری میں بھیڑیوں کی طرح تیز ناخن رکھتے تھے
۴- دروں مردمے چوں ملک نیک محضر بروں لشکرے چوں ہزبراں جنگی	شہر کے اندر فرشتہ خصلت لوگ تھے اور باہر لشکر کے لوگ جنگی شیروں کے موافق تھے
۵- چو باز آمدم کشور آسودہ دیدم پلنگاں رہا کردہ خوئے پلنگی	جب میں پلٹ کر آیا تو ملک کو آسودہ پایا۔ کہ درندوں نے درندگی کی خصلت چھوڑ دی تھی۔
۶- چناں بود در عہد اوّل کہ دیدم جہاں پُر ز آشوب و تشویش و تنگی	اگلے زمانہ میں جب کہ ملک کو آشفتہ اور پریشان اور تنگ دیکھا تھا۔ ملک کا وہ حال تھا۔
۷- چنیں شد در ایّام سلطان عادل اتابک ابوبکر بن سعد زنگی	اور اب بادشاہ عادل ابوبکر سعد زنگی کے عہد میں یہ حال ہو گیا ہے۔

شیراز میں پہنچ کر ظاہرا شیخ نے جامۂ علم و فضیلت اُتار کر بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ کیونکہ اتابک ابوبکر میں باوجود اُن تمام خوبیوں کے جو اوپر مذکور ہوئیں ایک نہایت سخت عیب بھی تھا وہ ہمیشہ علماء و فضلاء سے بدگمان رہتا تھا۔ اور جاہل فقیروں اور درویشوں کو بہت کچھ دیتا۔ اور ان کے ساتھ کمال ارادت و عقیدت ظاہر کرتا۔ اسی بدگمانی کے سبب سے چند جلیل القدر آئمہ و علماء کو اس نے جبراً شیراز سے نکلوا دیا تھا۔ از انجملہ امام صدر الدین محمود واعظ اور امام شہاب الدین توردپشتی اور مولانا عزالدین ابراہیم قیسی کو کہ اقسام علوم میں یگانۂ روزگار تھے۔ بہت زجر و تہدید کے ساتھ شیراز سے نکلوا دیا۔ قاضی عزالدین علوی جو کہ سندی سید اور دارالملک کا قاضی القضاۃ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تھا اس کا تمام مال و اسباب ضبط کر لیا - صاحب سعید عمید الدین اسعد کو جو کہ بیش ادیب تھا - اور سعد زنگی کا نہایت عالی مرتبہ وزیر تھا - ماخوذ کیا اور مع اُس کے بیٹے تاج الدین محمد کے ایک قلعہ میں قید کر دیا - یہاں تک کہ وہ قید ہی میں مر گیا ٭

اسی سبب سے اہل علم اپنا کمال علمی ظاہر کرنے سے ڈرتے تھے - اور اکثر جہلا مشائخ کے لباس میں جلوہ گر ہوتے تھے - تاریخ وصّاف میں لکھا ہے کہ ایک جاہل آدمی مشیخت مآب بنکر ابو بکر کے دربار میں آیا - اتابک نے اس کی بہت تعظیم و تکریم کی - اور جب نماز مغرب کا وقت آیا تو اُسی کو امام بنایا - شاہصاحب نے قرأت غلط پڑھی مگر جسقدر انہوں نے قرأت میں غلطیاں کیں اسی قدر اتابک کو ان کے ساتھ زیادہ عقیدت ہوئی اور بہت کچھ دیکر انہیں رخصت کیا ٭

پس شیخ کے لئے علما کے لباس میں رہنا زیادہ خطرناک تھا - کیونکہ بہت سی صفات اس میں ایسی جمع تھیں جن کے سبب سے اسکا مرجع خلائق بننا ایک ضروری امر تھا - مثلاً علم و فضل شاعری لطیفہ گوئی و بذلہ سنجی فقر و درویشی وغیرہ وغیرہ اور اہل علم کے مرجع خلائق بننے سے ابو بکر ہمیشہ خائف رہتا تھا - اس کے علاوہ بادشاہوں اور عاملوں کے چال چلن پر خُردہ گیری کرنی - ریاکار فقیروں اور جاہل درویشوں کی قلعی کھولنی اور اسی طرح کے اور بہت سے مفید خیالات اپنی نظم و نثر میں ظاہر کرنے شیخ کا اصلی مقصد تھا - اور اس غرض کے لئے علما اور واعظین کے لباس میں رہنا ہرگز مناسب نہ تھا ظاہرا وہ اسی سبب سے جیسا کہ گلستان کے دیباچہ میں مذکور ہے - ابو بکر کے دربار میں بہت کم جاتا تھا - زیادہ تر سعد بن ابی بکر کو جسکا نہایت دردناک مرثیہ شیخ کے کلیات میں موجود ہے - اس سے ارادت اور عقیدت تھی اور اسی کے نام پر گلستان لکھی گئی ہے ٭

خود مختار سلطنتوں میں کوئی شئے رائے کی آزادی اور خاصکر بادشاہوں کے چال چلن پر آزادانہ رائے دینے سے زیادہ خطرناک نہیں ہوتی - مگر شیخ نے جس

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے وقت میں ہر بادشاہ حاکم علی الاطلاق تھا اس فرض کو پورا پورا ادا کیا۔ سلاطین عہد کے اخلاقی عیب اور ان کی بدخصلتیں جس طرح اس نے بیان کی ہیں آزاد سلطنتوں میں بھی اس سے زیادہ لکھنی مشکل ہیں مگر اس نے ایسے لطیف پیرایوں میں اُن پر چوٹیں کی ہیں کہ کسی کو گرفت کا موقعہ نہیں رہا ۞

اکثر سلاطین سلف کی حکایتوں کے ضمن میں موجودہ بادشاہوں کے چال چلن پر اس نے تعریضیں کی ہیں۔ کہیں مدحیہ قصائد میں اوّل مدح و ستائش کی تھوڑی سی چاٹ دیکر نصیحت و پند کا دفتر کھولا ہے اور ان کو ظلم اور تعدّی کے برے نتائج سے متنبّہ کیا ہے۔ اور طرح طرح سے رعیّت کے حقوق جتائے ہیں اور اُن کی بے اعتدالیاں ظاہر کی ہیں۔ اتابک جو علماء کا مخالف اور مشائخ و زہّاد کا حد سے زیادہ معتقد تھا۔ اس کی تنبیہ کے واسطے گلستان اور بوستاں میں اُس نے بہت سی حکایتیں لکھی ہیں۔ مثلاً گلستان کی ایک حکایت میں کسی درویش کا حال لکھا ہے۔ جو کہ جنگل میں رہتا تھا۔ اور درختوں کے پتے کھاتا تھا۔ ایک بادشاہ اس کی زیارت کو گیا۔ اور اس کو شہر میں لے آیا۔ اور ایک عمدہ بستان سرائے میں اُتارا۔ چند روز جو اچھے اچھے کھانے کھانے کو اور نفیس کپڑے پہننے کو اور خوبصورت لونڈیاں خدمت کرنے کو ملیں۔ اور ہر طرح کا آرام اور آسائش پائی۔ شاہ صاحب نے خوب رنگ و روغن نکالا۔ ہیئت اور صورت بالکل بدل گئی۔ ایک دن بادشاہ قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا۔ اور کہا جس قدر کہ مجھ کو علماء اور زہّاد سے محبّت ہے ایسی اور کسی گروہ سے نہیں۔ فیلسوف وزیر نے عرض کیا۔ حضور! شرط دوستی یہ ہے۔ کہ دونوں کے ساتھ بھلائی کی جائے اور اس لئے علماء کو روپیہ دینا چاہیئے۔ تاکہ اطمینان سے درس اور تصنیف میں مصروف رہیں اور زاہدوں کو کچھ نہ دینا چاہیئے۔ تاکہ وہ اپنے زہد پر قائم رہیں ۞

ایک اور اس سے زیادہ لطیف اور چبھتی ہوئی حکایت اسی باب میں لکھی ہے۔ جو بالکل اتابک ابوبکر کی حالت کے مناسب ہے۔ یعنی ایک بادشاہ کو سخت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مہم پیش آئی۔ اُس نے منت مانی کہ اگر اس میں کامیابی ہوگی تو اسقدر روپیہ زاہدوں کی نذر کروں گا۔ جب اس کی مراد پوری ہوگئی تو اپنے عہد کے موافق روپیوں کی تھیلی غلام کو دی کہ زاہدوں کو جاکر دے آئے۔ غلام بہت ہوشیار اور زیرک تھا سارے دن اِدھر اُدھر پھرا اور شام کو تھیلی ہاتھ میں لئے جیسا گیا تھا ویسا ہی چلا آیا اور عرض کیا حضور! ہرچند ڈھونڈا مگر کوئی زاہد نہیں ملا۔ بادشاہ نے کہا تو کیا بکتا ہے میرے نزدیک اس شہر میں چار سو زاہد سے کم نہ ہوں گے۔ کہا حضور! جو زاہد ہیں وہ تو لیتے نہیں۔ اور جو لیتے ہیں وہ زاہد نہیں بادشاہ یہ بات سنکر ہنس پڑا۔ اور فرمایا جتنی کہ مجھ کو درویشوں اور خداپرستوں سے عقیدت ہے۔ اسی قدر اس مردود کو اُن سے عداوت ہے۔ مگر کہتا سچ ہے۔

اسی طرح کی اور بہت سی حکایتیں گلستاں اور بوستاں میں موجود ہیں گلستاں کی ایک حکایت میں جو کہ جدال سعدی کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے نہایت خوبصورتی سے سلاطین عہد اور مشائخ روزگار کے عیب اور برائیاں بیان کی ہیں۔ اس حکایت میں اس نے اپنا اور ایک درویش کا غالباً فرضی مناظرہ لکھا ہے۔ جس میں مخالف کو درویشوں کا اور اپنے کو امیروں اور بادشاہوں کا طرفدار اور مدّاح قرار دیا ہے۔ مخالف بار بار درویشوں کی تعریف اور دولت مندوں کی مذمّت کرتا ہے۔ اور شیخ ہر دفعہ اس کی تردید میں درویشوں کے عیب اور امیروں کی خوبیاں بیان کرتا ہے۔ مگر جیسی مضبوط دلیلیں اپنے دعوے پر قائم کرتا ہے۔ ویسی ہی مضبوط دلیلیں خصم کی طرف سے لکھتا ہے اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ ایک فرضی مناظرہ ہے۔ جو محض درویشوں اور تونگروں کی تنبیہ اور اصلاح کے لئے لکھا گیا ہے۔

بادشاہوں کے جور و ظلم اور بے باکی و سفّاکی دیکھتے دیکھتے شیخ کے دل میں فی الواقع بنی نوع کی خیر خواہی کا سچا جوش پیدا ہو گیا تھا۔ جسکو کوئی خوف اور اندیشہ روک نہ سکتا تھا۔ ایک بار جب کہ وہ حج کرکے تبریز میں پہنچا۔ اور وہاں کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

علماء وصلحاء سے ملاقات کی اس نے یہ ارادہ کیا کہ خواجہ شمس الدین جوینی صاحب دیوان اور اس کا چھوٹا بھائی خواجہ علاؤالدین جوینی جو کہ سلطان اباقاخاں کے معتمد وزیر تھے اور شیخ کے ساتھ خاص ارادت رکھتے تھے ان سے بھی ملاقات کرے۔

ایک روز ان کے ملنے کا ارادہ کر کے چلا۔ راہ میں دیکھا کہ اباقاخاں کی سواری آتی ہے۔ اور اس کے دونوں وزیر اس کے ہمراہ سوار ہیں۔ شیخ نے چاہا کہ وہاں سے کترا کر نکل جائے۔ مگر دونوں بھائیوں نے اس کو پہچان لیا اور فوراً گھوڑے سے اتر کر شیخ کی طرف آئے اور نہایت تعظیم اور ادب سے شیخ کو سلام کیا۔ اور اس کے ہاتھ اور پاؤں پر بوسے دیئے۔ بادشاہ نے جو یہ حال دیکھا حاضرین سے کہنے لگا۔ کہ شمس الدین نے کبھی ہماری تعظیم بھی اس راہرو آدمی کے برابر نہیں کی۔ یہ کون شخص ہے؟ جب دونوں بھائی شیخ سے مل کر واپس آئے تو اباقاخاں نے خواجہ شمس الدین سے پوچھا کہ یہ کون شخص تھا جس کی تم نے اس قدر تعظیم کی۔ صاحب دیوان نے عرض کیا۔ حضور! یہ ہمارا شیخ ہے۔ حضور نے سنا ہوگا۔ شیخ سعدی اسی کا نام ہے۔ اور اس کا کلام ایک عالم میں مشہور و معروف ہے۔ اباقاخاں نے کہا اس سے ہم کو بھی ملواؤ۔ چنانچہ دونوں بھائی ایک روز شیخ کی خدمت میں گئے اور اس کو بادشاہ کے حضور میں لائے کسی قدر صحبت کے بعد جب شیخ چلنے لگا تو بادشاہ نے کہا کہ مجھ کو نصیحت کرو شیخ نے کہا دنیا سے آخرت میں کوئی چیز ساتھ نہ جائیگی۔ مگر نیکی یا بدی۔ اب تم کو اختیار ہے جو منظور ہو سو لے جاؤ اباقاخاں نے کہا اس مضمون کو نظم کر دو تو بہتر ہو۔ شیخ نے اسی وقت یہ قطعہ نظم کر کے پڑھا۔ قطعہ

شہے کہ پاس رعیت نگاہ میدارد حلال باد خراجش کہ مزد چوپانی ست
وگرنہ راعی خلق ست زہر مارش باد کہ ہر چہ میخورد از جزیہ مسلمانی ست

لہ ہلاکو خاں کا بیٹا جو اس کے بعد بادشاہ ہوا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اباقاخاں یہ قطعہ سنکر آبدیدہ ہوگیا۔ اور کئی بار شیخ سے پوچھا۔ کہ ہیں راعی ہوں یا نہیں؟ شیخ ہر بار یہی جواب دیتا تھا کہ اگر آپ راعی ہیں تو پہلی بیت آپ کے مناسب حال ہے ورنہ دوسری بیت۔

اباقاخاں شیخ کی آزادانہ پند و موعظت سے نہایت خوش ہُوا۔ اور شیخ کو بہت عزت سے رخصت کیا۔

علی بن احمد جامع کلیاتِ شیخ اس مقام پر لکھتا ہے۔ کہ ہمارے زمانہ کے مشائخ و علماء ایسی بے باکانہ نصیحت ایک بقّال یا قصّاب کو بھی نہیں کر سکتے اور اسی لئے زمانہ کا جو حال ہے۔ وہ سب پر روشن ہے۔

میں کہتا ہوں کہ شیخ کے یہ کلمات اس وقت اور بھی زیادہ قدر کے لائق ہو جاتے ہیں جب یہ خیال کیا جاتا ہے۔ کہ اباقاخاں ہلاکوخاں کا بیٹا اور چنگیز خاں کا پوتا تھا۔ جو اسلام اور مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ اگرچہ اباقاخاں کو مسلمانوں سے ویسی نفرت نہ تھی۔ لیکن بہرحال وہ اسلام سے بیگانہ تھا اور ایک مسلمان شیخ یا واعظ کو اس کے سامنے ایسی جرأت کرنی نہایت دشوار تھی۔ ایسا کام اسی شخص سے ہو سکتا ہے جس کو نہ جان کا خوف ہو نہ فائدہ کی اُمّید۔ جیسا کہ شیخ نے گلستان میں خود لکھا ہے۔ "نصیحت پادشاہاں گفتن کسے را مسلم است کہ بیم سر ندارد و امید زر"۔

سردار انکیانو جو بعد زوال خاندان اتابکیہ کے ۶۶۷ھ میں سلطان اباقاخاں کے حکم سے صوبۂ فارس کی امارت اور حکومت پر مقرر ہُوا تھا۔ ایک مغل صاحب ہیبت و شان نہایت رعب داب والا اور اپنے مذہب میں نہایت پختہ تھا۔ اور ہمیشہ علمائے اسلام سے مذہبی بحثیں کیا کرتا تھا۔ اور اس کی ہیبت سے بڑے بڑے اہل منصب لرزتے تھے۔ غالباً اس نے شیخ سے درخواست کی تھی۔ جس کے موافق شیخ نے نثر میں ایک پندنامہ جو اس کے کلیات میں موجود ہے سردار مذکور کے نام لکھ کر بھیجا ہے۔ اس پندنامہ کے دیکھنے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سے معلوم ہوتا ہے۔کہ اس زمانہ کے بادشاہ حاکم اور عامل شیخ کے کلام کی نہایت تعظیم کرتے تھے۔ اور اس کی تلخ نصیحتوں کو شہد سے زیادہ شیریں سمجھتے تھے۔ سردار انکیانو کے شان میں شیخ نے قصائد بھی لکھے ہیں جو سراسر نصیحت و پند سے بھرے ہوئے ہیں یہاں تک کہ بعض قصائد دو تین مدحیہ اشعار کے سوا سراسر پند و موعظت ہی پر ختم کر دیئے ہیں۔

شیخ کی عقیدت و ارادت ممالک ایران کے سوا شام وغیرہ میں بھی ایسی ہی تھی۔ جیسی فارس اور عراق عجم میں چنانچہ ایک دفعہ دمشق کی جامع مسجد میں حضرت یحییٰ ؑ کی تربت پر معتکف تھا عرب کا ایک بادشاہ جو ظلم اور بے انصافی میں مشہور تھا مسجد میں آیا۔ اور نماز و دعا سے فارغ ہو کر شیخ کے پاس گیا۔ اور کہا مجھ کو ایک سخت دشمن سے حملہ کا اندیشہ ہے آپ میرے لئے دعا کریں شیخ نے کہا کمزور رعیت پر رحم کر۔ تاکہ زبردست دشمن سے محفوظ رہے۔ جس نے بدی کا بیج بویا اور نیکی کی اُمید رکھی اس نے ایک لغو خیال پکایا۔ اور بیہودہ اُمید باندھی ہے۔

اگرچہ سلطنتِ عہد کے اعیان وارکان میں شیخ کے معتقد اور ارادتمند بیشمار تھے۔ لیکن خواجہ شمس الدین صاحبِ دیوان جس کے نام پر شیخ نے اپنے ایک مجموعہ نظم کا نام صاحبیہ رکھا ہے۔ اور اس کا بھائی علاؤ الدین جس نے سب سے اوّل مغول تاتار کی فتوحات کے بیان میں تاریخ جہاں کشا لکھی ہے۔ شیخ کے ساتھ ایک خاص قسم کا خلوص اور محبت یا عقیدت رکھتے تھے۔ اس مقام پر کچھ مختصر حال ان دونوں بھائیوں کا لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

جوین جو کہ خراسان میں ایک سرسبز اور معمور خطہ تھا۔ یہ دونوں بھائی وہاں کے سندی سادات میں سے ہیں اُنہوں نے اپنے علم و فضل اور عقل و دانش کے ذریعہ سے خانان تاتار کے عہدِ حکومت میں اپنا مرتبہ وزارت تک پہنچایا تھا۔ ہلاکو خاں نے وزیر سیف الدین کی شہادت کے بعد اپنی وزارت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بالاستقلال خواجہ شمس الدین جوینی کو عطا کی تھی۔ اور اس کے چھوٹے بھائی علاؤالدین کو ملک بغداد اور اس کے مضافات پر حاکم مقرر کیا تھا۔ ہلاکو خاں کے بعد ابا قا خاں باپ کا جانشین ہوا تو اس نے پہلے سے بھی شمس الدین کا زیادہ مرتبہ بڑھا دیا اور سلطنت کی باگ بالکل اس کے قبضہ میں دیدی۔ اب اس نے مہمات سلطنت کے انصرام سپاہ رعیت کی دلجوئی اور تمام ملکی خرابیوں کی اصلاح میں حد سے زیادہ کوشش کی۔ عراق۔ خراسان۔ بغداد شام اور آرمینیہ کے بادشاہ اور حاکم سب اس کے مطیع اور فرمانبردار تھے۔ اُس کی فیاضی اور سخاوت کی دھوم دور و نزدیک پہنچی تھی۔ باوجودیکہ اسکا حکم کنارۂ جیحون سے شام اور ایشیائے کوچک تک نافذ اور جاری تھا۔ اس پر وہ علماء و فضلاء کے ساتھ کمال تواضع اور انکسار سے پیش آتا تھا۔ اور ان کے ساتھ حد سے زیادہ سلوک کرتا تھا۔ کبھی کسی پر اس نے احسان نہیں جتایا۔ ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں کی تعظیم اور مدارات ان کے مرتبہ کے موافق کرتا تھا۔ اور علاوہ کمالات علمی کے علم ادب اور شعر میں بھی اس کو یدطولی حاصل تھا۔ زیادہ تر اسی کی بدولت تاتاریوں میں دینِ اسلام شائع ہُوا[1] اور اسی کے فیضِ صحبت سے ابا قا خاں کے بھائی سلطان احمد نے اپنے گھرانے میں سب سے اوّل اسلام قبول کیا۔ آخر ارغو خاں برادر سلطان احمد کے ہاتھ سے ۶۶۳ ہجری میں شہید کیا گیا۔ شہادت سے چند ساعت پہلے اس نے تھوڑی سی مہلت چاہی تھی۔ اس نازک وقت میں نہایت اطمینان کے ساتھ اپنے بیٹوں کے نام ایک وصیت نامہ تحریر کیا۔ اور ایک خط فضلائے تبریز کو لکھا جو کہ تاریخ وصاف میں بجنسہ منقول ہے۔ اور جس سے اس کا کمال استقلال اور فراخ حوصلگی پائی

[1] سلطان احمد کا نام اسلام سے پہلے نکودار تھا۔ تاتاریوں میں اس سے پہلے صرف برکہ خاں جوجی خاں کا بیٹا چنگیز خاں کا پوتا مسلمان ہُوا تھا۔ جس کے پاس خوارزم و دشتِ قبچاق اور روس وغیرہ کی حکومت تھی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جاتی ہے۔

اس کے چھوٹے بھائی علاؤالدین جوینی نے بغداد کی حکومت کے زمانہ میں اُس اُجڑے اور ویران شہر کو جو کہ ہلاکو خاں کے ظلم و بیداد سے بالکل پامال ہوگیا تھا۔ چند روز میں اپنے عدل اور شفقت اور دلجوئی رعایا سے از سرِ نو معمور کردیا۔ نجف اشرف میں نہر کھدوائی۔ جس میں ایک لاکھ دینار سے زیادہ صرف ہوا۔ اور فرات کا پانی کوفہ کی مسجد میں لے گیا۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ جو کام بڑے بڑے خلیفہ اور بادشاہوں سے نہ ہو سکے تھے۔ وہ اس فیاض اور دانشمند وزیر کی کوشش سے ظہور میں آئے۔

تاریخ جہاں کشا جو اس نے تاتاریوں کے فتوحات کے بیان میں لکھی ہے۔ وہ ان تمام تاریخوں کا ماخذ ہے جو اس باب میں لکھی گئی ہیں۔

الغرض یہ دونوں بھائی جو کہ دنیوی جاہ و اقتدار کے علاوہ کمالات علمی میں بھی امتیاز رکھتے تھے۔ اور نیک سیرتی اور حسنِ اخلاق کے لحاظ سے بے مثل تھے شیخ سعدی کے ساتھ ان کو حد سے زیادہ خلوص اور اعتقاد تھا۔ اور شیخ کو بھی جیسا کہ اس کے قصائد و قطعات اور دیگر تحریرات سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان دونوں سے انتہا درجہ کی محبت اور الفت تھی۔ ظاہرا جب سے شیخ نے سفر ترک کرکے شیراز میں اقامت اختیار کی تھی اس کے تمام اخراجات اور اس کی خانقاہ کے مصارف کے متکفل خواجہ شمس الدین اور خواجہ علاؤالدین تھے۔

ایک بار خواجہ شمس الدین نے پانسو دینار بطور نذر کے اپنے غلام کے ہاتھ دارالسلطنت تبریز سے شیخ کی خدمت میں بھیجے۔ راہ میں غلام نے شیخ کے معمولی اغماض اور چشم پوشی کے بھروسے پر اس میں سے ڈیڑھ سو دینار نکال لئے اور ساڑھے تین سو شیخ کے حوالے کئے۔ شیخ نے دیکھا کہ صاحب دیوان نے خط میں پانسو لکھے ہیں۔ اور غلام نے ساڑھے تین سو دیئے ہیں۔ اس کی رسید میں یہ قطعہ لکھ بھیجا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خواجہ تشریفم فرستادی و مال　　مالت افزوں باد و خصمت پائمال
ہر بدینارے سالے عمر باد　　تا بمانی سہ صد و پنجاہ سال

(ترجمہ) تم نے مجھ کو عزت دی اور نقدی بھیجی۔ تمہاری دولت زیادہ اور تمہارے دشمن پائمال ہوں تمہاری عمر فی دینار ایک برس کے حساب سے ہو جیو۔ تاکہ تم ساڑھے تین سو برس دنیا میں رہو۔

صاحب دیوان نے یہ مضمون دریافت کر کے غلام کو بہت زجر و توبیخ کی اور رقم کی بابت تدارک مافات کر کے شیخ سے معافی چاہی[1]۔ اس قسم کے مزاح آمیز اشعار اور بھی کئی موقعوں پر شیخ نے صاحب دیوان کو لکھے ہیں۔ ایک بار اس نے اپنی نظم و نثر کا مجموعہ خواجہ کو حسب الطلب بھیجا تھا جب ایک مدت تک وہاں سے رسید نہ آئی تو اس کے تقاضے کے لئے یہ قطعہ لکھ بھیجا۔ قطعہ

سفینہ حکمیات و نظم و نثر لطیف　　کہ بارگاہ ملوک و صدور را شاید
بصدر صاحب صاحبقران فرستادم　　مگر بعین عنایت قبول فرمائید

[1] برندق بخارائی جو ایک زبردست شاعر ہے اسکو بھی یہ اتفاق پیش آیا ہے بادشاہ نے اُس کو پانسو تومان انعام میں بھیجے تھے۔ مگر اس کو دو سو پہنچے۔ اس نے یہ قطعہ بادشاہ کو لکھ بھیجا۔ قطعہ

شاہ دشمن گداز دوست نواز　　آں جہانگیر کو جہاں دار است
بش یوز آلتوں کرم نمود بمن　　لطف سلطاں بہ بندہ بسیار است
سہ صد از جملہ غایت است و کنوں　　در براتم دو صد پدیدار است
یا مگر من غلط شنود ستم　　یا کہ پروانہ چی طلبگار است
یا مگر در عبارتِ ترکی　　بش یوز التوں دویست دینار است

مگر اس قطعہ میں جیسا کہ ظاہر ہے شیخ کے قطعہ کی شوخی اور لطافت نہیں ہے بش یوز آلتوں کو بش یُز اُلتن پڑھنا چاہیئے یہ ترکی الفاظ ہیں جنکا ترجمہ پانسو تومان ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سفینہ رفت وندانم رسید یا نہ رسید — بداں دلیل کہ آئندہ دیر مے آید
بپا زسائے ازیں حال مشورت بردم — مگر ز خاطر من بند بستہ بکشاید
چہ گفت۔ گفت ندانی کہ خواجہ دریاست — نہ ہر سفینہ ز دریا درست باز آید

ایک بار خواجہ علاؤالدین نے جلال الدین ختنی کو جو کہ شیراز میں کسی جلیل القدر منصب پر مامور تھا تبریز سے حکم بھیجا کہ اسقدر دینار شیخ کی خدمت میں بھیجدو مگر اس وقت جلال الدین کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ رقم شیخ کے پاس نہ پہنچی۔ جب شیخ کو اس حال کی اطلاع ہوئی تو اس نے ہنسی سے خواجہ علاؤالدین کو یہ قطعہ لکھ بھیجا۔ قطعہ

پیام صاحب دیواں علائے دولت ودیں — کہ دیں بدولت ایام او ہمے نازد
رسید وپایۂ حرمت فزود سعدی را — بسے نماند کہ سر بر فلک برافرازد
مثال داد کہ صدر زمن جلال الدیں — قبول حضرت او را تعہدے سازد
ولیک بر سر او خیل مرگ تاختہ بود — چنانچہ بر ہمہ ابنائے دہر مے تازد
جلال زندہ نخواہد شدن دریں دنیا — کہ بندگان خداوندگار بنوازد
طمع بریدم ازو در سرائے عقبیٰ نیز — کہ از مظالم مردم بمن نہ پردازد

ترجمہ صاحب دیوان علاؤالدین جس کے عہد دولت پر دین کو ناز ہے۔ اُس کی تحریر پہنچی۔ اور سعدی کو عزت بخشی۔ قریب تھا کہ اس کا سر آسمان تک پہنچ جائے۔ اس میں حکم تھا کہ امیر جلال الدین اس کے فرمان کی تعمیل کرے مگر اس پر لشکر اجل کی چڑھائی ہو چکی تھی جیسے کہ سب پر ہوا کرتی ہے۔ اب جلال الدین دنیا میں آنے والا نہیں ہے۔ کہ خدا کے بندوں کی خبر لے۔ میں نے آخرت میں بھی اس سے امید قطع کی کیونکہ وہاں لوگوں کے استغاثے اس کو میری طرف کاہے کو متوجہ ہونے دیں گے ۔

خواجہ علاؤالدین نے فوراً اس کی تلافی کی اور عذر چاہا۔ شیخ کی خانقاہ جہاں اب اس کی قبر ہے۔ یہ بھی صاحب دیوان کے روپیہ سے بنی تھی۔ اس کام کے لئے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پچاس ہزار دینار اس نے شیخ کو دیئے تھے شیخ نے ہر چند اُن کے لینے سے انکار کیا مگر صاحب دیوان نے بہزار منت و سماجت اسکو راضی کیا اور شیخ کی زندگی ہی میں اس رقم سے ایک عالیشان مدرسہ یا خانقاہ پہاڑ کے نیچے جو کہ گوشۂ شمال ومغرب میں شہر سے ملا ہوا ہے بنوائی گئی۔ اور شیخ آخر عمر تک وہیں عزلت نشین رہا +

شیخ سے اکثر اہل علم حقائق و معارف کے دقائق و غوامض پوچھتے تھے۔ اور وہ ہر ایک کا جواب تحریر یا تقریر میں دیتا تھا۔ ازانجملہ علی بن احمد نے ایک قطعہ مولانا سعدالدین کا جو کہ علم وفضل کے سوا شاعری میں بھی مشاق وماہر تھا۔ نقل کیا ہے جس میں یہ استفسار کیا گیا ہے۔ کہ سالک کی راہنما عقل ہے یا عشق ؟ چونکہ اس قطعہ سے اس زمانہ کے علماء کی رائے شیخ کی نسبت اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے وہ قطعہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ قطعہ

سالکِ راہِ خدا بادشہ ملک سخن — اے زالفاظِ تو آفاق پُر از دُرِ یتیم
اخترِ سعدی و عالم ز فروغ تو منیر — واعنع عقلی وگیتی ز نظیر تو عقیم
پیشِ اشعارِ تو شعر دگراں راچہ محل — سحرِ بے وقع نماید بر اعجاز کلیم
بندہ راز تو سوالے ست کہ توجیہ سوال — نکتۂ مردم پاکیزہ سیر جز بہ کریم
مرد را راہ بحق عقل نماید یا عشق — ایں درِ بستہ تو بکشائی کہ بابے ست عظیم
گرچہ ایں ہر دو بیک شخص نیایند فرود — ورد باغ و دلِ بیدار تو ہستند مقیم
پایۂ منصب ہر یک ز کرم باز نمائی — تاز الفاظِ خوشت تازہ شود جانِ سقیم
باد آسودہ، فارغ زبد و نیک جہاں — خاطرِ آئینہ کردارِ تو چوں نفس حکیم

شیخ نے اس کے جواب میں ایک طول طویل بحث نثر میں لکھی ہے جو اس کے کلیات میں موجود ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ شیراز میں جو شخص حاکم ہوتا تھا وہ شیخ کا نہایت ادب اور تعظیم اور اطاعت کرتا تھا۔ سرزار انکیانو کو وہ برابر قصائد اور پند نامہ وغیرہ میں اسطرح

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خطاب کرتا ہے جیسے بڑے اور بزرگ چھوٹوں کو کیا کرتے ہیں۔ اس کے سوا ملک عادل
شمس الدین جو کہ غالباً انکیانو کے بعد شیراز کا حاکم ہوا تھا وہ بھی حد سے زیادہ شیخ
کی تعظیم اور عزت کرتا تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ شیراز میں فوج کے سپاہیوں اور افسروں
نے چوری سے سرکاری کھجوریں جو زمین کے محصول میں زمینداروں سے وصول کی
تھیں۔ سبزی فروشوں کے ہاتھ جبراً کسی قدر بڑھ کر مہنگے نرخ سے بیچنی شروع کیں
اور بہت بوجھ شیخ کے بھائی کی دوکان پر بھی جو کہ خاص بادشاہی ڈیوڑھی کے پاس
بقّالی کی دوکان کرتا تھا۔ بھجوائے۔ شیخ اس زمانہ میں حضرت ابو عبداللہ ابن خفیف[1] کی
خانقاہ میں مجاور تھا اس کو بھی اس واقعہ کی خبر پہنچی۔ اس نے ملک شمس الدین کو جو
کہ اس حال سے بے خبر تھا ایک قطعہ لکھ بھیجا جس میں اہل فوج کی شکایت اور اپنے
بھائی کی دوکانداری اور بینوائی کا حال لکھا تھا۔ شمس الدین نے فوراً اس کا تدارک
کیا اور خود شیخ کے پاس آیا۔ اور معافی چاہی۔ اور ہزار درم پیش کر کے کہا۔ کہ یہ
حقیر رقم آپ کے بھائی کے خرچ کے لئے ہے۔ اسکو قبول کیجئے۔ شیخ
نے لے کر بھائی کو بھیج دی۔

شیخ کی وفات شیراز میں جب کہ اتابکان فارس کے خاندان کا خاتمہ ہو چکا تھا[2]

---

[1] یہ بزرگوار چوتھی صدی ہجری کے اکابر صوفیہ میں سے ہیں جن کی نسبت خواجہ عبداللہ انصاری نے لکھا ہے۔ کہ حقائق و معارف میں کسی کی تصنیفات ابن خفیف کے برابر نہیں ہیں۔

[2] سر گور اوسلی نے اس کی وفات اتابک محمد شاہ ابن مظفر سلغر شاہ بن سعد زنگی کے عہد میں لکھی ہے مگر یہ بالکل غلط ہے اتابک محمد شاہ ۶۶۰ ہجری میں تخت پر بیٹھا تھا اور آٹھ مہینے سلطنت کر کے مر گیا۔ پھر اس کا بھائی سلجوق شاہ تخت نشین ہوا۔ اور ۶۶۱ ہجری میں قتل کیا گیا۔ پھر سعد زنگی کی بیٹی آبش خاتون کے نام سکہ اور خطبہ جاری ہوا۔ اور ۶۶۲ ہجری میں اسکو معزول کر کے سردار اباقا خان نے سردار انکیانو کو جو شیخ کا ممدوح ہے حاکم فارس مقرر کیا اب آگے کوئی متنفس اتابکان فارس کے خاندان کا حکمران نہیں ہوا۔ پس شیخ کی وفات جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ خاندان اتابک کے زوال سے چوبیس برس بعد اور اتابک محمد شاہ کے عہد سے تیس برس بعد واقع ہوتی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور ولایت فارس خانان تاتار کی حکومت میں آگئی تھی ۶۹۱ ہجری میں واقع ہوئی
کسی شاعر نے اس کے مرنے کی تاریخ اس طرح کہی ہے۔ تاریخ

دُرِ بحرِ معارف شیخ سعدی — کہ در دریائے معنی بود غوّاص
مہ شوال روز جمعہ روحش — بداں درگاہ رفت از روئے اخلاص
یکے پرسید سال فوت گفتم — زخاصاں بود ازاں تاریخ شد خاص ۶۹۱ھ

شیخ کی عمر کسی نے ایک سو دو برس کی اور کسی نے ایک سو دس برس اور اکثر نے ایک سو بیس برس کی لکھی ہے۔ ہمارے نزدیک یہ پچھلا قول صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ شیخ جیسا کہ بوستان کی ایک حکایت سے معلوم ہوتا ہے۔ جوانی کے زمانہ میں شیراز سے باہر گیا۔ اور بغداد میں اس نے مدتوں امام ابن جوزی سے علم تحصیل کیا ہے۔ امام ابن جوزی کی وفات ۵۹۷ھ ہجری میں ہو چکی تھی۔ اور شیخ کی وفات اس سے ۹۴ برس بعد واقعہ ہوئی پس اگر شیخ کی تمام عمر ایک سو برس کی سمجھی جائے تو لازم آتا ہے۔ کہ شیخ زیادہ سے زیادہ نو برس کی عمر میں امام ابن جوزی سے تحصیل علم کر چکا تھا۔ اور اگر ایک سو دس برس کی قرار دی جائے تو یہ لازم آتا ہے۔ کہ وہ سترہ برس کی عمر میں تحصیل علم سے فارغ ہو چکا اور شیراز سے بچپن ہی کے زمانہ میں نکل گیا تھا۔ پس جس طرح پہلی بات خلاف قیاس ہے۔ اسی طرح دوسری بات خلاف واقع ہے۔

سر گور اوسلی نے انگلستان کے ایک سیّاح ولیم فرینکلن کے سفرنامہ سے جو کہ ۱۷۸۶ء میں فارس گیا تھا شیخ کے مدفن کا حال اس طرح لکھا ہے۔ کہ شیخ کا مزار مقام دلکشا سے ایک میل جانب شرق پہاڑ کے نیچے واقع ہے۔ عمارت اس کی بہت بڑی اور مربع ہے۔ اور قبر سنگین بنی ہوئی ہے۔ جس کا طول چھ فٹ اور عرض ڈھائی فٹ ہے۔ قبر کے تمام ضلعوں پر کچھ عبارت قدیم نسخ خط میں کندہ ہے۔ جس میں شیخ کا اور اس کی تصنیفات کا حال درج ہے۔ قبر ایک سیاہ رنگ کے چوبی قبر پوش سے جس پر سنہری کام ہو رہا ہے ڈھکی رہتی ہے۔ اور اس پر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شیخ ہی کا ایک شعر خطِ نستعلیق میں لکھا ہوا ہے۔ جب اس قبر پوش کو ہٹاتے ہیں تو قبر کا تعویذ دکھائی دیتا ہے۔ اکثر اہل اسلام جو اطراف و جوانب سے شیخ کے مزار پر آتے ہیں۔ وہ پھول اور دیگر اقسام کے چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ اور زائرین کے مطالعہ کے لئے ایک نسخہ شیخ کے کلیات کا نہایت خوشخط لکھا ہوا مزار پر رکھا رہتا ہے۔ مقبرہ کی دیواروں پر بہت سے فارسی اشعار لکھے ہوئے ہیں۔ جو لوگ دور دست مقامات سے وہاں زیارت کو آتے ہیں یہ اشعار انہوں نے لکھے ہیں۔ شیخ کے مقبرہ کی عمارت اب روز بروز گرتی جاتی ہے۔ اور اگر اب اسکی جلد خبر نہ لی گئی تو بالکل کھنڈر ہو جائے گی۔ نہایت افسوس کی بات ہے اور زمانہ کا عجیب انقلاب ہے کہ کسی شخص کو اس کی مرمت کرانے کا خیال نہیں۔ اس مقبرہ کے متصل اکثر دینداروں اور بزرگوں کے مزار ہیں۔ جنہوں نے اپنی خواہش سے یہاں دفن ہونا چاہا ہے۔

اس کے بعد سر گور اوسلی صاحب لکھتے ہیں کہ ۱۸۱۱ء کے شروع میں جب کہ جارج سوم بادشاہ انگلستان کی طرف سے بعنوان سفارت فتح علی شاہ قاچار کے پاس پیغام لے کر طہران کو جاتا تھا۔ اس وقت کئی ہفتے شیراز میں میرا مقام رہا۔ جب تک میں وہاں رہا۔ اکثر شیخ کے مزار پر جاتا تھا۔ مسٹر فرینکلن کے لکھنے کی تصدیق شیخ کے مزار پر جا کر ہوتی ہے۔ اس کی قبر حقیقت میں بالکل بوسیدہ ہو گئی ہے اور تمام عمارت عنقریب منہدم ہوا چاہتی ہے۔ باغ اور درخت جو زمانہ سابق میں وہاں تھے ان کا اب نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر تھوڑا سا روپیہ خرچ کیا جائے۔ تو اس مقبرہ کی مرمت بخوبی ہو سکتی ہے۔ اور میرے حسن عقیدت نے جو کہ میں شیخ اور اس کے کلام کے ساتھ رکھتا تھا۔ مجھ کو آمادہ کیا۔ کہ اپنے پاس سے روپیہ صرف کر کے شیخ کے مقبرہ کی مرمت کر دوں۔ مگر شاہ ایران کا پانچواں بیٹا حسین علی میرزا جو اس وقت فارس کا گورنر تھا۔ اس نے اس ارادہ سے مجھ کو باز رکھا اور نہایت سرگرمی سے کہا۔ کہ میں اپنے روپیہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سے مزار کی مرمّت کرادوں گا۔ آپ کیوں اسقدر تکلیف اُٹھاتے ہیں۔ اس نے کہا کہ میں شیخ کے مزار کی مرمّت اسی اسلوب اور عمدگی سے کرا دوں گا۔ جیسے کہ کریم خاں زند نے خواجہ حافظ کے مزار کی مرمت کرائی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ اس نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔

نہایت تاسف کا مقام ہے کہ عنقریب وہاں کوئی نشان ایسا باقی نہ رہیگا جس سے معلوم ہو کہ وہ خطہ ایران کا فخر جو زہد و تقویٰ اور ذہن وجودت اور علم وفضل میں اپنا مثل نہ رکھتا تھا۔ کہاں اور کس جگہ دفن ہوا ہے۔

سبحان اللہ کیا عبرت کا مقام ہے۔ کہ ایک عیسائی مذہب زمین کے اُس کنارہ کا رہنے والا جہاں دنیا کی آبادی ختم ہوتی ہے۔ باوجود اختلاف مذہب اختلاف قوم اور اختلاف ملک کے ایک مسلمان مصنف کی ایسی قدر کرے کہ عالم سفر میں اس کے مقبرہ کی مرمّت کرانے پر آمادہ ہو۔ اور اپنے پاس سے روپیہ خرچ کرنے کو موجود ہو۔ اور ایک مسلمان شاہزادہ سے باوجود اتحاد زبان اتحاد مذہب اتحاد قوم و ملک کے ایسی بیقدری اور بے اعتنائی ظہور میں آئے۔

فَاعْتَبِرُوا يَا اُولِي الْاَبْصَار

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دوسرا باب

شیخ کی تصنیفات

شیخ کی شاعری کی شہرت اسکی زندگی میں

شیخ کی جادو بیانی اور فصاحت و بلاغت کا چرچا اس کی زندگی ہی میں تمام ایران ترکستان۔ تاتار اور ہندوستان میں اس قدر پھیل گیا تھا کہ اس زمانہ کی حالت پر لحاظ کرنے کے بعد اس پر مشکل سے یقین آتا ہے خود شیخ بھی گلستان کے دیباچہ میں کہتا ہے۔ "ذکر جمیل سعدی کہ در افواہ عام افتادہ و صیتِ سخنش در بسیط زمین رفتہ" شیراز اور کاشغر میں کچھ کم سولہ سو میل کا فاصلہ ہے پہلے اس سے کہ شیخ کاشغر میں پہنچے وہاں کے چھوٹے بڑے اس کے کمالات سے واقف تھے۔

جس زمانہ میں شیخ کاشغر پہنچا ہے۔ غالباً یہ وہ زمانہ ہے کہ چنگیز خاں چینی تاتار کو خوارزمیوں سے فتح کر چکا ہے۔ اور سلطان محمد خوارزم کے ساتھ چند روز کے لئے اس کی صلح ہو گئی ہے۔ جب شیخ کاشغر کی جامع مسجد میں گیا تو وہاں ایک طالب علم مقدمہ[1] زمخشری ہاتھ میں لئے زبان سے یہ کہہ رہا تھا ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرواً شیخ اس سے چہل کی باتیں کرنے لگا اور کہا کیوں صاحب! خوارزم و ختا میں تو صلح ہو گئی مگر "زید" اور "عمرو" کی خصومت بدستور چلی جاتی ہے طالب علم ہنس پڑا۔ اور شیخ

---

[1] علامہ جار اللہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف نے عربی زبان کی نحو میں ایک مختصر متن لکھا ہے۔ اس کا نام مقدمہ زمخشری ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کا وطن پوچھا۔ فرمایا خاکِ پاک شیراز۔ اُس نے کہا۔ کچھ سعدی کا کلام یاد ہے؟ شیخ نے بطریق مزاح اُسی وقت دو عربی شعر کہکر پڑھے۔ اُسی نے کسی قدر تامل کے بعد کہا۔ سعدی کا زیادہ تر کلام فارسی ہے۔ اگر کچھ اُس میں سے یاد ہو۔ تو پڑھیئے۔ آپ نے ویسے ہی دو فارسی کے شعر پڑھے۔ جن میں سے ایک یہ ہے۔ شعر

اے دلِ عُشاق بدامِ تو صید ۔ ما بتو مشغول و تو با عُمرو زید

صُبح کو جب شیخ نے کاشغر سے چلنے کا ارادہ کیا کسی نے اس طالب علم سے کہدیا۔ کہ سعدی یہی شخص ہے۔ وہ بھاگا ہوا شیخ کے پاس چلا آیا۔ اور نہایت افسوس کیا۔ کہ پہلے سے آپ نے اپنا نام نہ بتایا۔ کہ میں آپ کی خدمت گذاری سے سعادت حاصل کرتا۔ اگر اب بھی چند روز شہر میں چلکر قیام کیجئے۔ تو ہم لوگ خدمت گذاری سے مستفید ہوں۔ اُس کے جواب میں آپ نے یہ اشعار پڑھے۔ اشعار

بزرگے دیدم اندر کوہسارے ۔ قناعت کردہ از دُنیا بغارے
چرا گفتم بہ شہر اندر نیائی ۔ کہ بارے بند از دل کشائی
بگفت آنجا پریرویانِ نغزند ۔ چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند

اسی طرح ملتان سے جو کہ شیراز سے چودہ سو میل ہے۔ دو بار خان شہید سلطان محمد قاآن نے شیخ کی شہرت سُن کر اُس کو وطن سے بلایا۔ مگر وہ بڑھاپے کے سبب نہ آسکا۔

تبریز کے حمام میں جو شیخ اور مشہور شاعر ہمام[1] تبریزی کی نوک جھوک ہوئی ہے۔ وہ نہایت مشہور قصہ ہے۔ جب تک ہمام نے یہ نہ مانا۔ کہ یہ شخص سعدی ہے تب تک اُس سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہا۔ لیکن جب معلوم ہوا۔ کہ یہ سعدی شیرازی ہے۔ فوراً نہایت شرمندگی سے عذر معذرت کرکے اپنے مکان پر لے گیا۔ اور جب تک

[1] خواجہ ہمام الدین باوجود نسبت باطنی اور کمالات علمی کے تبریز کے امرا میں سے تھا۔ اور شاعری میں معاصرین اُس کو مانتے تھے۔ محقق طوسی سے تحصیل علم کی تھی۔ اور سنہ ۷۱۳ ہجری میں وفات پائی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شیخ تبریز میں رہا کمال تعظیم اور ادب سے اُس کی مہمان داری کی +

مسٹر گور اوسلی نے کتاب مجالس العشاق سے ایک حکایت نقل کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ حکیم نزاری قہستانی (جو کہ خراسان کا ایک مشہور شاعر اور حکیمانہ مزاج آدمی تھی۔ اور اسمٰعیلی مذہب رکھتا تھا) شیراز کے حمام میں شیخ سے ایک اجنبی صورت میں ملا۔ معلوم ہوا۔ کہ یہ شخص خراسان کا رہنے والا ہے۔ شیخ نے پوچھا۔ کہ سعدی کو کوئی خراسان میں جانتا ہے؟ کہا اُس کا کلام وہاں عموماً زبان زد خلائق ہے۔ اور پھر شیخ کی درخواست سے اُس کے چند اشعار پڑھے۔ جن کو سُنکر شیخ محظوظ ہوا۔ اور سمجھا کہ یہ شخص شعر کا عمدہ مذاق رکھتا ہے۔ آخر دونوں پر ایک دوسرے کی حقیقت کھل گئی +

شیخ۔ نزاری کو اپنے مکان پر لے گیا۔ اور بہت دن تک اُس کو جانے نہ دیا۔ اور بہت خوشی سے خوب دل کھول کر اُس کی مہمانداری کی۔ حکیم نزاری نے وہاں سے رخصت ہوتے وقت اپنے نوکر سے کہا۔ کہ اگر ہمارا میزبان کبھی خراسان میں آیا۔ تو ہم اُسکو دکھائیں گے۔ کہ مہمانوں کی تواضع اور مدارت کسطرح کیا کرتے ہیں۔ یہ جملہ شیخ کے کان تک پہنچ گیا۔ اُس کو کمال افسوس ہوا۔ اور یہ سمجھا۔ کہ حکیم نے ہماری مہمانداری میں شاید کوئی قصور دیکھا۔ چند مدت کے بعد حُسنِ اتفاق سے شیخ کا گذر قہستان میں ہوا۔ اور حکیم نزاری سے ملاقات ہوئی۔ حکیم بہت اخلاق اور محبت سے پیش آیا۔ مگر دعوت میں کچھ زیادہ تکلف نہیں کیا۔ پہلے روز جو کھانا دسترخوان پر آیا۔ وہ محض رسمی اور سیدھا سادھا تھا۔ دوسرے وقت ایک بھنے ہوئے تیتر کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ تیسرے وقت ایک گوشت کا اُبلا ہوا پارچہ اور خشکا تھا۔ چلتے وقت حکیم نے شیخ سے معافی چاہی۔ اور کہا۔ کہ جس طرح آپ نے میری ضیافت میں تکلفات کئے تھے۔ اُس طرح کے مہمان آخر کو بار خاطر ہو جاتا ہے۔ لیکن ہمارا طریقہ ایسا نہیں ہے۔ شیخ کو اُس جملہ کا مطلب جو نزاری نے شیراز سے چلتے وقت کہا تھا۔ اب معلوم ہوا +

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس حکایت سے شیخ کی شہرت اور بلند آوازگی کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ مذہبی تعصبات سے مبرا تھا۔ فرقہ اسمٰعیلیہ کے لوگ اُس زمانہ میں عموماً ملحد اور بیدین سمجھے جاتے تھے۔ اور کوئی فرقہ مسلمانوں کے نزدیک اسمٰعیلیوں سے زیادہ مبغوض اور مردود نہ تھا۔ پس شیخ کی کمال بے تعصبی تھی۔ اُس نے ہمارے عہد کے مولویوں اور واعظوں کے برخلاف ایک غریب اسمٰعیلی کی اپنے وطن میں اس قدر خاطر اور مدارت کی اور خراسان میں خود اُس سے جا کر ملا۔ اور اُس کا مہمان رہا۔

الغرض یہ حال شیخ کی شہرت کا خود اُس کے زمانہ میں تھا۔ اور اُس کے مرنے کے بعد جو عام قبولیت اُس کے کلام نے حاصل کی۔ اُس کے بیان کرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔

شیخ کے کلام پر اور لوگوں کی رائیں

اکثر جلیل القدر شعرائے شیخ کی نسبت ایسے اشعار کہے ہیں۔ جن سے اُن کی اصلی رائے شیخ کے کلام کی نسبت ظاہر ہوتی ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی نے بہارستان میں کسی شاعر کا قطعہ نقل کیا ہے۔ جن میں فردوسی کو مثنوی کا۔ اور انوری کو قصیدہ کا۔ اور سعدی کو غزل کا پیمبر قرار دیا ہے۔ اور وہ قطعہ یہ ہے۔ قطعہ

در شعر سہ کس پیمبرانند — ہر چند کہ لا نبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را — فردوسی و انوری و سعدی

نیز مولانا جامی نے نفحات الانس میں امیر خسرو دہلوی کی کثرت تصانیف اور جامعیت کے ذکر کے بعد شیخ کو باعتبار مقبولیت کلام کے امیر پر اس پیرایہ میں ترجیح دی ہے۔ کہ امیر نے بھی خضر کی ملاقات کے وقت یہ درخواست کی تھی۔ کہ اپنا آپ دہن اُس کے مُنہ میں ڈالے۔ حضرت خضر نے فرمایا۔ کہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یہ دولت سعدی کے نصیب کی تھی۔

حضرت امیر خسرو دہلوی نے بھی شیخ سعدی رح اور ہمام تبریزی کو اپنی نسبہر میں غزل کا استاد مانا ہے لیکن دیگر اصنافِ سخن میں کنایۃً اپنے کو ترجیح دی ہے۔ مگر ایک اور شعر میں مطلقاً شیخ کے اتباع پر فخر کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ شعر

خسرو سرمست اندر ساغرِ معنی بریخت شیرہ از میخانہ مستے کہ در شیراز بود

حضرت امیر حسن دہلوی نے بھی جنکو اس کے اہلِ مذاق سعدیِ ہندوستان کہتے تھے شیخ کے تتبع پر افتخار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ شعر

حسن گلے ز گلستانِ سعدی آوردہ است

کہ اہلِ معنی گلچیں ازیں گلستان اند

خواجہ مجد الدین ہمگر جو کہ شیخ کا جلیل القدر معاصر ہے۔ اُس سے چار نامی گرامی فاضلوں نے جن میں سے دو شخص علاوہ علم و فضل کے ہولاکو خاں کے رکن سلطنت بھی تھے یعنی خواجہ شمس الدین صاحب دیوان۔ امیر معین الدین پروانہ حاکمِ روم۔ ملک افتخار الدین کرمانی اور ملّا نور الدین عصدری نے باتفاق ہمدگر ایک ایک قطعہ مرتب کرکے مجدِ ہمگر کے پاس بھیجا تھا۔ جس میں امامی ہروی اور سعدی شیرازی کے کلام پر محاکمہ کی درخواست کی گئی تھی۔ اُس کے جواب میں مجد ہمگر نے یہ رباعی لکھ کر بھیجی۔ رُباعی

اگرچہ بہ نطق طوطیِ خوش نفسیم بر شکرِ گفتہ ہائے سعدی مگسیم

در شیوہ شاعری بہ اجماع اُمم ہرگز من و سعدی بامامی نرسیم

لے شیخ نے بھی اس رباعی کو سن کر ایک رباعی لکھی ہے۔ جو اُس کے کلیات میں موجود ہے۔ رُباعی

ہر کس کہ ببارگاہِ سامی نرسد از بخت سیاہ و بد کلامی نرسد

ہمگر کہ بعمرِ خود نہ کردہ است نماز شک نیست کہ ہرگز بامامی نرسد

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس رباعی میں اگرچہ ہمگر نے شیخ کو اپنے سے بہتر بتایا ہے۔ مگر امامی کو اپنے اور شیخ دونوں پر ترجیح دی ہے۔
حاجی لطف علیخاں آرزو نے مذکورہ بالا حکائیت پر جو کچھ لکھا ہے۔ وہ ملاحظہ کے قابل ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ بعض مدعیان شعر نے مجد الدین ہمگر سے کہ بعنایت الٰہی پستی طبع میں آج اُن کا کوئی نظیر نہیں ہے۔ سعدی اور امامی کی بابت محاکمہ چاہا تھا۔ اُنھوں نے جواب میں یہ رباعی تحریر فرمائی۔ میں نے اس رباعی کو پڑھکر خدا تعالےٰ کا شکر ادا کیا۔ کہ ہمارے زمانہ میں ایسا اشتباہ کسی کو نہیں ہے۔ جیسا کہ محاکمہ چاہنے والوں کو تھا۔ اہلِ مذاق جانتے ہیں۔ کہ ہمگر کی تحقیق کیسی بھونڈی ہے۔ ہاں اُنھوں نے اپنی نسبت بالکل صحیح فرمایا ہے۔ کہ میں امامی کے درجہ کو نہیں پہنچتا۔ بیشک امامی مرتبہ جناب صاحب رباعی سے بہت بالاتر ہے۔ لیکن کسی طرح اُس کو شیخ بزرگوار سے نسبت نہیں ہے۔ بلکہ تین شخصوں[1] کے سوا اور کسی کی مجال نہیں جو شیخ کی مساوات کا دم مار سکے۔ میں اکثر یہ سوچا کرتا تھا۔ کہ جیسا ہمارا زمانہ دانشمندوں پر سخت گزرتا ہے۔ ایسا زمانہ پہلے سخنوروں پر بھی گزرا ہے۔ یا نہیں۔ جب یہ حکائیت میری نظر سے گزری تو مجھ کو صبر آگیا۔"
حاجی موصوف نے اس مقام پر مجد ہمگر کی شان میں ایک قطعہ بھی لکھا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ قطعہ

یکے گفت۔ امامی امام ہر ہری را　　زسعدی فزوں یافتہ مجد ہمگر
دریں ماجرا چیست رائے تو گفتم　　شمگر بود مجد ہمگر ستمگر

ہمارے نزدیک اگر مجد ہمگر اُس عصر میں جس میں سعدی اور امامی گذرے ہیں نہ ہوتا۔ بلکہ سو پچاس برس بعد پیدا ہوتا۔ تو اس کو بھی شیخ اور امامی کے رُتبہ میں ہرگز یہ اشتباہ نہ ہوتا۔ معاصرت نے لوگوں کے حالات پر اکثر ایسے پردے

[1] تین شخصوں سے مراد۔ فردوسی۔ انوری اور نظامی ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ڈالے ہیں۔ مگر جسقدر اُن کا زمانہ گزرتا گیا۔ اُسی قدر وہ پردے مرتفع ہوتے ہو گئے۔ اور رفتہ رفتہ جو حق بات تھی۔ وہ ظاہر ہو گئی۔ اصل یہ ہے کہ جب ایک زمانہ میں دو اہل کمال ہوتے ہیں۔ تو ہر ایک کے ساتھ ایک ایک گروہ متعصبین کا کھڑا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص کے کچھ عزیز اور دوست اور کچھ اُن دوستوں کے دوست اور اسی طرح کچھ مخالف اور اُن مخالفوں کے دوست اور یگانے ضرور ہوتے ہیں اور اسی طرح سے بڑھتے بڑھتے دو بڑے بڑے گروہ پیدا ہو جاتے ہیں لیکن جب وہ طبقہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور اُن کے ساتھ کسی کو لاگ یا لگاؤ باقی نہیں رہتا تو جو ٹھیک بات ہوتی ہے۔ وہ بغیر بحث و حجت کے خود بخود دلوں پر نقش ہو جاتی ہے۔ شیخ اور امامی کے عہد میں یہ کس کو معلوم تھا۔ کہ عنقریب ایک کا کلام اطرافِ عالم میں پھیل جائے گا۔ اور دوسرے کا نام صرف کتابوں میں لکھا رہ جائے گا۔

کلامِ شیخ کی مقبولیت میں اکثر یہ حکایت بیان کیجاتی ہے۔ کہ مشائخ وقت میں سے ایک بزرگ شیخ کے منکر تھے۔ ایک رات اُنھوں نے خواب میں دیکھا۔ کہ آسمان کے دروازے کھولے گئے ہیں۔ اور فرشتے نور کے طبق لے کر زمین پر نازل ہوئے ہیں۔ اُس بزرگ نے پوچھا۔ کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ کہا سعدی شیرازی نے ایک بیت کہی ہے۔ جو جنابِ الٰہی میں مقبول ہوئی ہے۔ یہ اُس بیت کا صلہ ہے۔ اور وہ بیت یہ ہے۔

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار   ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

جب وہ بزرگ خواب سے بیدار ہوئے۔ تو رات ہی کو شیخ کے عزلت خانہ پر یہ مژدہ سنانے کے لئے گئے۔ وہاں جا کر شیخ کو دیکھا۔ کہ چراغ روشن کئے ہوئے جھوم جھوم کر یہ شعر پڑھ رہے ہیں۔ شاید اس حکایت کا مضمون بادی النظر میں مستبعد معلوم ہو۔ لیکن ہم کو اس میں کوئی نئی بات عقل یا نیچر کے خلاف نہیں معلوم ہوتی۔ خواب کا سچا ہونا۔ اور اُن میں معمولی باتوں کا غیر معمولی طور پر نظر آنا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ایک ایسا مسلم امر ہے۔ کہ آج کل کے فلسفی بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ ہم اس حکایت سے ہر حال میں یہ نتیجہ ضرور نکال سکتے ہیں۔ کہ شیخ کے کلام کی مقبولیت اس درجہ کو پہنچ گئی تھی۔ کہ معمولی پیرائے اس کے بیان کے لئے کافی نہ سمجھے جاتے تھے ؂

اس حکایت کو اور زیادہ چمکانے کے لئے شیخ ابوالفیض فیضی کے مخالفوں نے ایک اور دلچسپ مضمون تراشا ہے۔ یعنی یہ کہ فیضی نے نلدمن کی توحید لکھتے وقت جب یہ شعر کہا۔ شعر

درہر بنِ موکہ مے نہی گوش ۔۔۔ فوارۂ فیضِ اوست درجوش

تو اُس نے بھی ویسے ہی صلہ کے توقع میں جو شیخ سعدی کو ملا تھا۔ آسمان کی طرف منہ کیا۔ اتفاقاً ایک چیل نے اُوپر سے بیخال کی۔ جو فیضی کے مُنہ پر آکر پڑی۔ وُہ بہت جھنجھلایا۔ اور کہا وہ شعر ہے عالم بالا معلوم شد" ظاہرا یہ مضمون شیخ عبدالقادر بدایونی کا جو کہ شیخ مبارک کے خاندان کا سخت دشمن ہے۔ یا اُس کے کسی متبع کا گھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے ؂

"چیمبرز انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے"! کہ سعدی کے کلام کی لطافت اور بذلہ سنجی روما کے مشہور شاعر ہورلیس کے کلام سے بہت ملتی ہے۔ چونکہ سعدی کو لاطینی زبان آتی تھی۔ اس لئے ظن غالب ہے کہ وہ ہورلیس کے کلام سے مستفید ہوا ہوگا" ہم نہیں کہ سکتے۔ کہ یہ قیاس کہاں تک صحیح ہے ۔ اور واقعہ میں شیخ کو لاطینی آتی تھی۔ یا نہیں۔ ظاہرا یہ ویسا ہی قیاس ہے۔ جیسا کہ دہلی کی جامع مسجد اور آگرہ کے روضہ تاج گنج کی نسبت کہا جاتا ہے۔ کہ یہ دونو عمارتیں اٹلی کے کاریگروں نے بنائی ہیں۔ بات یہ ہے کہ جو قوم نہایت پستی کی حالت میں ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ کسی زمانہ میں کتنی ہی ترقی کر چکی ہو جس طرح اُس قوم کی موجودہ نسلیں ترقی یافتہ قوموں کی نظر میں حقیر و ذلیل اور ہیچ دیوچ معلوم ہوتی ہیں ایسی طرح اُن کے اسلاف کی عظمت اور برتری کا بھی بہت کم یقین آتا ہے۔ اور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اگر اُنکی کوئی ایسی بات پیش کی جاتی ہے جس کا کسی طرح انکار نہیں ہوسکتا تو اُس کو مجبور کسی اور کی طرف منسوب کرنا پڑتا ہے ؂

سر ولیم جونس جو کہ مشرقی زبانوں کا نہایت مشہور عالم ہے۔ اُس نے جو شیخ اور اُس کے کلام کی نسبت لکھا ہے۔ وہ سر گوراوسلی نے نقل کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ سعدی نے تیرھویں صدی عیسوی میں جب کہ اتابکان فارس وہاں کے اہل کمال کو تقویت دے رہے تھے۔ اپنے جوہر دکھانے شروع کئے تھے جالانکہ تقریباً تمام زندگی سفر میں گذری تھی۔ باوجود اُس کے کسی ایسے شخص نے بھی جسکو تمام عمر بھر اطمینان اور فرصت حاصل رہی ہو۔ اپنی عقل اور محنت کا نتیجہ شیخ سے نہیں چھوڑا ؂

انگلستان کے بعض اور مصنفوں نے اُس کو مشرقی شکسپیر کہا ہے۔ اگرچہ یہ تشبیہ اُن مشرقی شاعروں کی نظر میں جو شکسپیر کی شاعری سے واقف نہیں ہیں۔ کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ لیکن جب کہ یہ بات مسلّم ہے۔ کہ انگریز شکسپیر کو تمام دنیا کے شاعروں سے بہتر سمجھتے ہیں۔ تو دیکھنا چاہیئے۔ کہ جو لوگ سعدی کو مشرقی شکسپیر کہتے ہیں۔ اُنھوں نے اُس کو کس درجہ کا شاعر تسلیم کیا ہے ؂

شکسپیر کی شاعری اگرچہ سعدی کی شاعری سے بالکل مغائر ہے۔ لیکن بعض حیثیات سے ایک کو دوسرے سے تشبیہ دیجاسکتی ہے دونوں کے کلام میں عموماً یہ بات پائی جاتی ہے۔ کہ وہ عقل و عادت کی حد سے تجاوز نہیں کرتے۔ بلکہ ہمیشہ نیچرل حالتوں کی تصویر کھینچتے ہیں۔ دونوں کے کلام میں اکثر ظرافت اور شوخی کی چاشنی ہوتی ہے۔ اور دونوں کا بیان ہمیشہ سادہ صاف اور دلنشین ہوتا ہے۔ اس کے سوا دونوں نے اکثر کلام کی بنیاد نصیحت و پند پر رکھی ہے صرف فرق اس قدر ہے۔ کہ شیخ کھلم کھلا نصیحت کرتا ہے۔ اور شکسپیر کے چلتے (یعنی ٹانک) اسقدر کسی شخص کو یہ خیال نہیں گذرتا۔ کہ یہ میرے ہمجنسوں کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

عیب بیان ہورہے ہیں۔ یا کسی کو نصیحت کی جاتی ہے۔ مگر اُس کا بیان اندر ہی اندر اپنا کام کرتا ہے۔ بلکہ یہ کیفیت نہ صریح نصیحت و پند سے زیادہ کارگر ہوتا ہے۔ نیز دونوں کا کلام مقبول اور دلنشیں ہونے میں ایک دوسرے سے نہایت مشابہت رکھتا ہے جس طرح شکسپیر کے صدہا اقوال انگریزی میں ضرب المثل ہوگئے ہیں۔ اسی طرح شیخ کی گلستاں اور بوستاں کے صدہا فقرے اور شعر اور مصرعے فارسی اور اُردو میں ضرب المثل ہیں۔ اور اس سے دونوں کے کلام کی کلام کی کمال خوبی اور حُسن اور یہ بات کہ انہوں نے جمہور کے دلوں پر کس قدر تسلط کیا ہے۔ اور اُن کا کلام کس قدر انسان کی حالتوں اور ضرورتوں کے مطابق واقع ہوا ہے۔ ثابت ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کا زیادہ تر سبب یہ بھی ہے کہ ایشیا میں جسقدر گلستاں اور بوستاں کی تعلیم و تعلم کا چرچا ہے۔ ایسا کسی اور کتاب کا نہیں اور اسی طرح یورپ میں جسقدر شکسپیر کا کلام دائر و سائر ہے۔ ایسا کسی اور شاعر کا کلام نہیں ہے پس ضرور ہے کہ دونوں کے اقوال سب سے زیادہ لوگوں کی زبانوں پر جاری ہوں۔ لیکن ظاہر ہے کہ جب تک کوئی کلام فی نفسہٖ مقبول اور دلنشیں ہونے کے قابل نہ ہو کسی طرح ممکن نہیں۔ کہ اس طرح ملک میں مشہور اور متداول ہوسکے۔

کلیّات شیخ

شیخ کا تمام کلام نظم۔ نثر۔ فارسی اور عربی جو اس وقت متداول ہے۔ اور جس کو شیخ علی ابن احمد ابن ابی بکر نے شیخ کی وفات سے بیالیس ۴۲ برس بعد علے الترتیب جمع کیا ہے حسب تفصیل ذیل ہے:۔

۱۔ نثر میں چند مختصر رسالے جن میں سلوک اور تصوّف کے مضامین اور مشائخ و عرفا کی حکایتیں اور ملوک و حکّام کے لیے نصیحتیں لکھی ہیں۔

۲۔ گلستاں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

۳۔ بوستاں۔

۴۔ پند نامہ (جس کو عرفِ عام میں کریما کہتے ہیں)؀

۵۔ قصائدِ فارسی (جن میں مرثیے۔ ملمّعات۔ مثلثات اور ترجیعات بھی شامل ہیں)؀

۶۔ قصائدِ عربیّہ؀

۷۔ غزلیات کا پہلا دیوان موسوم بہ طیبات؀

۸۔ دوسرا دیوان موسوم بہ بدائع؀

۹۔ تیسرا دیوان موسوم بہ خواتیم؀

۱۰۔ غزلیاتِ قدیم جو غالباً عنفوانِ شباب کی لکھی ہوئی ہیں؀

۱۱۔ مجموعہ موسومہ بہ صاحبیہ جس میں شیخ نے قطعات۔ مثنویات۔ رباعیات اور مفردات کو خواجہ شمس الدین صاحب دیوان کی فرمائش سے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

۱۲۔ مطائبات وہزلیات؀

ان تمام کتابوں اور رسالوں میں سے مثنوی پند نامہ یعنی کریما کو بعض اہلِ مذاق شیخ کا کلام نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اوّل تو کلیات کے اکثر قدیم نسخوں میں یہ مثنوی نہیں دیکھی گئی۔ دوسرے شیخ کے کلام میں جو پختگی اور جزالت یا دلفریبی اور جادو پایا جاتا ہے۔ اُس سے یہ مثنوی معرّا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک اس مثنوی کو شیخ کی طرف نسبت کرنے میں کوئی استبعاد اور تردّد کی بات نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ وہ بوستاں اور شیخ کی عام نظم کے مقابلہ میں نہایت کم وزن معلوم ہوتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ شاعر کا حال بالکل اس شعر کا مصداق ہے۔ **شعر**۔

گہے بر طارمِ اعلےٰ نشینم　　گہے برپشتِ پائے خود نہ بینم

ایک ہی شاعر کا ایک کلام معجزہ معلوم ہوتا ہے۔ اور دوسرا ہذیان۔ اور یہی وجہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خاصیت ہے۔ جو خدا کے کلام کو بشر کے کلام سے جدا کرتی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا۔ کلیات کے بعض قدیم نسخوں میں اس مثنوی کا نہ پایا جانا بھی اس بات کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ کہ وہ شیخ کا کلام نہیں ہے۔ ممکن ہے۔ کہ علی بن احمد کے بعد کسی کو یہ مثنوی ملی ہو۔ اور اُس نے اس کو کلیات میں داخل کر دیا ہو۔ اور اس سبب سے کلیات کے نسخوں میں اختلاف واقع ہو گیا ہو۔ چنانچہ حضرت امیر خسرو کے کلیات میں اسی طرح نسخوں کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ بہرحال ہم جس طرح اس مثنوی کے ثبوت کی کوئی قطعی دلیل نہیں سمجھتے۔ اسی طرح اُس کی نفی کی بھی کوئی قوی وجہ نہیں پاتے۔

اب ہم شیخ کی بعض تصنیفات پر جو زیادہ مشہور ہیں۔ یا زیادہ لحاظ کے قابل ہیں متوجہ ہوتے ہیں۔ یہاں تک ہماری محدود واقفیت اور ناچیز رائے مساعدت کریگی۔ ہم اُن کی حقیقت ظاہر کرنے میں کوشش کرینگے۔

ناظرین باتمکین سے یہ درخواست ہے۔ کہ اگر کہیں ہماری رائے کی غلطی ظاہر ہو تو اُس کو متعصبانہ افراط و تفریط پر محمول نہ فرمائیں۔ بلکہ اس کو ایک مقتضائے بشریت سمجھ کر اُسی قدر مواخذہ کے قابل ٹھیرائیں۔ جس قدر کہ ایک غلط سمجھی رائے پر مواخذہ ہو سکتا ہے۔

گلستاں اور بوستاں

اگرچہ ہر تصنیف و تالیف کی ماہیت اور اُن کے عیب اور خوبیاں بیان کرنی عموماً مشکل ہیں۔ لیکن جو کلام سب کے نزدیک مقبول ہو۔ اور جس پر کسی نے خردہ گیری نہ کی ہو۔ اُس پر ریویو لکھنا اور اس کی خوبی یا عیب بیان کرنا حد سے زیادہ مشکل ہے۔ جس طرح بدیہیات پر استدلال کرنا نہایت دشوار ہے۔ اسی طرح ایسی مقبول اور مسلّم کتابوں کے محاسن بیان کرنے مشکل ہیں۔ اور اسی طرح اُن پر نکتہ چینی کرنی اور بھی زیادہ مشکل ہے۔ ہم پہلا آسان کام کسی قدر اپنے ذمہ لیتے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہیں۔ اور دوسرے مشکل کام کو اپنے سے زیادہ دقیقہ شناس اور باریک بیں لوگوں پر چھوڑتے ہیں۔

ان دونوں کتابوں کو شیخ کے کلام کا خلاصہ اور لُبِّ لباب سمجھنا چاہیئے بظاہر فارسی زبان میں کوئی کتاب ان سے زیادہ مقبول اور مطبُوع خاص و عام نہیں۔ ایران۔ ترکستان۔ تاتار۔ افغانستان اور ہندوستان میں ان دونوں کتابوں کی تعلیم ساڑھے چھ سو برس سے برابر جاری ہے بچپن میں ان کتابوں کی تعلیم شروع ہوتی ہے۔ اور بڑھاپے تک مطالعہ کا شوق رہتا ہے۔ لاکھوں اُستادوں نے انہیں پڑھایا۔ اور کروڑوں شاگردوں نے انہیں پڑھا۔ ان کے بیشمار نسخے خوشنویسوں کے قلم سے لکھے گئے۔ اور بے انتہا ایڈیشن لوہے اور پتھر پر چھاپے گئے۔ مشرق اور مغرب کی اکثر زبانوں میں ان کے ترجمے ہوئے۔ مشائخ اور علماء نے انکی عزّت کی بادشاہوں نے ان کو سلطنت کا دستور العمل بنایا۔ منشیوں اور شاعروں نے ان کی فصاحت و بلاغت کے آگے سر جھکایا۔ اور اُن کے تتبّع سے عاجز رہنے کا اقرار کیا۔ اس کا نام جس طرح ایشیا میں مشہور ہے۔ اسی طرح یورپ میں بھی عزّت سے لیا جاتا ہے۔

اگرچہ یہ دونوں کتابیں حُسنِ قبول۔ فصاحت۔ بلاغت۔ تہذیب۔ اخلاق پند و نصیحت اور اور اکثر خوبیوں کے لحاظ سے باہم دگر ایسی مشابہت رکھتی ہیں۔ کہ ایک دوسری پر ترجیح دینی مشکل ہے۔ بلکہ ان پر عربی کا یہ مقولہ صادق آتا ہے۔ کہ اَحَدُھُمَا اَفْضَلُ مِنَ الْاٰخِرِ۔ لیکن اگر بعض وجوہ سے گلستاں کو بوستاں پر ترجیح دی جائے۔ تو کچھ بیجا نہیں ہے۔

فارسی نظم میں بوستاں کے سوا اور بھی ایسی کتابیں موجود ہیں۔ جو بوستاں سے کم مقبول نہیں سمجھی گئیں۔ مگر مثنوی معنوی اور شاہنامہ نے شاید اُس سے بھی بڑھکر قبولیت حاصل کی ہے۔ لیکن فارسی نثر میں بظاہر کوئی کتاب شیخ سے پہلے اور اُس کے بعد ایسی نہیں لکھی گئی جو گلستاں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے برابر مقبول ہوئی ہو*

سر گور اوسلی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے۔ کہ سعدی کی گلستاں کا ترجمہ جو کہ مشہور فاضل جینٹش نے لاطینی میں کیا تھا۔ اُس نے مدتوں یورپ کے اہل علم و ادب کو شیخ کے خیالات پر فریفتہ رکھا ہے*

تذکرہ مجمع الفصحا جو کہ ابھی ایران میں تالیف ہوا ہے۔ اُس میں یا کسی اور تذکرے میں لکھا ہے۔ کہ فارسی نظم و نثر میں جسقدر چار کتابیں ایران میں مقبول ہوئی ہیں۔ ایسی اور کوئی کتاب مقبول نہیں ہوئی۔ شاہنامہ۔ مثنوی معنوی۔ گلستاں اور دیوان حافظ*

ہندوستان میں بھی یہ چاروں کتابیں ایسی ہی مقبول ہوئی ہیں۔ جیسی ایران میں۔ مگر سب کی شہرت اور قبولیت کے وجوہ مختلف ہیں۔ اگرچہ ایک خوبی یعنی بیان کی سادگی اور بیساختگی میں چاروں کتابیں کم و بیش مشترک ہیں اور یہ خوبی وہ ہے جس کے بغیر کوئی کتاب مقبول نہیں ہو سکتی۔ لیکن صرف اس قدر خوبی سے کوئی کتاب ایسی شہرت اور قبولیت کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی جب تک اُس کے ساتھ کوئی دلکش اور دلفریب چیز نہ ہو۔ کیونکہ نظم و نثر کی بیسیوں کتابیں جو تکلف اور تصنع سے بالکل پاک ہیں۔ ایسی بھی ہیں جن کا کوئی نام بھی نہیں جانتا*

ہماری رائے میں گلستاں کے سوا باقی تینوں کتابیں زیادہ تر اس سبب سے مقبول ہوئی ہیں۔ کہ وہ اپنی سادگی اور فصاحت و بلاغت کے علاوہ زمانہ کے مذاق اور طبائع کے ساتھ بہت مناسبت رکھتی تھیں۔ سب سے اول شاہنامہ پر غور کرو۔ قطع نظر اس سے کہ قدیم زمانہ کے حالات اور گذشتہ قوموں اور بادشاہوں کے محاربات انسان کو ہمیشہ بالطبع مرغوب ہوتے ہیں۔ جس زمانہ میں کہ شاہنامہ لکھا گیا۔ اس وقت وسط ایشیا کے مسلمانوں کو فتوحات اور لشکر کشی و کشور کشائی کا شوق حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ اور شجاعت و بہادری

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے مضمون ان کو دل پسند آتے تھے۔ پس ایک رزمیہ نظم کا جس میں رزم اور بہادری کے سوا اور مضمون بہت کم ہیں۔ ایسے وقت میں لکھا جانا اُن کی حالات کے نہایت مناسب تھا۔ یہی سبب تھا۔ کہ شاہنامہ ختم ہونے سے پہلے ہی اُس کی صدہا داستانیں کم و بیش لوگوں کی زبانوں پر جاری ہو گئی تھیں اور آخر کو اُس کا یہاں تک رواج ہو گیا تھا۔ کہ بادشاہوں کے ہاں شاہنامہ خواں نوکر رکھے جاتے تھے۔ اور قہوہ خانوں میں جا بجا گرمیٔ صحبت کے لیے شاہنامہ پڑھا جاتا تھا۔ اس کے سوا ہزاروں عجیب و غریب قصّے جیسے سیمرغ کا زال کو پرورش کرنا طہمورث دیوبند کا دیووں کو قید کرنا۔ جامِ جمشید کے کرشمے۔ رستم کا اپنے زور سے تنگ آکر اُس کو خُدا کے پاس امانت رکھوانا۔ اور پھر سہراب کی لڑائی میں واپس لے لینا۔ اُس کا سینکڑوں دیوں کو مارنا۔ اور مغلوب کرنا۔ اُس کے رخش کا شیروں کو ہلاک کرنا۔ دژ بہمن کا طلسم ٹوٹنا اور اسی طرح کے ہزاروں افسانے مثل قصّہ امیر حمزہ اور بوستانِ خیال کے اس میں درج تھے۔ جو تمام دُنیا کے آدمیوں کو عموماً اور ایشیا والوں کو خصوصاً ہمیشہ سے مرغوب رہے ہیں۔ ان باتوں نے شاہنامہ کو اور بھی زیادہ مقبول اور عام پسند کر دیا تھا۔

مولانا روم کی مثنوی اس زمانہ میں لکھی گئی تھی۔ جب کہ ہمارے لٹریچر میں تصوّف اور معرفت کا تسلّط روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ شیخ محی الدین ابن العربی۔ شیخ صدر الدین قونوی۔ شیخ شہاب الدین سہروردی۔ شیخ علاء الدولہ سمنانی وغیرہم کی تصنیفات مذہب اور شاعری میں تصوّف کی رُوح پھونک رہی تھی۔ شعر میں حقیقت اور معرفت کے مضامین تغزّل کی نسبت زیادہ جی لبھانے لگے تھے۔ شیخ اکبر اور ابن فارض کے دیوانوں کے سامنے متنبّی اور ابو تمام کی تشبیبیں بے مزہ معلوم ہونے لگی تھیں۔ حدیقہ اور منطق الطیر نے رودکی اور عنصری کا کلام نظروں سے گرا دیا تھا۔ ایسے وقت میں مثنوی معنوی کا جو کہ سراسر تصوّف اور حقائق و معارف

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سے بھری ہوئی ہے۔ مقبول ہونا ایسا ہی ضروری امر تھا۔ جیسے غزنویہ اور سلاجقہ کے عہد میں شاہنامہ کا اور صفویہ کے عہد میں حملۂ حیدری کا۔ اس کے سوا مثنوی میں بھی صدہا عجیب و غریب قصے اور فوق العادت نقلیں اور تمثیلیں جو انسان کو بالطبع مرغوب ہیں۔ درج تھیں۔ اور اُن میں شریعت اور طریقت کے اسرار بیان کئے گئے تھے۔ پس مثنوی میں شعر اور تصوف کے علاوہ قصّہ کا لطف اور مذہب کی عظمت بھی شامل تھی۔ یہی باعث ہے کہ مولانا روم کے حق میں:- ع

نیست پیغمبر ولے دارد کتاب

اور مثنوی کے حق میں:- ع

ہست قرآں در زبانِ پہلوی

کہا گیا ہے ✤

خواجہ حافظ کے دیوان میں عشق و جوانی اور رندی و شاہد بازی کے مضامین کے سوا جو کہ دُنیا میں ہمیشہ سے مرغوب رہے ہیں۔ اور انسان کے دل کو بزور اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ اور کوئی مضمون ہی نہ تھا۔ اور اس خیال نے کہ اُس میں عشق کی واردات اور کیفیات عشق مجازی کے پیرایہ میں ادا کی گئی ہیں۔ اُس کو اور بھی زیادہ دلچسپ اور دلربا کر دیا تھا۔ پس ان تینوں کتابوں کا اس قدر مقبول ہونا کچھ زیادہ تعجب کی بات نہ تھی۔

گلستان میں ان وجوہ سے کوئی وجہ نہ تھی۔ نہ اُس میں رزم تھی۔ نہ عجیب و غریب افسانے تھے۔ نہ فوق العادت قصے۔ نہ حقائق و معارف نہ شریعت کے اسرار نہ طریقت کے نکات۔ نہ غزلِ عاشقانہ۔ نہ قولِ عارفانہ۔ بلکہ اُس کی بنیاد محض اخلاقی پند و موعظت پر رکھی گئی تھی۔ جس سے زیادہ کوئی پھیکا اور بے نمک مضمون خاصکر فارسی لٹریچر میں نہیں پایا جاتا۔ پند و عظمت جب تک قصّہ یا ناٹک کے پیرایہ میں نہ ادا کی جاوے۔ اکثر مخاطب کی وحشت اور تنفّر کا باعث ہوتی ہے کیونکہ انسان کی طبیعت میں یہ بات ودلیعت کی گئی ہے۔ کہ وہ کھُلی نصیحتوں سے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

متنفر اور چھپی نصیحتوں سے متاثر ہوتا ہے۔ پس گلستاں کا اس قدر مقبول ہونا سوا اس کے کہ اُس کی فصاحت و بلاغت اور حسنِ بیان اور لطف ادا کو تمام فارسی لٹریچر میں بےمثیل اور لاجواب کیا جائے۔ اور کسی وجہ پر محمول نہیں ہو سکتا +

گلستاں کی عظمت اور بزرگی زیادہ تر اس بات سے معلوم ہوتی ہے۔ کہ جس قدر غیر زبانوں کا لباس اس کتاب کو پہنایا گیا ہے۔ ایسا فارسی زبان کی کسی کتاب کو نصیب نہیں ہوا۔ خود شیخ ہی کے زمانہ میں گلستان کے اکثر قطعات و ابیات اس قدر مقبول اور زبانوں پر جاری ہو گئے تھے۔ کہ اُس زمانہ کے فضلا اور اُدبا اُس کے اکثر اشعار عربی نظم میں ترجمہ کرکے اپنا زیور طبع اور قدرت نظم عربی دکھاتے تھے۔ چنانچہ ادیب نامدار فضل اللہ بن عبداللہ شیرازی نے بھی جو کہ شیخ کے آخیر زمانہ میں تھا۔ اپنی مشہور تاریخ وصاف میں گلستاں کے دو قطعوں کا ترجمہ عربی میں نظم کیا ہے۔ جو کہ مع اصل قطعات کے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

قطعۂ سعدی

گلے خوشبوئے در حمام روزے ۔۔۔ رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری ۔۔۔ کہ از بوئے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلِ ناچیز بودم ۔۔۔ ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد ۔۔۔ وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ترجمہ عربیہ

اذا ھو فی الحمّام طین مطیّب ۔۔۔ توصّل من ایدی کریم الی یدی
نقلت لہ ھل انت مسک و عنبر ۔۔۔ فانّی من ریّاک سکران معتد
اجاب بانّی کنت طینًا مذ للاً ۔۔۔ فجالست للورد الجنی بمعھد
فاثر فی خلقی کمال مجالسی ۔۔۔ والّا فانا التراب الذی کنت فی ید

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

قطعہ سعدی

گر خردمند ز اجلاف جفائے بیند ... تا دلِ خویش نیازادد و درہم نشود
سنگِ بدگوہر اگر کاسۂ زرّیں شکست ... قیمتِ سنگ نیفزاید و زر کم نشود

ترجمۂ عربیہ

ان نال ندٌ من الانذال منقصۃ ... حاشی لہ ان یذیب النفس بالضجر
فالتبر من حجر اذ صار منکسراً ... فالتبر تبر وما یزداد فی الحجر

پھر ایک مدّت کے بعد تمام گلستان کا ترجمہ جیسا کہ مشہور ہے۔ عربی زبان میں ہوا۔ جو کئی صدیوں تک عرب۔ شام۔ روم اور مصر میں متداول رہا۔ اور حال میں مصر کے ایک ادیب نے جس کا نام جبریل ہے۔ اُس کا ایک اور نہایت فصیح عربی ترجمہ نظم کا نظم میں اور نثر کا نثر میں چھپوایا ہے۔ اس کے سوا استنبول کی ترکی میں بھی اُس کے متعدد ترجمے سُنے گئے ہیں۔ جن میں سب سے اخیر ترجمہ سُلطان عبدالحمید خاں کے بھائی اور ولیعہد رشاد[۱] پاشا نے حال ہی میں کیا ہے[۲]+

یوروپ میں گلستاں اور بوستان کے جسقدر ترجمے ہوئے ہیں۔ اُن کی ٹھیک ٹھیک تعداد معلوم ہونی مشکل ہے۔ مگر انگلش سائیکلوپیڈیا میں کسی قدر ترجموں اور اڈیشنوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو ۱۸۵۲ء تک چھپے اور شائع ہوئے۔ اُس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے+

گلستان کے ترجمے بوستاں کی نسبت بہت زیادہ ہوئے ہیں سب سے پہلے جنٹیس نے اصل گلستاں مع لاطینی ترجمہ اور کسی قدر حواشی

---

[۱] یہی رشاد پاشا بلقب محمد خامس ۱۹۰۸ء میں سلطان روم ہوا۔ اور ۱۹۱۸ء میں فوت ہوا۔ ناشر

[۲] ایسا ہی ایک اُردو ترجمہ نثر کا نثر میں اور نظم کا نظم میں حال میں مولوی فیروز الدین صاحب لاہوری نے کیا ہے جس پر پنجاب گورنمنٹ کی طرف سے آپکو انعام بھی ملا ہے اور جو بقیمت ایک روپیہ ناشرانِ کتاب ہذا سے مل سکتا ہے۔ (ناشر)

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

کے امسٹرڈم میں چھپوائی - پھر ڈورائر نے جو کہ فرانس کیطرف سے اسکندریہ میں کانسل تھا - فرنچ میں اُس کا ترجمہ کیا - جو سنہ ۱۶۳۴ء میں بمقام پیرس چھپا - اُس کے بعد اصل کتاب سے گاڈین نے سنہ ۱۷۸۹ء میں اور سیمالیٹ نے سنہ ۱۹۳۴ء میں ترجمہ کیا - یہ دونوں ترجمے بھی فرنچ میں ہوئے تھے - جرمن زبان میں اُولی یریس کا ترجمہ زیادہ مشہور ہے - وہ اُس کے دیباچہ میں لکھتا ہے - کہ اس ترجمہ میں ایران کے ایک فاضل سے مدد لی گئی ہے - اور یہ بھی کہتا ہے - کہ میرے ترجمہ سے پہلے ڈورائر کے فرنچ ترجمہ سے ایک اور ترجمہ جرمنی میں ہو چکا تھا - اولی ایریس کا ترجمہ نہایت ذی وقعت ہے - اور اس میں جو تصویریں چھاپی گئی ہیں - وہ بھی بہت عمدہ ہیں - یہ ترجمہ اوّل سنہ ۱۹۱۴ء میں بمقام سلیزوگ چھپا تھا - اور اُسی سال جرمن سے ڈچ زبان میں ترجمہ ہو کر امسٹرڈم میں چھپا - اُولی ایریس نے بوستاں کا بھی ترجمہ جرمن میں کیا ہے - حال میں گلستاں کا ایک اور ترجمہ کے - ایچ - گراف نے جرمن میں کیا ہے - جو سنہ ۱۸۴۶ء میں بمقام لیپزگ چھپا ہے - اسی مترجم نے بوستان کا بھی ترجمہ کیا ہے - جس کا نام لسٹ گارٹن ہے - اور جو سنہ ۱۸۵۰ء میں دو جلدوں میں چھپا ہے - انگریزی میں گلستان کا ترجمہ ایک گلیڈون نے کیا ہے - جو بمقام لنڈن سنہ ۱۸۰۸ء میں چھپا - دوسرا ترجمہ راس صاحب کا ہے - جو ایشیاٹک سوسائیٹی کے لئے کیا گیا تھا - اور ایک ترجمہ ایسٹویک نے انگریزی میں کیا ہے - نظم کا نظم میں اور نثر کا نثر میں - جو سنہ ۱۸۵۲ء میں بمقام ہرٹ فورڈ چھپا تھا - یہ ترجمہ نہایت عمدہ ہے -

سعدی کے کلیات فارسی و عربی چھوٹی تقطیع کے کاغذ پر ہیرنگٹن نے سنہ ۱۷۹۱ء میں چھپوائے تھے - اور گلیڈون نے صرف گلستان سنہ ۱۸۰۶ء میں چھپوائی - جو دوبارہ سنہ ۱۸۰۹ء میں بمقام لنڈن مطبوع ہوئی - پھر سنہ ۱۸۰۷ء میں جیمس ڈیمولن نے گلستاں مع اپنے ترجمہ کے کلکتہ میں چھپوائی - جو کہ اُس وقت سے

۵ - ملک ہالینڈ کا تخت گاہ

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اب تک کئی بار پتھر پر چھپ چکی ہے۔ پروفیسر فاکر نے فارسی خواں طلبا کے لئے بوستاں کا نہایت عمدہ انتخاب کر کے چھپوایا ہے۔ جس میں تقریباً تہائی کتاب داخل ہے۔ اور بعض حکایات کے ترجمے حواشی سمیت ایشیاٹک جرنل میں جمع متن کے چھاپے گئے ہیں۔ ڈاکٹر اے، سپرنگر نے ۱۸۵۱ء میں بمقام کلکتہ گلستاں مع اعراب اور علامات وقف، کے چھپوائی تھی۔ اور ایسٹوک نے بمقام ہرٹ فورڈ ۱۸۵۰ء میں اُس کو کئی قلمی نسخوں سے صحیح کر کے مع فرہنگ کے شائع کیا۔

مذکورہ بالا ترجموں اور اڈیشنوں کے سوا جن کا ذکر انگلش سائیکلو پیڈیا میں کیا گیا ہے۔ اور بہت سے نئے ترجمے اور اڈیشن خصوصاً ۱۸۵۲ء کے بعد شائع ہوئے ہیں۔ از آنجملہ ۱۸۷۱ء میں جان پلیٹ انسپکٹر مدارس ممالک متوسط نے اصل گلستان مع انگریزی فرہنگ کے حسنِ اہتمام اور صحت کے ساتھ لنڈن میں چھپوائی تھی۔ اور کپتان ولبرفورس کلارک نے بوستاں کا انگریزی ترجمہ ۱۸۷۹ء میں کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ ترجمہ اُس نسخہ سے کیا گیا ہے۔ جو جرمنی کی اورنٹیل سوسائٹی میں ۱۸۵۱ء میں چھپا تھا۔ پھر حال ہی میں بوستاں کی چیدہ حکایتوں کا ترجمہ میجر میکنن نے نظم میں کیا ہے جس کا نام فلاورز فروم دی بوستان رکھا ہے۔

ہندوستان میں بھی متعدد زبانوں میں گلستان کا ترجمہ ہوا ہے۔ از آنجملہ میر شیر علی افسوس تخلص نے مارکوئس ولزلی گورنر جنرل کے عہد میں اُس کا اُردو ترجمہ نظم کا نظم اور نثر کا نثر میں لکھا ہے۔ مگر چونکہ اُس وقت تک اُردو زبان خوب منجھ کر صاف نہ ہوئی تھی۔ اس لئے زمانہ حال کے ترجمے جو اُس کے بعد ہوئے ہیں۔ زیادہ صاف اور بامحاورہ اور فصیح ہیں۔ بنگالی اور گجراتی میں بھی گلستان کے ترجمے ہوئے ہیں۔ مگر اُن کا مفصل حال معلوم نہیں ہے۔ بھاشا میں اول شمال مغربی اضلاع میں گلستاں کے آٹھویں باب کا ترجمہ کیا گیا تھا۔ جس کی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اشاعت کو تقریباً تیس برس گذرے ہونگے - اس ترجمہ کا نام مترجم نے پشپ پاٹکا - (یعنی باغ کی ایک کیاری) رکھا ہے - اس کے بعد ہمارے دوست پنڈت تھرچند داس مہاجن اگروال جینی مذہب متوطن قصبۂ سونی پت ضلع دہلی نے حال ہی میں ساری گلستاں کا ترجمہ نظم کا نظم میں اور نثر کا نثر میں نہایت کوشش سے کیا ہے - جو ١٨٨٨ء میں چھپ کر شائع ہو گیا ہے - اس ترجمہ کا نام پشپ بن رکھا ہے - جو کہ لفظ گلستاں کا مرادف ہے - پنڈت صاحب نے پند نامہ شیخ یعنی کریما کا بھی بھاشا ترجمہ چوپائی وزن کی نظم میں لکھا ہے جس کا نام سیکشا پنتری ہے -

ترجموں کے علاوہ گلستان بلکہ بوستان کی بھی بہت شرحیں اور فرہنگیں لکھی گئیں ہیں - جن میں سے خان آرزو کی خیابان گلستاں اور ٹیک چند کی بہار بوستاں زیادہ مشہور ہیں - علے الخصوص گلستاں کی قدر و منزلت ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں نے اپنی اپنی سمجھ اور اپنے اپنے خیالات کے موافق کی ہے - جس طرح اہل علم نے مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے کئے ہیں - اور شرحیں وغیرہ لکھی ہیں - یا اہل تعلیم نے فارسی تعلیم کی بنیاد اس پر رکھی ہے - یا منشیوں نے اس کے فقرات و ابیات سے اپنے منشآت کو زینت دی ہے - اسی طرح امراء نے اسکے نسخے نہایت خوشخط لکھوا لکھوا کر ان کو مطلے اور مذہب کرایا ہے - یہاں تک کہ ہمارے ملک کے رئیسوں نے بھی جو درس و کتاب سے کچھ سروکار نہیں رکھتے - اس کی حد سے زیادہ قدر کی ہے - بعضوں نے ایک ایک نسخہ کی تیاری اور تزئین میں لاکھ لاکھ روپیہ کے قریب صرف کیا ہے - اگرچہ ان کتابوں کو کتاب کی اصلی عظمت اور خوبی سے کچھ تعلق نہیں ہے لیکن گلستان کی عام قبولیت پر اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے - کہ ہندوستان کے رئیس اسکو اس قدر عزیز رکھیں - گویا اپنے گانے پر کبھی ایسا فخر نہیں کرتا - جیسا کہ اس وقت کرتا ہے - کہ ایک ناڑیوں کی مجلس میں جا پھنسے اور ان کو محظوظ کر کے اٹھے -

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گلستان کے ابواب کی عمدہ ترتیب۔ اُس کے فقروں کی برجستگی۔ اُس کے الفاظ کی شستگی۔ اُس کے استعارات کی جزالت۔ اُس کی تمثیلات و تشبیہات کی طرفگی اور پھر باوجود ان تمام باتوں کے عبارت میں نہایت سادگی اور صفائی اِس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ شیخ نے اپنی عمرِ عزیز کا ایک معتدبہ حصہ اس کی تصنیف میں صرف کیا تھا۔ اور اس کی تنقیح و تہذیب میں اپنے فکر اور سلیقہ سے پورا پورا کام لیا تھا۔ چنانچہ دیباچۂ گلستان کے اخیر میں اُس نے صاف کہا ہے۔ کہ "برخے از عمرِ گرانمایہ بروخرج کردیم"۔ مگر دیباچہ ہی کی ایک اور عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے۔ کہ جس فصلِ بہار کے آغاز میں اُس کا لکھنا شروع ہوا تھا۔ وہ ابھی ختم نہ ہونے پائی تھی۔ کہ کتاب تمام ہوگئی۔ اور اکثر لوگوں کا یہی خیال ہے۔ کہ شیخ نے گلستان چند مہینے سے زیادہ میں نہیں لکھی۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ جو لوگ تصنیف کے دردسے آگاہ ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ کلام میں لذت اور قبولیت پیدا نہیں ہوسکتی جب تک کہ اُس کے ایک ایک لفظ میں مصنف کے خونِ جگر کی چاشنی نہ ہو۔ اور جس قدر اُس میں زیادہ صفائی اور گھلاوٹ پائی جائے۔ اُسی قدر سمجھنا چاہیئے۔ کہ اُسکی درستی اور کانٹ چھانٹ میں زیادہ دیر لگی ہوگی۔

یورپ میں اکثر نامی مصنفوں کے مسودے بہم پہنچا کر نہایت احتیاط اور حفاظت سے رکھتے گئے ہیں۔ چنانچہ اٹلی کے شمالی حصہ میں جو فرارا ایک بستی ہے۔ وہاں مشہور مصنف اپرلسیٹو کے مسودے اب تک موجود ہیں۔ اِس مصنف کا کلام صفائی اور سادگی اور بے تکلفی میں مشہور ہے۔ مگر اس کے مسودے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو فقرے لوگوں کو نہایت پسند آتے ہیں۔ اور حد سے زیادہ صاف ہیں۔ وہ آٹھ آٹھ دفعہ کاٹے گئے ہیں۔ لارڈ مکالے جو انگلستان کا نہایت مشہور اور مقبول مصنف ہے۔ اُس کا ایک مسودہ لنڈن میں میوزیم میں رکھا ہے۔ اُس میں بھی جابجا کاٹ چھانٹ اور حک و اصلاح پائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض فقرے دس دس دفعہ کاٹے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گئے ہیں. ظاہراً شیخ نے جو گلستان کے دیباچہ میں فصلِ بہار کا ذکر کیا ہے. اُس کا مطلب یہ ہے. کہ گلستان کے لئے جو سرمایہ اُس نے سال ہا سال سے جمع کیا تھا. وہ پہلے سے اُس کے پاس نامرتب موجود تھا. جب وطن میں پہنچا تو دوستوں کی تحریک سے اُس کو مرتب کر دیا. یہ ترتیب فصلِ بہار کے آغاز سے شروع ہوئی اور اُس کے تمام ہونے سے پہلے ختم ہو گئی. گلستاں اور نیز بوستاں کی ترتیب جس سلیقہ سے شیخ نے کی ہے. اِس سے ثابت ہوتا ہے. کہ اِس کو اِس کام میں بہت وقت اٹھانی پڑی ہوگی. جس نے اِن کتابوں میں زیادہ تر واقعات لکھے ہیں. جو خود اُس پر گذرے ہیں. یا اُس کے سامنے پیش آئے ہیں. اور ہر ایک بات کی تکمیل کے لئے کسی قدر حکایتیں ایسی بھی لکھی ہیں. جو کسی سے سُنیں یا کتابوں میں پڑھیں. اِس تمام مجموعہ کو گلستاں میں آٹھ باب پر اور بوستان میں دس باب پر تقسیم کیا ہے. اور ہر ایک باب میں اُس کے مناسب حکائتیں درج کی ہیں. اور ظاہراً علمِ اخلاق کی کوئی فرع ایسی نہیں ہے جو بقدرِ ضرورت ان میں سے ہر ایک کتاب میں بیان نہ کی گئی ہو. یہ بات تقریباً ایسی ہی مشکل تھی. جیسے کوئی شخص سیر و سیاحت کے واقعات ایسی ترتیب سے لکھے کہ اس میں علمِ اخلاق کے ہر ایک باب کا مطلب اجمالاً یا تفصیلاً بقدرِ ضرورت آ جائے. اِس ترتیب کی قدر اُس وقت معلوم ہو سکتی ہے. کہ دونوں کتابوں کی اصل حکایتوں کو نامرتب کر کے گڈمڈ کر دیا جائے. اور ہر ایک حکایت سے جو نتیجے شیخ نے استخراج کئے ہیں. وہ اُن میں درج نہ کئے جائیں. اور تمام مجموعہ حکایات کو جُدا جُدا بابوں پر تقسیم کرایا جائے. اور پوچھا جائے. کہ وہ حکایت کونسے باب سے علاقہ رکھتی ہے اور یہ کون سے باب سے.

جس طرح ہر ملک میں لٹریچر کی ابتداء نظم سے ہوتی رہی ہے. اسی طرح ایران میں بھی اوّل شاعری کا ظہور ہوا تھا. اور دوسری صدی کے اخیر سے جب کہ اوّل ہی اوّل خواجہ عباس مروزی[1] نے ناموں کی مدح میں فارسی قصیدہ لکھا. کئی صدیوں

[1] مرو کا باشندہ +

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تک مقتضائے وقت کے موافق صرف شاعری کو ترقی ہوتی رہی۔ فارسی نثر لکھنا اگرچہ ایک مدت کے شروع ہوگیا لیکن شیخ کے زمانہ تک اُسکی کوئی عام شاہراہ مقرر نہیں ہوئی۔ اکثر سیدھی سادھی عبارت عام روزمرہ اور بول چال کے موافق لکھی جاتی تھی۔ یا اہلِ علم کسی قدر خواص کے روزمرہ میں تحریر کرتے تھے۔ چنانچہ حکیم ناصر خسرو کا سفرنامہ جو کہ پانچویں صدی میں لکھا گیا۔ اُس میں نہایت بے تکلف سے خواص کی معمولی بول چال میں حالات تحریر کیئے گئے ہیں۔ اور بعض ادیب اور فاضل جن پر عربیت غالب تھی۔ اُن کے قلم سے بغیر اور غور کے اکثر عربی لغات اور اشعار وغیرہ فارسی تحریروں میں تراوش کرتے تھے۔ مگر نثر میں شاعرانہ شوخی اور جادو پیدا کرنا اور اس کے فقروں میں ایک خاص قسم کے وزن اور تول کا لحاظ رکھنا جاری نہ ہوا تھا۔ خصوصاً کوئی اخلاقی کتاب عمدہ نثر میں شیخ کے زمانہ تک ایسی نہیں لکھی گئی تھی۔ جس میں اخلاق کا بیان واقعات نفس الامر کے ضمن میں کیا گیا ہو۔ ۵۵۱ھ ہجری میں قاضی حمید الدین ابوبکر نے مقامات بدیعی اور مقامات حریری کی طرز پر فارسی میں مقامات حمیدی لکھی ہے۔ نہایت تکلف اور تصنع پایا جاتا ہے۔ اُس کی بنیاد زیادہ تر صنائع لفظی پر رکھی ہے۔ اور تمام کتاب بدیعی اور حریری کی طرح مقفیٰ اور مسجع لکھی ہے۔ اور جس طرح ان دونوں کتابوں میں فرضی قصے وضع کیئے گئے ہیں۔ اسی طرح اُس میں بھی محض خیالی افسانے لکھتے ہیں جن میں گھٹانے بڑھانے اور ہر قسم کے تصرف کرنے کا اختیار مصنف کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے کوئی خیال اس کے سوا دل میں پیدا نہیں ہوتا۔ کہ مصنف کو عربی لغات پر بہت عبور تھا۔ اور تجنیس و ترصیع اور دیگر صنائع لفظی کے برتنے پر کافی قدرت رکھتا تھا۔

ایک اور کتاب موسوم بہ قابوس نامہ پانچویں صدی ہجری کی تصنیف ہماری نظر سے گذری ہے۔ جس کا مصنف قابوس بن سکندر ملقب بہ عنصر المعالی ہے یہ تمام

ے یہ شخص دیالمہ آل زیاد میں سے ایک بادشاہ ہے جس نے جرجان اور گیلان وغیرہ میں اکیس برس حکمرانی کی ہے اور ۴۶۲ھ میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کتاب اخلاق اور آداب معاشرت میں لکھی گئی ہے۔ اس کا بیان بہت صاف اور سادہ ہے۔ اور مضامین عمدہ ہیں۔ لیکن اس کے سوا کوئی ندرت یا دلفریبی اُسکی عبارت میں نہیں پائی جاتی +

غرضیکہ شیخ نے آنکھ کھولکر نثر کا کوئی ایسا عمدہ نمونہ نہیں دیکھا تھا۔ جس کی نسبت یہ گمان کیا جائے کہ گلستان کی بنیاد اُس پر رکھی گئی ہوگی۔ حق یہ ہے۔ کہ وہ خود ہی اس روش کا موجد تھا۔ اور اُسی پر اُس کا خاتمہ ہو گیا +

اُس نے اپنی دونوں بےنظیر کتابوں میں برخلاف ایرانی نثاروں کے اپنی بلند پروازی اور نازک خیالی ظاہر کرنی یا تفلسف اور تبحر علمی جتانا۔ یا عقل و عادت کے خلاف باتیں لکھکر لوگوں کا دل لبھانا۔ اور عجائبات کا طلسم باندھ کر خلقت کو حیرت میں ڈالنا نہیں چاہا۔ اُس نے دونوں کتابوں میں باستثناء چند حکایتوں کے کوئی واقعہ ایسا نہیں لکھا۔ جو عقل یا عادت کے خلاف ہو۔ یا جس کو سُن کر کچھ زیادہ تعجب ہو۔ وہ اکثر اپنی آنکھ کی دیکھی یا کان سے سُنی یا کسی کتاب سے انتخاب کی ہوئی ایسی سیدھی سادی معمولی باتیں لکھتا ہے۔ جو صبح سے شام تک ہر انسان پر گذرتی ہیں۔ عام حکایتیں جو ان کتابوں میں درج ہیں۔ وہ اس قبیل کی ہیں۔ کہ مثلاً ایک بدمعاش سائل نے اپنے کو قرضدار ظاہر کر کے ایک بزرگ سے دو دینار حاصل کئے۔ لوگوں نے کہا یہ تو مکار تھا۔ اس کو کچھ دینا نہ چاہئے تھا۔ فرمایا اگر مکار تھا۔ تو میں اُس کے شر سے بچا۔ ورنہ وہ اوروں کے شر سے بچا +

یا یہ کہ ایک بادشاہ زادہ کے تاج کا لعل اندھیری رات میں ایک پتھریلی جگہ پر گر پڑا۔ بادشاہ نے بیٹے سے کہا کہ پتھریوں میں سے لعل پانا چاہتا ہے۔ تو پتھری کو لعل سمجھ کر غور سے دیکھ۔

یا یہ کہ میں چند درویشوں کے ساتھ روم میں پہنچا۔ اور ہم سب ایک ذی مقدور شیخ کے ہاں اُترے۔ اُس نے ہماری ہر طرح سے خاطر کی۔ رنگا رنگ کھانے کو کچھ نہ ...

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ان سیدھی سادی حکایتوں کو وہ ایسے لطیف اسلوب سے بیان کرتا ہے اور ان سے ایسے پاکیزہ نتیجے استخراج کرتا ہے کہ ایک نہایت بے حقیقت بات حقیقت میں ایک نکتہ یا ایک دلچسپ قصہ معلوم ہوتا ہے۔

گلستاں اور بوستاں کو پڑھ کر دو باتوں میں سے ایک بات کا ضرور اقرار کرنا پڑتا ہے۔ یا تو یہ کہ انتخاب کرنے میں شیخ کا مذاق ایسا صحیح تھا۔ کہ جو حکایت وہ ان کتابوں میں درج کرنی چاہتا تھا۔ اس میں کوئی نہ کوئی لطیف اور چبھتی ہوئی بات ضرور ہوتی تھی اور یا یہ کہ وہ اپنی خوش سلیقگی اور حسن بیان سے ایک مبتذل اور پیش پا افتادہ مضمون کو بھی اسی قدر دلآویز طور پر بیان کر سکتا تھا جیسے ایک نرالے اور اچھوتے خیال کو*

تعجب ہے کہ شیخ کی گلستاں جو آیندہ نسلوں کے لئے نثر فارسی کا ایک لاجواب نمونہ تھی۔ ایران میں اس کے تتبع کا کسی نے خیال نہیں کیا۔ یا یوں کہئے کہ کسی سے اسکا تتبع نہیں ہو سکا۔ اگرچہ شیخ کے بعد نثر فارسی کی ترقی یا وسعت انتہا کے درجہ کو پہنچ گئی۔ اور نثر لکھنے پر ایسے ایسے جلیل القدر فاضلوں نے کمر باندھی جن کا علم و فضل شیخ سے بمراتب فائق تر تھا۔ مگر سب کی ہمت زیادہ تر الفاظ اور صنائع لفظی پر مقصور رہی*

ایران میں سب سے بڑا انشا پرداز فضل اللہ بن عبداللہ شیرازی سمجھا جاتا ہے۔ جو شیخ کے اخیر زمانہ میں ہوا ہے۔ اس کی مشہور کتاب تاریخ وصاف سے بیشک اس کا کمال علمی اور عربی و فارسی دونوں زبانوں کی نظم و نثر پر بڑی قدرت معلوم ہوتی ہے لیکن ساری کتاب میں شاید ہی کوئی فقرا ایسا نکلے جو متوسط درجہ کی استعداد کا آدمی ڈکشنری کھولے بغیر سمجھ سکے۔ یا جس کا انداز بیان دل میں جا کر چبھے ۔۷۱۲ ہجری میں جب کہ سلطان محمد اولجاتو خاں خدابندہ کے حکم سے آذربیجان میں شہر سلطانیہ بنکر تیار ہو چکا اور اس خوشی میں سلطان کی طرف سے تمام شہر کی دعوت کی گئی۔ اس تقریب میں فضل اللہ بھی موجود تھا۔ اور اسی زمانہ میں اس نے تاریخ وصاف

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ختم کی تھی۔ اس کتاب کی تقریب اور تعریف سلطان کے حضور میں کی گئی سلطان نے اس میں سے کچھ متفرق فقرے پڑھنے کا حکم دیا۔ اسوقت دربار میں وزیر رشید الدین اور قاضی القضاۃ نظام الدین عبد الملک اور خواجہ اصیل الدین طوسی اور بڑے بڑے عالم اور فاضل موجود تھے۔ فضل اللہ نے چند دعائیہ فقرے کہ اُن سے زیادہ سلیس اور آسان عبارت شاید تمام کتاب میں نہ ہوگی۔ خاص سلطان کو سنانے کو لکھے تھے وہ پڑھنے شروع کئے سلطان ہر فقرہ کے معنی رشید الدین وغیرہ ہم سے پوچھتا تھا۔ یہ لوگ اس کی شرح بہت بسط کے ساتھ کرتے تھے۔ تب سلطان کی سمجھ میں کچھ آتا تھا۔ یا شرماکے کچھ ہاں ہوں کر دیتا تھا۔ یہ حال تاریخ وصاف کی عبارت کا ہے۔ اس کے بعد بھی زیادہ تر نثر لکھنے والوں نے اسی بات میں کوشش کی ہے کہ ان کی نثر کے سمجھنے میں ناظرین کو طرح طرح کی دقتیں پیش آئیں۔ اور ان کے علم وفضل اور ہمہ دانی کا اعتقاد دلوں میں پیدا ہو۔ مگر یہ ارادہ بہت کم کیا گیا ہے۔ کہ مفید خیالات زود فہم الفاظ اور دلاویز عبارت میں ادا کئے جائیں۔

تین کتابیں میری نظر سے گذری ہیں جو شیخ کے بعد گلستاں کی طرز پر لکھی گئی ہیں ایک مولانا عبد الرحمٰن جامی کی بہارستان۔ دوسری مجد الدین[۱] خوانی کی خارستان تیسری حبیب[۲] قاآنی شیرازی کی پریشان۔ سوا اوں ہم بہارستان کا ذکر کرتے ہیں۔ اگرچہ خارستان کو عبارت کی خوبی اور جزالت کے لحاظ سے بہارستان کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ہے۔ بلکہ اگرچہ میری رائے غلط نہ ہو۔ تو خارستان کا طریقہ تحریر اکثر جگہ اہل زبان کی روش سے بیگانہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب دونوں کو گلستاں کے مقابلہ میں لایا جاتا ہے تو جس طرح آفتاب کے سامنے چاند اور شمع دونوں کی روشنی کا نور

---

[۱] یہ شخص اکبر کے عہد میں خراسان سے آیا تھا خواف خراسان میں ایک مشہور بستی ہے کہتے ہیں خارستان اس نے اکبر کے حکم سے لکھی تھی ۱۲ [۲] یہ شخص زمانہ حال کا ایک نہایت مسلم اور مقبول شاعر ہے جسکو اہل ایران خاتم الشعراء سمجھتے ہیں ۱۲۷۰ھ میں اس نے وفات پائی۔ ۱۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہو جاتی ہے اسی طرح بہارستان اور خارستان دونوں کا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے اور ایک دوسرے سے بہتر کہنے کی کوئی وجہ نہیں رہتی۔ حکایتیں اور روایتیں جو ان کتابوں میں درج کی گئی ہیں وہ فی الحقیقت گلستان کی حکایتوں سے بہت ملتی جُلتی ہیں اور زیادہ تر مجد الدین خوافی نے اپنی کتاب کے ابواب بھی اسی طریقہ پر مرتب کئے ہیں مگر شیخ کے حُسن بیان اور لطفِ ادا سے گلستان نے ایک خاص صورت پیدا کی ہے۔ جس کے سبب سے وہ بالکل انوکھی اور نرالی چیز معلوم ہوتی ہے ہر چند اس قسم کی ہمشکل اور ہم جنس کتابوں میں پورا پورا فرق اور امتیاز کرنا بغیر وجدان صحیح اور ذوق سلیم کے ممکن نہیں ہے۔ لیکن چند متحد المفہوم فقروں کے مقابلہ کرنے سے کسی نہ کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے کہ کونسا اسلوب بیان زیادہ صاف اور پاکیزہ و دلاویز ہے۔ اور کونسا کم۔ اسلئے چند ایک ایسی مثالیں جو نہایت دقت اور جستجو سے ہم پہنچی ہیں۔ اس مقام پر نقل کی جاتی ہیں۔

گلستان اور بہارستان کا مقابلہ

گلستان اسکندر را پرسیدند کہ دیار مشرق و مغرب را بچہ گرفتی کہ ملوک پیشین را خزائن و عمر و ملک و لشکر بیش از تو بوده چنیں فتحے میسّر نشد۔ گفت بعونِ خدائ عز و جل ہر مملکتے را کہ گرفتم رعیّتش را نیازردم و رسوم خیرات گذشتگاں باطل نکردم و نام بادشاں جز بہ نکوئی نہ بُردم

بیت

بزرگش نخوانند اہل خرد
کہ نام بزرگاں بزشتی بَرَد

بہارستان اسکندر را گفتند بچہ سبب یافتی آنچہ یافتی از دولت و سلطنت و مملکت باوصف حداثت عہد۔ گفت باستمالت دشمناں تا از غائلہ دشمنی زمام تافتند۔ و از تعاہد دوستان تا در قاعدۂ دوستی استحکام یافتند

بیت

بایدت ملک سکندر چوں وے از حسن سیر
دشمناں را دوست گرداں دوستاں را دوست تر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

قطعہ

اینہمہ ہیچ ست چوں مے بگذرد
بخت و تخت وامر و نہی و گیرودار
نام نیک رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نام نیکت یادگار

اِن دونوں عبارتوں میں باعتبار فصاحت و بلاغت کے جو فرق ہے اس کا فیصلہ زیادہ تر ذوق صحیح پر منحصر ہے۔ مگر جسقدر قید بیان میں آسکتا ہے وہ لکھا جاتا ہے۔ لیکن اس سے محض گلستاں کی فوقیت جتانی مقصود ہے نہ کہ بہارستان کی تنقیص کرنی۔

اوّل۔" اسکندررا پرسیدند" اور اسکندررا گفتند" میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ سوال کے موقعہ پر پرسیدن بہ نسبت گفتن کے زیادہ مناسب ہے

دوسرے شیخ کے ہاں خزائن و عمر و ملک و لشکر چار لفظ ایک دوسرے پر معطوف ہیں اور کوئی لفظ حشو و بیکار نہیں ہے۔ اور مولانا کے ہاں دولت سے اگر سلطنت مراد ہے۔ تو سلطنت و مملکت دونوں ورنہ صرف لفظ مملکت حشو ہے اور صغرسن کے بعد حداثت عہد بھی حشو ہے۔

تیسرے۔ شیخ کے ہاں بیان میں سوال کرنے کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ باوجود کمی لشکر و عمر و مال کے مشرق و مغرب کو فتح کرنا تعجب سے خالی نہ تھا۔ اور مولانا کے ہاں سوال کی ایسی وجہ ظاہر نہیں ہے کیونکہ تھوڑی سی عمر میں بہتیرے لوگوں نے دولت اور سلطنت حاصل کی ہے۔

چوتھے سکندر کا جواب جو شیخ نے نقل کیا ہے اس میں ہرگز اس سے زیادہ اختصار کی گنجائش نہ تھی۔ ورنہ سکندر کا جواب ناتمام رہتا۔ اور جو جواب مولانا نے نقل کیا ہے وہ ان لفظوں میں ادا ہو سکتا تھا" باستمالت دشمنان و تعاہد دوستان" اس سے زیادہ بیان کرنے کی ضرورت معلوم نہیں +

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پانچویں شیخ نے جو نتیجہ حکایت کے مضمون سے نکال کر اشعار میں بیان کیا ہے۔ وہ کئی وجہ سے مولانا کے نتیجہ کی نسبت زیادہ بلیغ ہے شیخ کا نتیجہ لازمی ہے۔ اور مولانا کا نتیجہ غیر لازمی۔ کیونکہ یہ ضرور نہیں ہے کہ جو شخص دشمنوں کو دوست اور دوستوں کو زیادہ دوست بنا لیگا اسکو ضرور سکندر کی سی سلطنت حاصل ہو جائیگی۔ اس کے سوا مولانا نے حقیقت میں کوئی نتیجہ نہیں نکالا۔ بلکہ حکایت کا خلاصہ ایک بیت میں دوبارہ بیان کر دیا ہے۔ اور شیخ نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ ایک اچھوتا مضمون ہے۔ کہ جب تک بیان نہ کیا جائے ہر شخص کا ذہن وہاں تک انتقال نہیں کر سکتا۔ نیز شیخ نے ایسا حاوی نتیجہ نکالا ہے۔ جو تمام مخلوق کو شامل ہے۔ کیونکہ سلف کی تعظیم اور ادب اور ان کے محاسن و کمالات کی قدر کرنی ہر شخص کے حق میں مثمر برکات ہے اور مولانا کا نتیجہ صرف سلاطین اولوالعزم کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ ملکِ سکندر کی خواہش ان کے سوا اور کسی کو نہیں ہوتی +

گلستان۔ رازے کہ نہاں خواہی باکس درمیان منہ اگرچہ دوست باشد کہ مر آن دوست را نیز دوستاں باشند وہمچنیں مسلسل۔ قطعہ

خامشی بہ کہ ضمیر دل خویش
باکسے گفتن و گفتن کہ مگوئے
اے سلیم آب ز سر چشمہ بہ بند
کہ پر شد نتواں بستن جوئے

بیت

سخنے در خلا نباید گفت
کاں سخن بر ملا نشاید گفت

بہارستان۔ اسرار نہاں خود را باہیچ دوستے درمیان منہ زیرا کہ بسیار بود کہ در دوستی خلل افتد و بدشمنی بدل گردد قطعہ

اے پسر سر کش از دشمن نہفتن لازم است
بہ کہ از افشائے آں با دوستے کم دم زنی
دیدہ ام بسیار کز سیر سپہر کج نہاد
دوستاں دشمن شوند و دوستیہا دشمنی

قطعہ

ہر سر سر بمہر کافتد بخاطرت
سرعت مکن بہ موج بیانش زنگ شتق

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ترسم شود غرامت اظہار آں ترا
مشکل تراز ندامت پوشیدہ داشتن

اس مثال میں بھی گلستان کا بیان بہارستاں کی نسبت چند وجوہ سے زیادہ بلیغ ہے :-

(۱) شیخ کہتا ہے "رازیکہ نہاں خواہی" یعنی جس بھید کو چھپانا منظور ہوا ُس کسی سے نہ کہو - اور مولانا کہتے ہیں "اسرار نہان خودرا" یعنی اپنے پوشیدہ بھید ذکو ظاہر نہ کرو - حالانکہ بعضے بھید کیسے ہی پوشیدہ ہوں ایک مدت کے بعد کہنے کے لائق ہوجاتے ہیں - مگر جنکا چھپانا منظور ہوتا ہے - وہ کبھی کہنے کے لائق نہیں ہوتے

(۲) شیخ کہتا ہے :- "باکس درمیان منہ اگرچہ دوست باشد" اور مولانا کہتے ہیں باہیچ دوستے درمیان منہ" پہلے بیان میں دوست اور غیر دوست سب سے راز کہنے کی ممانعت ہے مگر دوسرا بیان جب تک اس طرح نہ ہو "با دوست ہم درمیان منہ" تب تک اس میں تعمیم پیدا نہیں ہوتا۔

(۳) شیخ نے راز نہ کہنے کی وجہ یہ بیان کی ہے - کہ اس کے بھی دوست ہونگے اور اُن کے دوستوں کے بھی دوست ہوں گے اور یہ سلسلہ اسی طرح چلا جائیگا پس چھپے ہی چھپے راز جمہور میں پھیل جائیگا - مولانا نے یہ وجہ بیان کی ہے - کہ شاید دوستی میں خلل آجائے اور دوست دشمن ہو جائے - اگرچہ مطلب دونوں صحیح ہیں - لیکن پہلا زیادہ موجہ ہے - کیونکہ یقیناً کوئی شخص دوستوں سے خالی نہیں ہوتا اور دوستی میں فرق آجانا کبھی ہوتا ہے - کبھی نہیں ہوتا۔

(۴) شیخ کا قطعہ بلاغت میں مولانا کے قطعہ سے بمراتب افضل اور فائق تر ہے پہلی بیت میں اُس نے انسان کی ایک ایسی غامض اور دقیق خصلت کی طرف اشارہ کیا ہے - جو عام نظروں سے مخفی نہیں ہے - وہ کہتا ہے ؎

خامشی بہ کہ ضمیر دل خویش　　باکسے گفتن و گفتن کہ مگوے

یعنی کسی سے اپنا بھید کہہ کر اسکو افشائے راز سے منع کرنا کچھ مفید نہیں ہے - کیونکہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

انسان ممنوعات پر زیادہ حریص ہوتا ہے۔ اس لئے اب اسکو ضبط راز کرنا اور بھی مشکل ہوگا۔ پس اس سے خاموشی ہی بہتر ہے۔ دوسری بیت میں ایک نہایت لطیف اور واضح مثال سے مطلب کو خاطر خواہ دلنشین کیا ہے۔ مولانا کے قطعہ میں کوئی خوبی اس مضمون کے سوا نہیں ہے کہ جو راز دشمن سے چھپانا چاہیئے اُسے دوست سے چھپانا چاہیئے۔ مگر آں کے ساتھ لفظ افشاء زائد معلوم ہوتا ہے کیونکہ آزاں دم زنی کی جگہ از افشائے آں دم زنی کہا گیا ہے۔ اور قطعہ کا اخیر مصرعہ بھی حشو یا تکرار سے خالی نہیں ہے۔ دوستوں کا دشمن ہو جانا اور دوستی کا دشمنی ہو جانا فی الحقیقت ایک ہی بات ہے۔

(۵) قطعہ کے بعد شیخ نے ایک فرد لکھی ہے جو فی الواقعہ سہل وممتنع ہے یعنی

سخنے در خفا نباید گفت   کاں سخن بر ملا نشاید گفت

یہ دھوکا اکثر اشخاص کو ہو جاتا ہے کہ جب صحبت میں کوئی غیر جنس نہیں ہوتا۔ تو ناگفتنی باتیں کہنے لگتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ہم تخلیہ میں یہ گفتگو کر رہے ہیں اس سے اغیار مطلع نہیں ہو سکتے۔ حالانکہ وہ باتیں ضرور رفتہ رفتہ منتشر ہو جاتی ہیں اس سے مجرب اور سچے مضمون کو جو کسی قدر دقیق بھی تھا۔ ایسے صاف طور سے بیان کیا ہے کہ اس سے زیادہ بیان کی صفائی ممکن نہیں۔ پھر خلا اور ملا اور در اور بر کا مقابلہ اور صنعت ذو قافیتین اس کے علاوہ ہے۔ مولانا نے کوئی فرد نہیں لکھی۔ مگر ایک دوسرا قطعہ لکھا ہے۔ یعنی "ہر سرّ سر بمہر کہ افتد بخاطرت" الخ اس میں پہلے مصرعہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جو راز سربستہ تیرے خیال یا دل میں گذرے اور مطلب یہ ہے کہ جو بھید تیرے دل میں موجود یا مستور ہو پھر "بموج بیانش نگاشتن" کا لفظ "در اظہار آں" کی جگہ لایا گیا ہے جس میں نہایت تکلف ہے۔ پھر اخیر مصرعہ میں ندامت کا لفظ شاید بے محل ہے کیونکہ افشائے راز سے کبھی ندامت نہیں ہوتی۔ باوجود ان تمام باتوں کے دونوں مثالوں میں شیخ کے ہاں کوئی لفظ غریب یا غیر مانوس نہیں معلوم ہوتا۔ اور مولانا کے ہاں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اکثر الفاظ بمقابلہ گلستان کے الفاظ کے غریب معلوم ہوتے ہیں جیسے ملاثت عہد- غائلہ- تعاہد- بوبوج- بیانش- نگاشتق- غرامت ؛

گلستان اور خارستان کا مقابلہ

گلستان- حکیماں دیر دیر خورند و عابداں نیم سیر و زاہداں تاسد رمق و جواناں تا طبق برگیرند و پیراں تا عرق کنند- اما قلندراں چنداں خورند کہ در معدہ جائے نفس نماند و بر سفرہ روزیٔ کس ؛

بیت

اسیر بند شکم را دو شب نگیرد خواب
شبے ز معدہ سنگی شبے ز دلتنگی

خارستان- ہر کہ در گرسنگی طاقت نیارد باید کہ سہ یک شکم را از طعام پر کند و سہ یک دیگر از آب و سہ یک دیگر از برائے نفس زدن رہا کند اما صوفیان وقت ما میگویند کہ تو ہمہ شکم را از طعام پر کن آب خود چیز لطیف است خود را جائے میکند کہ لطیفاں را جائے کم نباشد و نفس را جائے گو مباش بیت

بشنو چہ گفت صوفی پردازی
چو سیر شدی چرا غم جاں داری

گلستان- عالم ناپرہیزگار کور مشعلہ دار است یھدی بہ وھو لا یھتدی

بیت

بیفائدہ ہر کہ عمر درباخت
چیزے نخرید و زر بینداخت

خارستان علم با عمل ہمچو طعام بانمک است ہر کرا ہر دو ہست حکمتے تمام دارد و طعام بے نمک را چہ تواں کرد-

عمل بے علم نا مضبوط باشد
ہمیشہ شرط با مشروط باشد

مذکورہ بالا مثالوں کو دیکھ کر غالباً ہر شخص جو فارسی زبان سے فی الجملہ آشنا ہے بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ خارستان کی عبارت گلستاں کے مقابلہ میں کسقدر کم درجہ اور بے وقعت ہے اسی لئے ہم اس تمام کو ناظرین کے مذاق پر چھوڑ دیتے ہیں ؛

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور زیادہ نکتہ چینی کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

پریشان کا مصنّف مرزا حبیب قاآنی کتاب مذکور کے خاتمہ کے اشعار میں تصریح کرتا ہے۔ کہ اُسکی عمر تیس برس سے بھی دو تین برس کم تھی جب یہ کتاب اُس نے لکھی ہے۔ اور شیخ نے گلستان کو سنِ کہولت اور اوائل سنّ شیخوخت میں مرتب کیا ہے۔ پس اگر قاآنی سے گلستان کا پورا پورا تتبّع نہ ہوسکا۔ تو کچھ تعجب نہیں۔ کیونکہ ایسی کتاب کا سرانجام کرنا جس کی بنا محض حکمت اور تجربت پر ہونی چاہیئے شیخ کے مقابلہ میں ایک نوجوان ناتجربہ کار کی طاقت سے باہر تھا۔ بلکہ اگر میری رائے غلط نہ ہو۔ تو بڑی عمر میں قاآنی سے گلستاں کا جواب اتنا بھی لکھا جانا مشکل تھا۔ کیونکہ اُس کی تمام عمر قصیدہ گوئی میں صرف ہوئی ہے۔ جس میں محض خیالی ڈھکوسلے باندھنے اور الفاظ تراشنے کے سوا حقیقت اور واقفیت سے کچھ غرض نہیں ہوتی۔ پس جسقدر قصیدہ گوئی میں اُس کو مشق و مہارت زیادہ بڑھتی جاتی تھی۔ اُسیقدر بیان حقائق اور واقعہ نگاری کا ملکہ اُس سے سلب ہوتا جاتا تھا۔

قاآنی نے بھی گلستاں کیطرح پریشان کی عبارت دلچسپ اور دلآویز کرنے میں بہت کوشش کی ہے۔ مگر سوا اس کے کہ تمام کتاب کو ہزل اور فحش سے بھر دیا۔ اور چند آزاد اور بیباک نوجوانوں کی ضیافتِ طبع کا سامان مہیّا کر دیا۔ اور کچھ اُس سے نہیں ہوسکا۔ خاتمہ کتاب کے سوا جس میں اُس نے ابنائے ملوک کے لئے پند بند کے کچھ نصیحتیں لکھی ہیں۔ تمام کتاب میں وہ حکایتوں کی بنیاد اکثر نہایت غلیظ فحش یا سخیف ہزل پر رکھتا ہے جس کے پڑھنے سے شرم آتی ہے اور طرہ یہ کہ پھر اُس سے نتائج عارفانہ اور متصوفانہ استخراج کرتا ہے۔ یہی سبب ہے۔ کہ پریشان کا خاتمہ جسمیں شوخی و ظرافت کا کچھ سامان نہیں ہے۔ باب ہشتم گلستان کے مقابلہ میں نہایت پھیکا اور بے مزہ معلوم ہوتا ہے۔ تمام خاتمہ میں شاذ و نادر کوئی مضمون ایسا ہوگا جسمیں کوئی ندرت پائی جائے۔ عبارت بیشک عمدہ ہے۔ مگر شیخ کی جادو بیانی کا کہیں نشان نہیں پایا جاتا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جو خاتمہ میں درج ہیں۔ وہ اس قبیل کی ہیں۔
پند۔ بادشاہ باید بہ سخن چنیاں اعتماد نکند۔ پند۔ بادشاہ باید دین را توقیر کند۔ و دشمنان دین را تحقیر فرماید۔ پند۔ بادشاہ باید از خدا غافل نماند تا خدائے از و غافل نباشد۔ پند۔ بادشاہاں را در نظام ممالک دست در افشاں بکار است و تیغ سر افشاں بیت

تا کہ بداں دوستاں شوند فراہم ۔۔۔ تا کہ بدیں دشمنان شوند پریشاں

اور اگر کہیں عبارت میں اس سے زیادہ حسن پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہاں حقیقت سے دُور جا پڑتا ہے۔ مثلاً پند۔ بادشاہ باید تواضع کند و تکبر نفرماید۔ کہ تواضع صفت اتقیاست و تکبر صفتِ اشقیا۔ و من گفتہ ام اہلِ تکبر را در نطفہ غش است چہ سرکشی صفتِ آتش است۔ و شیطان از آتش است۔ اہلِ تواضع را نطفہ پاک است چہ افتادگی صفتِ خاک است و آدم از خاک بود۔
اس پند کے پہلے حصہ میں ظاہر ہے کہ کوئی اچھوتا مضمون نہیں ہے اور دوسرے حصہ میں جو اس نے ندرت پیدا کرنی چاہی ہے۔ وہ محض ایک شاعرانہ خیال ہے۔ اور وہ بھی اچھی طرح بیان نہیں ہوسکا۔ اسی مضمون کو شیخ علیہ الرحمۃ نے بوستاں میں اس طرح بیان کیا ہے۔

زخاک آفریدت خداوندِ پاک ۔۔۔ پس اے بندہ اُفتادگی کن چو خاک
حریص و جہانسوز و سرکش مباش ۔۔۔ ز خاک آفریدت آتش مباش
چو گردن کشید آتشِ ہولناک ۔۔۔ بہ بیچارگی تن بینداخت خاک
چو آں سرفرازی نمود ایں کمی ۔۔۔ ازاں دیو کردند ازیں آدمی

البتہ جو عذر کہ قاآنی نے پریشان کے دیباچہ میں کیا ہے۔ اور گلستان کے مقابلہ میں کتاب لکھنے سے اپنا عذر ظاہر کیا ہے۔ اُس سے اُس کا نہایت انصاف اور گلستان کی قدر شناسی ہوتی ہے۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس نے احباب کے نہایت سخت جبر سے پریشان کے لکھنے پر قلم اُٹھایا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ روزے یکے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نہایت عزیز دوست نے اصرار کیا۔ کہ گلستان کی طرز پر نظم و نثر میں ایک کتاب لکھنی چاہیئے۔ میں نے کہا۔ بھائی توبہ کرو! میں! اور شیخ کی طرز پر کتاب لکھنے کا ارادہ کروں؟ مسیلمہ نے نبوّت کا دعویٰ کر کے کذّاب کے سوا اور کچھ خطاب نہیں پایا۔ میں نے مانا کہ جگنو رات کو چمکتا ہے۔ لیکن کیا وہ چاند کی برابری کر سکتا ہے۔ شیخ کی گلستاں ایک باغ ہے جس کے ہر پھول کی پتّی کے ہزاروں بہشت غلام ہیں۔ اور اہلِ معنی کی جان قیامت تک اُس کی حیات بخش خوشبو سے زندہ ہے۔ آخر جب اُس نے نہ مانا اور میرے انکار سے اُس کا اصرار بڑھتا گیا۔ تو مجبور کچھ نظم و نثر اور جدّ و ہزل ترتیب دیگئی۔ اور سمجھا گیا۔ کہ اگرچہ چڑیا پرواز میں شہباز کی برابری نہیں کر سکتی۔ لیکن اُس کو بھی چار و ناچار اُڑنا ہی پڑتا ہے۔

اب ہم چند ایسے فقرے گلستاں اور پریشان سے انتخاب کر کے لکھتے ہیں۔ جو متحدّ المضمون ہیں۔

گلستان اور پریشان کا مقابلہ

گلستان۔ اے فرزند دخلِ آب رواں است۔ و خرج آسیائے گرداں یعنی خرج فراواں کردن مسلّم کسے را است کہ دخلے معیّن دارد۔

قطعہ

چو دخلت نیست خرج آہستہ تر کُن
کہ میگویند ملّاحاں سرودے
اگر باراں بکوہستاں نبارد
بسالے دجلہ گردد خشک رودے

پریشان۔ دخل سرچشمہ است و مخارج جوئے چند کہ آب سرچشمہ در آنہا جاری است۔ و لاشک چوں سرچشمہ مسدود شود جوئہا خشک شود۔ پس ہر کس آب در جو جاری خواہد سرچشمہ را رعایت کند۔

ایضاً۔ خرج باندازۂ دخل باید کرد نہ آنکہ خرج معلوم باشد۔ و دخل موہوم۔ چہ ایں معنی لغایت نامعقول است کہ بار در پیش قدم۔ و بارگیر در حیزِ عدم باشد۔

قطعہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

الا اے آنکہ خرجت ہست موجود
بکارت مے نباید دخل معدوم
شنیدستی کسے از بہر جولاں
نشیند بر فرازِ اسپ موہوم

اس مثال میں گلستان سے صرف ایک عبارت اور پریشاں.... کے دو مختلف مقامات سے دو عبارتیں ایک ہی مضمون کی نقل کیگئی ہیں یگمر شیخ کا بیان قاآنی کی دونوں عبارتوں سے زیادہ بلیغ ہے لیکن جو فرق بہت باریک اور نازک ہیں ان کا بیان کرنا اول تو مشکل ہے ۔ دوسرے یہ اُمیّد نہیں۔ کہ ناظرین اُس کو غور سے دیکھینگے۔ اسی لئے صرف ایسے فرق بتائے جاتے ہیں۔ جو زیادہ روشن اور صاف ہیں۔ شیخ کے بیان میں مخاطب کو فرزند کیساتھ تعبیر کرنا عین مقتضائے مقام ہے ایک تو اظہار شفقت جو ناصح کے لئے ضرور ہے ۔ دوسرے یہ جتانا کہ نوجوان ہی اکثر اس نصیحت کے محتاج ہوتے ہیں۔ پھر دخل و خرچ کی تشبیہ آب رواں اور پن چکی کے ساتھ کیسی عمدہ تشبیہ ہے۔ کہ جسقدر زرائی ہے۔ اُسی قدر زحجی تلی بھی ہے۔ پن چکی بھی بدوں آب رواں کے نہیں چلتی۔ اور خرچ بھی بغیر آمدنی کے نہیں چلتی پن چکی بھی پانی کے بند ہو جانے پر کسی عارضی قوت سے نہیں چلائی جاتی ہے تو اس کی گردش عارضی اور بے ثبات ہوتی ہے۔ خرچ بھی جو بدوں آمدنی کے اندوختہ وغیرہ سے چلتا ہے۔ بے بنیاد اور ناپائدار ہوتا ہے۔ پھر اس تمام مطلب کہ جو کہ ہم نے تشبیہ کے معنی سمجھانے کے لئے لکھا ہے۔ شیخ نے اِن مختصر اور جامع لفظوں میں ادا کیا ہے۔ یعنی خرج فراواں کردن مُسلّم کسے راست کہ دخلے معیّن دارد۔ اس کے بعد قطعہ میں ایک نہایت بدیہی مثال ویکر بے بنیاد خرچ کا مآل ہر شخص کو آنکھوں سے مشاہدہ کرادیا ہے ۔ اور اس مقولہ کو ملاحوں کیطرف منسوب کر کے یہ بتایا ہے۔ کہ یہ ایسی بدیہی بات ہے ۔ کہ دجلے کے کنارے پر ہمیشہ ملاحی گیتوں میں گائی جاتی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

قاآنی نے آمدنی کو منبع سے اور اخراجات کو ندیوں سے تشبیہ دی ہے۔ تشبیہ یہ بھی عمدہ ہے۔ مگر شیخ کی اُس تمثیل سے ماخوذ ہے۔ جو اُس نے قطعہ میں بیان کی ہے لیکن چونکہ یہ تمثیل نہایت موٹی اور معمولی تھی۔ اس لیئے شیخ نے اُس کو ملاحوں کیطرف منسوب کیا ہے۔ اور قاآنی کو یہ بات نہیں سوجھی۔ پھر قاآنی کے بیان سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ سرچشمہ کے بند ہوتے ہی ندیاں خشک ہو جاتی ہیں۔ اور شیخ کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسی قدر مدّت کے بعد خشک ہوتی ہیں۔ اور فی الواقع ایسا ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ شیخ نے لکھا ہے۔ پھر شیخ نے منبع کے بند ہو جانے کو قدرتی اسباب یعنی امساک باراں کیطرف مستند کیا ہے۔ اور یہ کہا ہے "اگر باراں بکوہستاں نبارد"۔ اور قاآنی کہتا ہے۔ کہ جو شخص ندی جاری رکھنی چاہے۔ وہ سرچشمہ کی خبر رکھے۔ یعنی اُس کو بند نہ ہونے دے۔ حالانکہ یہ امر انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ پھر قاآنی نے تمثیل سے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ جو شخص ندی کا جاری رہنا چاہے وہ سرچشمہ کی خبر رکھے۔ اگرچہ مطلب اس سے بھی مفہوم ہو جاتا ہے۔ لیکن اس جگہ مقتضائے مقام کے موافق اُس کو یہ کہنا چاہیئے تھا۔ کہ جو شخص ہمیشہ اپنا خرچ جاری رکھنا چاہے۔ اس کو آمدنی پر نظر رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ تمثیل اسی مطلب کے سمجھانے کو دی گئی ہے۔ نہ اس بات کے سمجھانے کہ اگر ندی میں پانی جاری رہنا چاہو۔ تو سرچشمہ کی خبر رکھو۔ دوسری عبارت کو قاآنی نے اس جملہ سے شروع کیا ہے "خرج باندازۂ دخل باید کرد"۔ اس کے بعد وہ کہتا ہے۔ "نہ آنکہ خرج معلوم باشد و دخل موہوم"۔ یہ دوسرا جملہ اُس نے مقتضائے مقام کے موافق نہیں۔ بلکہ اپنی حالت کے موافق لکھا ہے۔ کیونکہ سُنا گیا ہے۔ کہ وہ اکثر جشن و عید وغیرہ کے موقعوں پر دخل موہوم یعنی قصائد کے صلہ کی توقع پر قرض لے کر خرچ کر لیا کرتا تھا۔ ورنہ مقتضائے مقام یہ ہونا چاہیئے تھا "نہ آنکہ دخل اندک باشد و خرج بسیار"، یا "دخل پنج باشد و خرج دہ"۔ یا اسی مضمون کا کوئی جملہ ہوتا۔ کیونکہ آمدنی کے موافق خرچ کرنے کا مفہوم مخالف یہی مضمون ہو سکتا ہے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

اس کے سوا وہ مضمون فی نفسہ صحیح بھی نہیں ہے۔ کیونکہ دخلِ موہوم کی اُمید پر خرچ کرنا خاص خاص صورتوں کے سوا کسی کے نزدیک مذموم نہیں ہے۔ تمام تاجر اور کاشتکار اور مدبرانِ ملک دخلِ موہوم ہی کے بھروسے پر لکھوکھا روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ پھر ایسے خرچ کو جو دخل موہوم کی اُمید پر کیا جائے۔ موہوم یا معدوم گھوڑے پر سوار ہونے سے کچھ مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔ معدوم گھوڑے پر بیشک کوئی نہیں ہو سکتا۔ لیکن دخلِ موہوم کی اُمید پر جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ ہزاروں آدمی خرچ کر سکتے اور کرتے ہیں۔

گلستان - خشم بیش از حد گرفتن وحشت آرد۔ و لطفِ بیوقت ہیبت برد۔ نہ چنداں درشتی کن کہ از تو سیر گردند۔ و نہ چنداں نرمی کہ بر تو دلیر۔

ابیات

درشتی و نرمی بہم در بہ است
چو رگ زن کہ جرّاح و مرہم نہ است
درشتی نگیرد خردمند پیش
نہ سستی کہ زائل کند قدرِ خویش

نظم

جوانے با پدر گفت اے خردمند
مرا تعلیم کن پیرانہ یک پند
بگفتا نیک مردی کن نہ چنداں
کہ گردد چیرہ گرگ تیز دنداں

پریشان - کسانیکہ ظرافت و شوخی بسیار کنند۔ بالنہایت رقیق القارب و سریع الخلق باشند سرداری و سالاری لشکر را نشاید چہ ایں صفت موجب جسارت لشکریاں شود و گاہ باشد کہ ہرچہ گوید بہ ظرافت و شوخی حمل کنند و نیز اندک مہربانی و وسعت خلق لازم است کہ لشکریاں را بیم خستن و بستن نباشد۔ و در غیبتکہ از بیم چشم و گوش حقوقِ نعمتِ پادشاہ فراموش کنند و در مخالفت ہمزبان شوند۔ و در وقتِ کار سستی کنند تا کار فاسد شود۔

مثنوی

کسے را کہ شد حکمراں بر سپاہ
دو خصلت ہمی داشت باید نگاہ
عتابے نہاں اندرو صد خطاب
خطابے نہاں اندرو صد عتاب

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بہر نوش او نیش ہا جاں گداز
بہر نیش او نوشہا دلنواز
بیک دست شمشیر زہر آب دار
بیک دست دریائے گوہر نثار

اس مثال میں گلستاں اور پریشاں کے مضمون میں کسی قدر فرق ہے۔ گلستاں میں کسی خاص گروہ کی تخصیص نہیں ہے۔ اور پریشاں میں لشکر کے افسروں اور سپہ سالاروں کی تخصیص ہے۔ اس لئے پورا پورا مقابلہ نہیں ہو سکتا لیکن چونکہ نفس مضمون متحد ہے۔ اس واسطے کچھ کچھ پہلو مقابلہ کے نکل سکتے ہیں شیخ کا بیان لفظاً معنےً قاآنی کے بیان سے بمراتب فایق تر ہے۔ اوّل تو شیخ کے فقروں میں ایک خاص قسم کا وزن اور تول ہے۔ جو قاآنی کے فقروں میں نہیں ہے۔ نثر میں ایسا تناسب بشرطیکہ معنی مقصود اور فصاحت و بلاغت میں کچھ فرق نہ آئے۔ پرلے درجہ کا کمال انشا پردازی اور اعلےٰ سے اعلےٰ رتبہ کی شاعری ہے۔ شیخ کے چاروں فقروں میں الفاظ متقابلہ ایسی خوبی سے واقع ہوئے ہیں کہ معنی مقصود کو اُن سے اور زیادہ رونق ہو گئی ہے۔ یعنی خشم اور لطف بیش از حد اور بیوقت وحشت اور ہیبت آرد اور ہبرد۔ درشتی اور نرمی کو جو متضاد کی حالت سے تمثیل دی ہے۔ وہ کیسی بلیغ ہے۔ اور کس قدر مختصر لفظوں میں ادا کیگئی ہے۔ اور دوسری بیت میں کتنا وسیع مضمون دو مصرعوں میں بیان کیا ہے۔ یعنی یہ کہ درشتی کو اپنا اشعار بنا لینا اور کبھی نرمی نہ برتنا جیسا کہ لفظ پیشہ گرفتن سے مستفاد ہوتا ہے۔ اچھا نہیں کیونکہ عقلمند ایسا نہیں کرتے اور بالکل نرمی ہی نرمی برتنا اور کبھی درشتی نہ کرنا جیسا کہ سُستی کے لفظ سے مفہوم ہوتا ہے۔ یہ بھی اچھا نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے انسان نظروں میں حقیر ہو جاتا ہے پھر دوسری نظم میں صرف اتنی سی بات کو کہ نیکی بے محل کرنی نہیں چاہیئے۔ کیسے عمدہ پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ خصوصاً چنداں کا قافیہ متناسب اور ہموزن لانے کے لئے کس مطلب کو کن لفظوں میں ادا کیا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہے۔ قاآنی کی نثر میں بمقابلہ شیخ کی نثر کے کوئی خوبی جو قابل ذکر ہو۔ نہیں پائی جاتی اور نظم میں بھی حقیقت اور معنی کی نسبت الفاظ کی چمک دمک زیادہ ہے۔ چونکہ دونوں عبارتوں میں فرق بیّن معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے پریشان کی عبارت میں زیادہ نکتہ چینی کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

اب ہم ان اضافی خوبیوں کا بیان چھوڑ کر گلستان کے ذاتی محاسن کی طرف پھر متوجّہ ہوتے ہیں۔ اس کتاب کی عمدہ خاصیتوں میں سے ایک یہ خاصیت بھی فارسی لٹریچر میں نہایت عجیب اور قابل لحاظ ہے۔ کہ فارسی اور اُردو کی تحریر و تقریر میں جسقدر گلستان کے جملے اور اشعار اور مصرعے ضرب المثل ہیں۔ اور کسی کتاب کے نہیں دیکھے گئے۔ ان میں سے کسی قدر یہاں نقل کئے جاتے ہیں:-

۱۔ ہر عیب کہ سلطاں بہ پسند د ہنر است

۲۔ ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت

۳۔ حاجت مشاطہ نیست روئے دلارام را

۴۔ ہر چہ بقامت کہتر بقیمت بہتر۔

۵۔ ہر کہ دست از جاں بشوید ہر چہ در دل دارد بگوید

۶۔ دہ درویش در گلیمے بخسپند۔ و دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند

۷۔ سر چشمہ شاید گرفتن بمیل چو پر شد نشاید گذشتن بپیل

۸۔ پرتو نیکاں نگیرد ہر کہ بنیادش بد است

۹۔ افعی راکشتن و بچہ امش را نگاہداشتن کار خردمنداں نیست۔

۱۰۔ پسر نوح بابداں بنشست خاندان نبوتش گم شد

۱۱۔ دشمن نتواں حقیر و بیچارہ شمرد۔

۱۲۔ عاقبت گرگ زادہ گرگ شود۔

۱۳۔ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

۱۴۔ توانگری بدل است نہ بمال۔ بزرگی بعقل است نہ بسال۔

۱۵۔ دشمن چہ کند چو مہربان باشد دوست۔

۱۶۔ حسود را چہ کنم کو ز خود برنج در است

۱۷۔ قدر عافیت کسے داند کہ بمصیبتے گرفتار آ

۱۸۔ آنانکہ غنی ترند محتاج ترند۔

۱۹۔ چو عضوے بدرد آورد روزگا دگر عضوہا را نماند قرار

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

۲۰- دامن از کجا آرم کہ جامہ ندارم

۲۱- گاہے بسلامے برنجند و گاہے
بدشنامے خلعت دہند ؛

۲۲- ہر کجا چشمہ بود شیریں
مردم و مرغ و مور گرد آیند

۲۳- راستی موجب رضائے خداست
کس ندیدم کہ گم شد از راہ راست

۲۴- آنرا کہ حساب پاک است
از محاسبہ چہ باک

۲۵- تو پاک باش برادر مدار از کس باک
زنند جامۂ ناپاک گازراں برسنگ

۲۶- تا تریاق از عراق آوردہ شود
مار گزیدہ مردہ شود

۲۷- بدریا گر منافع بیشمار ست
اگر خواہی سلامت بر کنار ست

۲۸- دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست
در پریشاں حالی و درماندگی

۲۹- در سیر و وزیر و سلطاں را
بے وسیلت مگرد پیرامن
سگ و درباں چو یافتند غریب
ایں گریباں گرفت وآں دامن

۳۰- خدای راست مسلم بزرگی و الطاف
کہ جرم بیند و ناں برقرار میدارد

۳۱- بنیاد ظلم اول در جہاں اندک بود
ہر کہ آمد برآں مزید کرد تا بدیں
غایت رسید ؛

۳۲- ہر کہ با فولاد بازو پنجہ کرد
ساعد سیمین خود را رنجہ کرد

۳۳- چو کردی با کلوخ انداز پیکار
سر خود را بنادانی شکستی
چو سنگ انداختی بر روئے دشمن
حذر کن کاندر آماجش نشستی

۳۴- کس نیاموخت علم تیر از من
کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

۳۵- در باب کنواں کہ نعمت ہست بدست
کایں دولت و ملک میرود دست بدست

۳۶- گر وزیر از خدا بترسیدے
ہمچناں کز ملک ملک بودے

۳۷- بر گردن او بماند و بر ما بگذشت

۳۸- اگر شہ روز را گوید شب است ایں
بباید گفت اینک ماہ و پرویں

۳۹- جہاندیدہ بسیار گوید دروغ

۴۰- چو کار بے فضول من برآید
مرا در وے سخن گفتن نشاید

۴۱- اگر روزی بدانش برفزودے
زناداں تنگ تر روزی نبودے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

۴۲- محتسب را درون خانہ چہ کار

۴۳- ہرکہ عیب دگراں پیش تو آورد و شمرد
بیگماں عیب تو پیش دگراں خواہد بُرد

۴۴- یار شاطرم - نہ بار خاطرم

۴۵- چو از قومے یکے بیدانشی کرد
نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

۴۶- من آنم کہ من دانم

۴۷- گہے بر طارم اعلےٰ نشینم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

۴۸- فہم سخن گر نکند مُستمع
قوتِ طبع از متکلم مجوی

۴۹- خانۂ دوستاں بروب
و در دشمناں مکوب

۵۰- درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

۵۱- نیک باشی و بدت گوید خلق
بہ کہ بد باشی و نیکت گویند

۵۲- اگر دنیا نباشد دردمندیم
وگر باشد بمہرش پائے بندیم

۵۳- درویش را ہر کجا کہ شب آمد - سرائے اوست

۵۴- پائے در زنجیر پیش دوستاں
بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں

۵۵- زن بد در سرائے مرد نکو
ہمدریں عالم است دوزخ او

۵۶- کوفتہ را نان تہی کوفتہ است

۵۷- باطل است آنچہ مدعی گوید

۵۸- او خویشتن گم است کرا رہبری کند

۵۹- مرد باید کہ گیرد اندر گوش
ور نوشتہ است پند بر دیوار

۶۰- خاک شو پیش از آنکہ خاک شوی

۶۱- اگر خاکی نباشد آدمی نیست

۶۲- ہمرہ اگر شتاب کند ہمرہ تو نیست

۶۳- خوئے بد در طبیعتے کہ نشست
نرود جز بوقتِ مرگ از دست

۶۴- حقّا کہ با عقوبتِ دوزخ برابر است
رفتن بپائے مروئی ہمسایہ در بہشت

۶۵- خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است
تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

۶۶- نہ چنداں بخور کز دہانت بر آید
نہ چندانکہ از ضعف جانت بر آید

۶۷- عطائے او بلقائے او بخشیدم

۶۸- ہرکہ نان از عمل خویش خورد
منّت حاتم طائی نبرد

۶۹- گربۂ مسکین اگر پر داشتے
تخم کُنجشک از جہان برداشتے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

۷۰- مور ہماں بہ کہ نباشد پرش

۷۱- گفت چشم تنگ دنیادار را
یا قناعت پُر کند یا خاک گور

۷۲- منعم بکوہ و دشت و بیاباں
غریب نیست ۔

۷۳- شاہد آنجا کہ رود عزّت و حرمت بیند
ور برانند بقہرش پدر و مادر خویش

۷۴- بہ از روئے زیبا است آواز خوش
کہ ایں حظّ نفس است و آں قُوتِ رُوح

۷۵- رزق ہرچند بیگماں برسد
شرط عقل است جستن از درہا

۷۶- بدوزد طمع دیدۂ ہوشمند

۷۷- مور چگاں را چو بود اتفاق
شیر ژیاں را بدرانند پوست

۷۸- صیاد نہ ہر بار شکارے ببرد
باشد کہ یکے روز پلنگش بدرد

۷۹- گاہ باشد کہ کودکے ناداں
بغلط بر ہدف زند تیرے ۔

۸۰- گردن بے طمع بلند بود ۔

۸۱ ایں شکم بے ہنر پیچ پیچ
صبر ندارد کہ بسازد بہ ہیچ

۸۲- یکے نقصان مایہ
دوم شماتت ہمسایہ ۔

۸۳ اگر از ہر دو جانب جاہلانند
اگر زنجیر باشد بگسلانند

۸۴- مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں

۸۵ بر اوج فلک چہ دانی چیست
چوں ندانی کہ در سرائے تو کیست ؟

۸۶- گر تو قرآں بدیں نمط خوانی
ببری رونق مسلمانی

۸۷- چشم بد اندیش کہ برکندہ باد
عیب نماید ہنرش در نظر

۸۸- نکوئی با بداں کردن چناں است
کہ بد کردن بجائے نیکمرداں

۸۹- سر ما نداری سر خویش گیر

۹۰- ناز بر آں کن کہ خریدار تست

۹۱- خطائے بزرگاں گرفتن خطا است

۹۲- چوں مخبّط شد اعتدال مزاج
نہ عزیمت اثر کند نہ علاج

۹۳- جواں را اگر تیرے در پہلو
نشیند بہ کہ پیرے ۔

۹۴- تو بجائے پدر چہ کردی خیر
تا ہماں چشم داری از پسرت

۹۵- اسپ تازی دوتگ رود بشتاب
اشتر آہستہ میرود شب و روز

۹۶- خر عیسیٰ اگر بمکہ برود چوں بیاید ہنوز خر باشد

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

۹۷- میراثِ پدر خواہی علم پدر آموز ؂

۹۸- اگر صد عیب دارد مرد درویش
رفیقانش یکے از صد ندانند
وگر یک ناپسند آید ز سلطاں
ز اقلیمے بہ اقلیمے رسانند

۹۹- ہر کہ در خردیش ادب نکنند
در بزرگی صلاح ازو برخاست

۱۰۰- ہر آں طفل کو جور آموزگار
نہ بیند جفا بیند از روزگار

۱۰۱- جور اُستاد بہ ز مہر پدر ؂

۱۰۲- چو دخلت نیست خرج آہستہ تر کن

۱۰۳- کریماں را بدست اندر درم نیست
خداوندانِ نعمت را کرم نیست

۱۰۴- پراگندہ روزی پراگندہ دل
خداوند روزی بحق مشتغل

۱۰۵- سگے را گر کلوخے بر سر آید
ز شادی بر جہد کایں استخواں ست
وگر نعشے دو کس بر دوش گیرند
لئیم الطبع پندارد کہ خوان است

۱۰۶- ہر جا کہ گل است خار است

۱۰۷- منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنم
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

۱۰۸- نہ محقق بود نہ دانشمند
چار پائے برو کتابے چند

۱۰۹- پیش دیوار آنچہ گوئی ہوش دار
تا نباشد در پسِ دیوار گوش ؂

۱۱۰- ہمہ کس را عقل خود بکمال
نماید و فرزند خود بجمال

۱۱۱- گر از بسیطِ زمیں عقل منعدم گردد
بخود گماں نبرد ہیچکس کہ نادانم

۱۱۲- کہ خبثِ نفس نگردد بسالہا
معدوم ؂

۱۱۳ درشتی و نرمی بہم در بہ است
چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است

۱۱۴- مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید ؂

۱۱۵- اندک اندک شود بہم بسیار ؂

۱۱۶ کہ بسیار خوار است بسیار خوار

۱۱۷- بر رسولاں بلاغ باشد و بس

۱۱۸- کہن جامہ خویش آراستن
بہ از جامہ عاریت خواستن

یہ تمام مقولے جو نقل کئے گئے ہیں۔ ان میں زیادہ تر ایسے ہیں جو تحریر اور تقریر دونوں میں استعمال کئے جاتے ہیں مگر تقریباً اسی قدر اور فقرے اور اشعار گلستاں میں بھی ایسے ہیں جو محض تحریروں میں برتے جاتے ہیں۔ وہ یہاں نقل نہیں کئے گئے۔ یہ امر قابل

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لحاظ سے کہ دنیا میں جہاں جہاں گلستاں اور بوستاں شائع ہوئی ہیں۔ وہاں زیادہ تر ان کا استعمال کم عمر اور بے استعداد لڑکوں کی تعلیم اور تعلّم پایا جاتا ہے۔ اور اسی لئے چھ سو برس سے شیخ کے دونوں کارنامے برابر بازیچۂ اطفال اور دست خوش کودکاں رہے ہیں ظاہر ہے کہ جس سنّ وسال کے لڑکوں کو یہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اُن کی استعداد اور سمجھ اس قابل نہیں ہوتی کہ شیخ کی فصاحت و بلاغت کا جو کہ اس نے ان کتابوں میں برتی ہے کچھ بھی اندازہ کرسکیں۔ لیکن چونکہ بچوں کا حافظہ عمدہ ہوتا ہے اس لئے کچھ کچھ فقرے یا اشعار ان کو یاد رہ جاتے ہیں۔ پس جس قدر گلستان اور بوستاں کے فقرے اور اشعار بول چال میں ضرب المثل ہوگئے ہیں اُن میں سے زیادہ تر وہ ہیں جو لوگوں کو بچپن سے نوک زبان ہوتے ہیں اور جن کے مضمون سے وہ باوجود صغرسن کے لذت یاب ہوچکے ہیں ورنہ اگر یہ کتابیں بھی شکسپیئر پلیئیز کی طرح انگلستان کے ہر طبقہ اور ہر گروہ کے مطالعہ میں رہتیں۔ اور عورت مرد بوڑھے اور جوان سب لوگ ان کو دیکھا کرتے تو میں امید کرتا ہوں کہ گلستاں کا ایک بڑا حصّہ اور اس سے کسی قدر کم بوستاں کے اشعار جمہور کی زبان پر اسی طرح جاری ہوتے جیسے مذکورہ بالا فقرے اور اشعار زبان زد خاص وعام ہیں کیونکہ ان دونوں کتابوں میں شیخ کا بیان اسقدر عام طبائع کے مناسب اور ہر فرقہ اور گروہ کی ضرورت اور مذاق اور اغراض کے موافق واقع ہوا ہے کہ ہر فقرہ اور ہر شعر میں ضرب المثل ہونے کی قابلیت پائی جاتی ہے۔ ہمیشہ وہ اقوال ضرب المثل بنتے ہیں جن کا مضمون عام لوگوں کے حسب حال ہو۔ الفاظ سیدھے اور صاف ہوں اور انداز بیان میں کسی قدر لطافت پائی جائے۔ سو یہ خاصیت شیخ کے کلام میں عموماً اور گلستاں بوستاں میں خصوصاً پائی جاتی ہے۔

یہاں ہم گلستاں کے متعلق بحث ملتوی کرکے کسی قدر بوستاں کا حال لکھتے ہیں۔ یہ کتاب بھی اسی قدر مقبول ہوئی ہے۔ جسقدر گلستاں۔ اور اس کی تعلیم بھی اکثر ملکوں میں اسی طرح جاری ہے جیسے گلستاں کی۔ مثنوی فردوسی کو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

عموماً تمام شعرا پر ترجیح دی گئی ہے - اور حقیقت میں رزم کا بیان باوجود نہایت سادگی اور صفائی کے جیسا موثر اور پُر جوش اس کے قلم سے تراوش کرتا ہے اور کسی سے بن نہیں آیا - لیکن مثنوی میں مطلقاً فردوسی کو سب سے افضل قرار دینا ٹھیک نہیں ہے ہمارے نزدیک جس طرح طعن و ضرب اور جنگ و حرب کا بیان فردوسی پر ختم ہے - اُسی طرح اخلاق نصیحت و پند - عشق و جوانی ظرافت و مزاح - زہد و ریا - وغیرہ کا بیان شیخ پر ختم ہے - شاہنامہ میں جہاں کہیں فردوسی کو بہادری اور رزم کے سوا کوئی اور بیان کرنا پڑتا ہے - وہاں اس کے کلام میں وہ خوبی اور لطافت نہیں پائی جاتی یہی سبب ہے کہ اسکی عشقیہ مثنوی یوسف و زلیخا اسقدر مقبول نہیں جسقدر شاہنامہ مقبول ہُوا ہے - شیخ نے بوستاں میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے میرے کلام کی بہت سی تعریف کرنے کے بعد مجھ پر یہ اعتراض کیا کہ اسکو بہادری اور رزم کا بیان کرنا ویسا نہیں آتا - جیسا کہ اور لوگوں کو آتا ہے - یہ قصہ نقل کرکے شیخ صاحب فرماتے ہیں - کہ ہم کو لڑائی کا خیال ہی نہیں ہے - ورنہ ہم کسی بیان سے عاجز نہیں ہیں ممکن ہے کہ میں اپنی تیغ زبان کو میان سے نکال کر تمام دفتر شعر و سخن پر قلم پھیر دوں" اس کے بعد ایک حکایت شاطر صفاہانی کی جنگ تاتار میں لکھی ہے جس سے اپنا رزمیہ بیان دکھانا مقصود ہے اگرچہ شیخ کی شیریں زبانی اور فصاحت کا انکار نہیں ہو سکتا لیکن شاہنامہ کی نظم کے سامنے اس کا رنگ جمنا مشکل معلوم ہوتا ہے -

اصل یہ ہے کہ تمام محسوسات اور وجدانیات کے مرغوب و نامرغوب ہونے میں اُلفت و عادت کو بڑا دخل ہے - مرچ جسقدر عام ہندوستانیوں کو عادت مستمرہ کی وجہ سے مرغوب ہے - اسی قدر اکثر غیر ملک والوں کو خلاف عادت ہونے کے سبب نامرغوب ہے - اکثر عطر ہم کو خوشگوار اور غیر ملک والوں کو سخت ناگوار معلوم ہوتے ہیں - اسی طرح لطف شعر جو کہ ایک وجدانی امر ہے بغیر الفت و عادت کے ہرگز محسوس نہیں ہوتا - مثلاً انیس و دبیر کے مرثیئے جس پیرایہ اور لباس میں مقبول ہوئے ہیں وہ پیرایہ اس قدر مانوس ہو گیا ہے - کہ اس کے بغیر مرثیہ مقبول ہونا مشکل

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہے یعنی ضرور ہے کہ کچھ بند تلوار کی اور کچھ گھوڑے کی تعریف میں لکھے جائیں کچھ بند ایسے بھی ہوں جن سے خود مرثیہ گو کی نوفیت اوروں پر ظاہر ہو۔ یہ بھی ضرور ہے کہ مرثیہ مسدس میں لکھا جائے۔ اور مسدس انہیں بحروں میں سے کسی بحر میں ہو۔ جو انیس اور دبیر نے اختیار کی ہیں۔ پس جن خصوصیتوں کے ساتھ شاہنامہ مقبول ہوا ہے۔ اُن کے بغیر کسی کی رزمیہ نظم مقبول نہیں ہو سکتی۔ ضرور ہے کہ خالص فارسی میں جو عربی الفاظ سے پاک ہو رزم لکھی جائے اور بیشمار الفاظ جن میں فردوسی نے تصرف کیا ہے۔ اور قیاس لغوی کے خلاف استعمال کئے ہیں کبھی کبھی قصداً اسی طرح برتے جائیں جیسے شاہنامہ میں برتے گئے ہیں اور بے انتہا حشو و زوائد جن سے شاہنامہ بھرا ہُوا ہے۔ اشعار میں بہ تکلف داخل کئے جائیں۔ پس شیخ کی رزمیہ حکایت جو شاہنامہ سے میل نہیں کھاتی۔ اس کا یہی سبب ہے کہ شیخ نے ان باتوں سے کسی بات کا التزام نہیں کیا۔ فردوسی نے بھی یہی گُر اختیار کیا تھا۔ جب سے اُس کی مثنوی مقبول ہوئی۔ دقیقی نے جو فردوسی سے پہلے ہزار بیتوں میں گشتاسپ اور ارجاسپ کی داستان نظم کی تھی وہ سب کو پسند آچکی تھی۔ جب دقیقی وہ داستان لکھکر دفعۃً مر گیا۔ اور فردوسی کی نوبت آئی۔ تو اس نے بھی وہی روش اختیار کی جو دقیقی نے اختیار کی تھی۔ چنانچہ دقیقی کی لکھی ہوئی داستان عام شاہناموں میں موجود ہے۔ دونوں کے کلام میں کوئی نمایاں فرق نہیں معلوم ہوتا۔ یہاں تک کہ لوگ اس حال سے واقف نہیں ہیں۔ وہ اسکو بھی فردوسی ہی کا کلام سمجھتے ہیں۔

فارسی میں چار مثنویاں ہیں۔ جو شہرت اور قبولیت میں تقریباً متساوی الاقدام ہیں شاہنامہ۔ سکندر نامہ۔ مثنوی معنوی اور بوستاں۔ شاہنامہ اور مثنوی معنوی کو سکندر نامہ اور بوستاں سے وہ نسبت ہے۔ جو ایک کامل خوشنویس کی بے ساختہ مشق کو اُس کو بنائے ہوئے اور مرتب کئے ہوئے قطعہ سے ہوتی ہے قطعہ اگرچہ رُخ اور کرسی اور حروف کی نشست اور تقسیم وغیرہ کے لحاظ سے مشق

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی نسبت بے عیب ہوتا ہے۔اور اُس کے اجزا میں پست وبلند کا تفاوت بہت کم ہوتا ہے۔اور تمام حروف تقریباً ہموار اور یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر مشق میں بہت سی کششیں اور دوائر وغیرہ بے ساختہ اُس کے قلم سے ایسے نکل جاتے ہیں۔کہ اگر خوشنویس خود کوشش کرے تو قطعہ میں شاید ویسی کششیں اور دائرے نہ لکھ سکے یہی سبب ہے کہ خوشنویس لوگ اگلے استادوں کی مشق کو ان کے قطعات سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔فردوسی اور مولانا رومؒ نے اگرچہ اپنی مثنویوں میں بخلاف نظامیؒ اور سعدیؒ کے الفاظ کی زیادہ تنقیح وتہذیب اور کانٹ چھانٹ نہیں کی۔مگر باوجود اس کے صدہا مقامات اُن سے ایسے حُسن وخوبی کے ساتھ ادا ہوئے ہیں کہ تکلف اور ساختگی کی حالت میں شاید ادا نہ ہو سکتے ؎

بوستان اور سکندرنامہ کا مقابلہ

بوستان اور سکندرنامہ صرف اس لحاظ سے کہ دونوں کمال تنقیح وتہذیب اور زحمتِ فکر ونظر کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔اور دونوں میں صنعت شاعرانہ کا پورا پورا حق ادا کیا گیا ہے شاید ایک دوسرے سے متشابہ ہوں لیکن دونوں کے انداز بیان میں بہت بڑا تفاوت ہے۔سکندرنامہ میں شاعرانہ مبالغہ۔زور بیان شوکت الفاظ۔طرفگئے استعارات۔تنوع تمثیلات ایک ایک مطلب نئے نئے اسلوب سے ادا کرنا۔ہر داستان کو ایک بڑی دھوم دھام کی تمہید کیساتھ شروع کرنا۔اور اسی طرح کی اور شاندار باتیں پائی جاتی ہیں برخلاف اس کے بوستاں میں نہایت سادگی۔الفاظ کی نرمی اور گھلاوٹ۔ترکیبوں کا سلجھاؤ۔بیان کی صفائی عبارت کی دلنشینی۔خیالات کی ہمواری۔مبالغہ میں اعتدال۔ماخذ میں سہولیت حسن ترتیب لطفِ ادا۔تمثیلات کی برجستگی۔استعارات کی لطافت۔کنایات کی شوخی باوجود صنعت شاعری کے نہایت بے تکلفی اور باوجود ساختگی کے کمال بیساختہ پن پایا جاتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مثلاً اس مطلب کو کہ زمین میں خدا کی بے انتہا مخلوق دبی ہوئی ہے مولانا نظامی سکندرنامہ میں اس طرح ادا کرتے ہیں :-

فلک در بلندی زمیں در مغاک   یکے طشت خوں شد یکی طشت خاک
نبشتہ بریں ہر دو آلودہ طشت   ز خون سیاوش بسے سرنوشت
زمیں گر بضاعت بر دل آورد   ہمہ خاک در زیر خوں آورد

یہی مطلب سکندرنامہ میں دوسری جگہ اس طرح بیان ہوا ہے۔

کہ داند کہ ایں دخمۂ دام و دد   چہ تاریخہا دارد از نیک و بد
چہ نیرنگ با بخرداں ساختہ است   چہ گردن کشاں را سر انداختہ است

شیخ نے اسی مطلب کو بوستان میں یوں بیان کیا ہے۔

زدم تیشہ یک روز بر تلِ خاک   بگوش آمدم نالۂ دردناک
کہ زنہار گر مردی آہستہ تر   کہ چشم و بناگوش و روے ست و سر

یہی مطلب بوستاں میں دوسری جگہ اس طرح بیان ہوا ہے۔

دریں باغ سروے نیامد بلند   کہ بادِ اجل بیخش از بن نہ کند
عجب نیست بر خاک اگر گل شگفت   کہ چندیں گل اندام در خاک خفت

قناعت کی ترغیب سکندرنامہ میں اس طرح دی ہے :-

تو نیز ار تہی بارِ گردن ز دوش   ز گردن کشاں بر نیاری خروش
چو دریا بہ سرمایۂ خویش باش   ہم از بودِ خود سودِ خود بر تراش
بہملنیۂ خویش تا روزِ مرگ   درختے شو از خویشتن ساز برگ
چو پیلہ ز برگ کساں خوردہ گاز   ہمہ تن شد انگشت وقتے کرد باز

بوستاں میں یہی مطلب اس طرح ادا ہوا ہے۔

شنیدی کہ در روزگار قدیم   شدے سنگ در دست ابدال سیم
بپنداری ایں قول معقول نیست   چو قانع شدی سیم و سنگت یکیست
چو طفل اندروں دارد از حرص پاک   چہ مشتِ زرش پیش و چہ مشتِ خاک

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

خبر دہ بدرویش سلطاں پرست — کہ سلطاں ز درویش مسکین تر است

گدا را کند یک درم سیم سیر — فریدوں بملکِ عجم نیم سیر

گدائے کہ بر خاطرش بند نیست — بہ از پادشاہے کہ خرسند نیست

بخسپند خوش روستائے و جفت — بذوقے کہ سلطان در ایواں نخفت

مآل اندیشی اور پیش بینی کی نصیحت سکندر نامہ میں اس طرح کی گئی ہے:-

میفگن گول گرچہ عار آیدت — کہ ہنگامِ سرما بکار آیدت

خرے برگریوہ ز سختی بمرد — کہ از کاہلی جُلّ با خود نبرد

یہی مضمون بوستاں میں اس طرح ادا کیا گیا ہے:-

بہ دختر چہ خوش گفت بانوی دہ — کہ روزِ نوا برگِ سختی بنہ

ہمہ وقت پُر دار مشک و سبوے — کہ پیوستہ در دہ رواں نیست جوی

سکندر نامہ میں عہدِ شباب پر تحسّر اس طرح کیا گیا ہے:-

جوانی شد و زندگانی نماند — جہاں گو مماں چوں نماند

جوانی بود خوبیٔ آدمی — چو خوبی رود کے بود خرّمی

چو پے سست و پوسیدہ شد استخواں — دگر قصۂ خوبروئی مخواں

غرور جوانی چو از سر گذشت — ز گستاخ کاری فرو شوی دست

بہی چہرہ باغ چنداں بود — کہ شمشاد با لالہ خنداں بود

چو بادِ خزانی در افتد بباغ — زمانہ دہد جائے بلبل بہ زاغ

بود برگ ریزاں چو شاخِ بلند — دل باغباں زاں شود دردمند

ریاحین ز بستاں شود ناپدید — در باغ را کس نجوید کلید

بنال اے کہن بلبل سالخورد — کہ رخسارۂ سرخِ گل گشت زرد

دو تا شد سہی سرو آراستہ — کدیور[۵۱] شد از باغ برخاستہ

چو تاریخ پنجہ در آمد بسال — دگرگونہ شد برشتابندہ حال

سر از مایہ سنگی در آمد بہ سنگ — جمازہ بہ تنگ آمد از راہِ تنگ

[۵۱] باغبان - مالی - ۱۲

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

فرو ماند دستم زمے خواستن — گراں گشت پایم ز برخاستن
تنم گونۂ لاجوردی گرفت — گلم سرخ انداخت زردی گرفت
هیونِ[له] رونده زره مانده باز — بیالیں گه آمد سرم را نیاز
هماں بُور چوگانے باد پای — بصد زخم چوگاں نه جنبد ز جای
طرب را به میخانه گم شد کلید — نشانِ پشیمانی آمد پدید

بوستاں میں یہی مضموں ایک حکایت کے ضمن میں اس طرح ادا کیا گیا ہے :-

چو بادِ صبا بر گلستاں وزد — چمیدن درختِ جواں را سزد
چمد تا جوان است و سرسبز خوید — شکسته شود چوں به زردی رسید
بہاراں که باد آورد بید مشک — بریزد درختِ کہن برگ خشک
نه زیبد مرا با جواناں چمید — که بر عارضم صبح پیری دمید
بقید اندرم جُرّه بازے که بُود — و مادم سر رشته خواهد ربُود
شما راست نوبت برین خوان نشست — که ما از تنعم بشستیم دست
چو بر سر نشست از بزرگی غبار — دگر چشم عیش جوانی مدار
مرا برف بارید بر پرّ زاغ — نشاید چو بُلبل تماشائے باغ
کند جلوه طاؤس صاحب جمال — چه میخواهی از باز پرکنده بال
مرا غلّه تنگ آمد اندر دِرَو — شما را کنوں میدمد سبزه نو
گلستانِ ما را طراوت گذشت — که گُل دسته بندد چو پژمرده گشت
مرا تکیه جانِ پدر بر عصا ست — دگر تکیه بر زندگانی خطاست
مسلّم جواں راست بر پائے جَست — که پیراں برند استعانت بدست
گلِ سرخ رویم نگر زرِّ ناب — فرو رفت چوں زرد شد آفتاب
هوس پختن از کودکِ ناتمام — چناں زشت نبود که از پیرِ خام
مرا مے بباید چو طفلاں گریست — ز شرمِ گناهاں نه طفلانه زیست
نکو گفت لقماں که نا زیستن — به از سالها بر خطا زیستن

له گھوڑا - ۱۲-

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہم از بامداداں در کلبہ بست	بہ از سود و سرمایہ دادن ز دست
جواں تا رساند سیاہی بہ نور	برد پیر مسکین سپیدی بگور

مذکورہ بالا مثالوں کے ملاحظہ سے صاف ظاہر ہے کہ شیخ کے خیالات ہمیشہ سہل المآخذ ہوتے ہیں۔ وہ معنی مقصود کو ایسی تمثیلوں میں بیان کرتا ہے جو ہمیشہ خاص و عام کے مشاہدہ میں آتی ہیں۔ بخلاف مولانا نظامی کے کہ ان کے خیالات اور تمثیلات اکثر غرابت اور ندرت سے خالی نہیں ہوتیں*

شیخ نے جو شاطر صفاہانی کی حکایت میں اپنا رزمیہ بیان دکھایا ہے اگرچہ بے تکلفی اور سادگی میں فردوسی کے بیان سے نہیں ملتا۔ لیکن مولانا نظامی کی رزم سے جس میں سادگی کی نسبت شاعری کا زیادہ لطف ہے۔ بہت مشابہت رکھتا ہے۔ چند شعر اس حکایت کے اور اُن کے ہم مضمون اشعار سکندر نامہ کے اس مقام پر نقل کئے جاتے ہیں:-

بوستاں	سکندر نامہ
۱ دو لشکر بہم بر زدند از کمین	۱ دو لشکر چو مور و ملخ تاختند
تو گفتی زدند آسماں بر زمین	نبرد جہاں در جہاں ساختند
۲ زباریدن تیر ہمچوں تگرگ	۲ بشمشیر پولاد و تیر خدنگ
بہر گوشہ برخاست طوفانِ مرگ	گذرگاہ بر مور کردند تنگ
۳ بصید ہزبران پرخاش ساز	۳ کمند اژدہائے مسلسل شکنج
کمند اژدہائے دہن کردہ باز	دہن باز کردہ بتاراج گنج
۴ زمیں آسماں شد ز گردِ کبود	۴ زمیں کو بسیلاب بد آراستہ
چو انجم درو برق شمشیر و خود	غبارے شد از ہلائے برخاستہ
۵ چو ابرِ اسپ تازی برانگیختم	۵ برانگیخت رزمے چو بارندہ میغ
چو باراں پلارک فرو ریختم	تگرگش ز پیکاں و باراں ز تیغ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مگر حق یہ ہے کہ ایک دو حکایت کے ملا دینے سے مساوات اور برابری کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ رزم میں فردوسی اپنی جگہ اور نظامی اپنی جگہ فی الحقیقت اپنا مثل نہیں رکھتے ✤

بوستاں اور خرابات کا مقابلہ

شیخ علی حزیں نے جس کو ہندوستان میں خاتم الشعرا سمجھتے ہیں بیس یا بائیس صفحہ کی ایک مثنوی جس کا نام خرابات ہے۔ بوستاں کی طرز میں لکھی ہے اور اپنی عادت کے موافق اس پر بہت کچھ افتخار کیا ہے۔ چنانچہ مثنوی کے خاتمہ میں فرماتے ہیں۔ ؎

سخن سنج گر ہست ہشیار مغز کند قوت جاں ایں گہر ہائے نغز
ازیں نامہ گردوں پر آوازہ شد رواں سخن گستراں تازہ شد
نوائے کہ ایں نامہ بنیاد کرد دل طوسی و رودکی شاد کرد
بگوش نظامی اگر مے رسید سر و جے ازیں خسروانی شنید
بہ تعظیم ز رخ نہادے بخاک کہ احسنت اے نیر تابناک
وگر سعد اگرے شہد پرور ادا شنیدے ز صور سنے ز من نوا
سماعش ز سر عقل بردی و ہوش زباں مہر کردے شدے جملہ گوش

معلوم ہوتا ہے کہ علی حزیں نے اپنے نزدیک اس مثنوی میں بوستاں کے تتبع کا پورا پورا حق ادا کیا ہے۔ اور وہ اسکو اپنے لئے ایک سرمایہ ناز سمجھتا تھا۔ سوانح عمری میں اسی مثنوی کی نسبت لکھتا ہے۔ کہ بسیارے از مطالب عالیہ و سخنان دلپذیر دراں کتاب بسلک نظم در آمد۔ مگر دونوں کتابیں یعنی بوستاں اور خرابات کے مقابلہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ دو صورتیں ایک شکل کی ہیں۔ ایک جاندار دوسری بیجان لفظ اچھے بیان اچھا۔ مطالب عمدہ یہ سب کچھ سہی۔ مگر شیخ کے بیان میں ایک چھپا ہوا جادو ہے۔ جو بوستان کو خرابات سے بالکل الگ کر دیتا ہے چنانچہ ذیل کی مثال سے دونوں کا فرق بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔ توحید کا بیان

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ایک جگہ بوستاں میں بھی کیا گیا ہے۔ اور خرابات میں بھی اتفاق سے یہ مضمون نکل آیا ہے۔ ہم دونوں کے اشعار اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔ اور فرق جو دونوں کے طرز بیان اور طریقۂ ادا میں ہے۔ اس کو بھی کسی قدر بیان کرینگے۔

بوستاں

چناں قحط سالے شد اندر دمشق
کہ یاراں فراموش کردند عشق
چناں آسماں بر زمیں شد بخیل
کہ لب تر نکردند زرع و نخیل
بخوشید سرچشمہ ہائے قدیم
نماند آب جز آب چشم یتیم
نبودے بجز آہ بیوہ زنے
اگر برشدے دودے از روزنے
چو درویش بے برگ دیدم درخت
قوی بازواں سست و درماندہ سخت
نہ در کوہ سبزی نہ در باغ شخ
ملخ بوستاں خوردہ و مردم ملخ

خرابات

شنیدم کہ در عہدِ بہرام گور
نمود از قضا قحط سالی ظہور
چو صحرائے محشر زمیں تف گرفت
بہ دریوزۂ آسماں کف گرفت
سحابِ سیہ دل نہ شد مہرباں
بحالِ لب تشنۂ خاکیاں
بخیلی نمود ابر بر کائنات
بہ مہد زمیں سوخت طفل نبات
ز خشکی در اندام خاک دو توہ
عروق شجر شد چو رگہائے کوہ
ز تاب فروزندہ مہر بلند
زمیں مجمر و دانہ بودش سپند
لطرے چو پستانِ بے شیر شد
ز خشکی چو پیکان گلوگیر شد

شیخ سعدی نے پہلے ہی شعر کے دوسرے مصرعہ میں جس حُسن و لطافت کے ساتھ قحط کی سختی کی تصویر کھینچی ہے اس سے بہتر کوئی اسلوب بیان خیال میں نہیں آتا۔ قحط کی شرح ایک کتاب میں ایسی خوبی کیساتھ نہیں ہوسکتی۔ جیسی اس ایک مصرعہ میں ہوئی ہے۔ تا کہ "یاراں فراموش کردند عشق" سہل ممتنع کا لفظ جو اکثر بولا جاتا ہے۔ وہ ایسی قسم کے بیان کو کہتے ہیں کہ بادی النظر میں نہایت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سرسری معلوم ہو۔ مگر وہی مطلب دوسری بار کسی سے بلکہ خود مصنف سے بھی ویسا بیان نہ ہو سکے۔ اس بیان میں لطف یہ ہے کہ قحط کے بیان کے جتنے معمولی اسلوب ہیں ان سب سے علیحدہ ہے۔ قحط کی سختی ہمیشہ اس طرح بیان کی جاتی ہے۔ ایسا قحط پڑا۔ کہ روٹی جان سے زیادہ عزیز ہو گئی۔ آدمی بھوک میں آدمیوں کو کھانے لگے ماں باپ نے ایک ایک روٹی کے عوض اولاد کو بیچدیا۔ لاکھوں جاندار بھوکے مر گئے۔ غرضیکہ تمام بیان ایسے ہوتے ہیں۔ جن سے غلہ کی گرانی۔ پانی کی نایابی۔ بھوک کی تکلیف اور اسی قسم کی باتیں سمجھی جائیں۔ شیخ نے وہ اسلوب اختیار کیا ہے جو سب سے نرالا اور سب سے بلیغ ہے۔ اس اسلوب سے اُسکو یہ جتانا مقصود ہے۔ کہ شاعر کے نزدیک عشق ایک ایسی چیز ہے۔ جو کسی حالت میں فراموش نہیں ہوتی۔ باوجود اس کے لوگ اس کو بھول گئے تھے۔ اور یاراں کے لفظ سے یہ ظاہر کرنا منظور ہے۔ کہ مصنّف بھی اسی عشاق کے جرگے میں سے تھا۔ دوسرے شعر کا صرف یہ مطلب ہے کہ مینہ نہ برساتھا۔ مگر اس کو کس عمدگی سے بیان کیا ہے تیسرے شعر میں پانی کا نایاب ہونا اور یتیم کے آنسو کو اس سے مستثنےٰ کرنا۔ چوتھے شعر میں کسی کے گھر روزن سے باورچیخانے کے دھوئیں کا نہ نکلنا اور پھر اس سے رانڈوں کی آہ کے دھوئیں کو مستثنےٰ کرنا۔ پانچویں شعر میں درختوں کو بے برگی میں قحط زدہ درویشوں اور مسکینوں سے تشبیہ دینا۔ اور قوی پہلوانوں کا بے بس اور عاجز ہو جانا یہ تمام اسلوب کس قدر لطیف اور دلکش ہیں۔ چھٹا شعر بلاغت اور حُسن بیان میں تقریباً ویسا ہی اعلیٰ درجہ کا ہے۔ جیسا پہلا۔ باوجود ان تمام خوبیوں کے کوئی بات ایسی نہیں جو خلاف عادت کے ہو قحط میں عشق کے ولولوں کا نیست ونابود ہو جانا۔ درختوں کا سرسبز نہ ہونا۔ چشموں اور ندیوں کا خشک ہو جانا۔ یتیموں کا رونا۔ گھروں میں کھانا نہ پکنا بے وارث رانڈوں کے آہ و نالے۔ درختوں کا بے برگ و بار اور غریبوں کا بے سروسامان ہونا۔ پہلوانوں اور زبردستوں کا درماندہ ہو جانا۔ پہاڑ اور جنگل میں سبزہ اور ہریاول کا نہ رہنا۔ ٹڈیوں کا باغ اور کھیتی کا اور آدمیوں کا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ٹڈیوں کو کھانا۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جو قحط کے زمانہ میں اکثر کم و بیش ظہور میں آتی ہیں۔

حزین نے باوجود اس کے کہ خرابات جو چند اوراق سے زیادہ نہیں ہے بوستاں سے پانسو برس بعد لکھی ہے اور جیسا کہ اس کے بیان سے مترشح ہوتا ہے اپنی پوری طاقت شیخ کے تتبع میں صرف کی ہے۔ کوئی کرشمہ اس کی مثنوی میں ایسا نہیں پایا جاتا جس کو دیکھ کر جی بے اختیار پھڑک اُٹھے۔

پہلا شعر صاف اور ہموار ہے اس میں کوئی خوبی قابل ذکر نہیں۔ دوسرے شعر میں زمین تفتہ کو صحرائے محشر سے تشبیہ دینا تعریف الشئے بالمجہول کے قبیل سے ہے۔ یعنی ایک تمثیل ہے۔ جو اہل دنیا کی نظر میں قحط کی تصویر کھینچنے سے قاصر ہے۔ صحرائے محشر اور تمام اعتقادیات خود تمثیل کے محتاج ہیں۔ اُن پر قیاس کرنے سے کسی شئے کی حقیقت نہیں کھل سکتی۔ تیسرا بوستاں کے اس شعر سے ماخوذ ہے۔ جو ذوالنون مصری اور مصر کے قحط کے بیان میں شیخ نے لکھا ہے۔ اور وہ یہ ہے ؎

خبر شد بہ مدین پس از روز چند   کہ ابر سیاہ دل بر ایشاں گریست

مگر اتنا فرق ہے۔ کہ شیخ نے ابر کے برسنے کو رونے سے تعبیر کیا ہے جس سے ترحم اور برسنا دونوں باتیں ٹپکتی ہیں۔ اور حزین نے برسنے کو مہربان ہونے سے تعبیر کیا ہے۔ جس سے دونوں معنے ویسے صاف نہیں نکلتے۔ چوتھا شعر شیخ کے اس شعر سے ماخوذ ہے ؎

چناں آسماں بر زمیں شد بخیل   کہ لب تر نکردند زرع و نخیل

مگر شیخ کے بیان میں اتنا لطف زیادہ ہے کہ کھڑی کھیتی کا خشک ہو جانا زیادہ حسرتناک ہے بہ نسبت اس کے کہ تخم زمین کے اندر ہی جل جائے۔۔ پانچویں شعر کا دوسرا مصرع بہت عمدہ مگر پہلا مصرعہ تکلف سے خالی نہیں۔ شعر کا مطلب صرف اسقدر ہے کہ زمین کی خشکی کے سبب درختوں کی رگیں پہاڑ کی رگوں کی طرح

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سوکھ گئی تھیں پس اندام اور دو تو ہ کے لفظ کو افادہ معنی میں کچھ دخل نہیں ہے چھٹے شعر میں صرف یہ بیان ہے کہ آفتاب کی گرمی سے زمین انگیٹھی کی طرح جلتی تھی اور تخم جو اس پر ڈالا جاتا تھا۔ وہ سپند کا حکم رکھتا تھا۔ پس فروزندہ اور بلند جو دو صفتیں مہر کی واقع ہوئی ہیں۔ اُنہوں نے کچھ فائدہ نہیں دیا۔ اور اگر یہ کہا جائے۔ کہ فروزندہ مہر کہنے سے آفتاب کی گرمی کا زیادہ ثبوت ہوتا ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ "مہر بلند" کہنے سے اسکی گرمی کا خیال کم ہوجاتا ہے۔ اور ایسی دو متضاد صفتیں لانی بلاغت کے خلاف ہیں ساتویں شعر کا مضمون بالکل خلاف عادت اور خلاف مقتضائے مقام ہے۔ نہ قحط کا یہ خلاصہ ہے۔ کہ شراب کی صراحی کو خشک کردے اور نہ صراحی کا خشک ہونا اس بات کی دلیل ہے۔ کہ قحط کی شدت ہو رہی ہے۔

یہ جو کچھ ہم نے بطور محاکمے کے لکھا ہے۔ اس سے خان آرزو کی طرح شیخ علی حزیں پر حرف گیری کرنی ہمارا مقصود نہیں ہے۔ اور نہ بوستان کو خرابات سے افضل ثابت کرنا مدنظر ہے۔ کیونکہ نہ ہم شیخ علی حزیں پر حرف گیری کرنے کی لیاقت رکھتے ہیں اور نہ بوستاں کے افضل ہونے میں کسی کو شبہ ہے۔ بلکہ یہ دکھانا منظور ہے کہ کوئی شے فی نفسہ کیسی ہی بے عیب ہو جب وہ کسی ایسی کے مقابلہ میں لائی جاتی ہے جو اس سے بمراتب افضل اور فائق ہو تو اس میں بیسیوں فروگذاشتیں اور قصور نظر آنے لگتے ہیں۔ اگر خرابات بوستاں کے جواب میں نہ ہوتی اور حسن اتفاق سے ایک مضمون کی حکایتیں دونوں مثنویوں میں نہ نکل آتیں تو حزیں کے بیان میں چون و چرا کرنے کا ہم کو خیال بھی نہ آتا۔ کیونکہ یہ باتیں تقریباً تمام شعراء کے ہاں عامۃ الورود ہیں۔

گلستان اور بوستاں کی خصوصیات

اب ہم گلستان اور بوستاں کی چند خاصیتیں ایسی بیان کرتے ہیں جو دونوں کتابوں میں تقریباً یکساں پائی جاتی ہیں۔ اور جن کو ان کے مقبول ہونے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں بہت بڑا دخل ہے۔ مثالوں کی جہاں ضرورت ہوگی۔ کہیں صرف گلستاں سے اور کہیں صرف بوستاں سے اور کہیں دونوں سے نقل کی جائینگی ؛

اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے۔ کہ ان کتابوں کے مقبول ہونے کا اصل سبب یہ ہے کہ ان میں سرتاپا اخلاق اور تہذیب نفس کے مضامین مندرج ہیں مگر میرے نزدیک انکی مقبولیت کی اصل وجہ یہ ہے۔ کہ اخلاق اور مواعظ کو شیخ کے سوا کسی نے ایسی خوبی اور لطافت کے ساتھ فارسی زبان میں بیان نہیں کیا۔ اخلاق میں بیسیوں کتابیں فارسی میں لکھی گئی ہیں۔ اور اب تک موجود ہیں۔ اور غالباً گلستاں اور بوستاں میں کوئی پند و نصیحت ایسی نہ ہوگی۔ جو اوروں نے نہ لکھی ہو۔ مگر کوئی کتاب ان دونوں کے برابر مقبول نہیں ہوئی اس سے ظاہر ہے۔ کہ قبول عام کا مدار زیادہ تر حُسن بیان اور لطف ادا پر ہے۔ نہ کہ نفس مضامین پر۔ البتہ مضامین کو بھی شہرت اور قبولیت میں بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔ اسی لئے جو محاسن ان کتابوں کے ہم آگے لکھنے چاہتے ہیں۔ وہ کسی قدر مضامین سے اور زیادہ تر حسن معنی اور اسلوب بیان سے متعلق ہوں گے۔

سب سے زیادہ تعجب انگیز بات ان دونوں کتابوں میں یہ ہے کہ جن باتوں میں مشرقی لٹریچر عموماً بدنام ہے وہ ان کتابوں میں اسقدر کم ہیں کہ چند مقامات استثنا کرنے کے بعد کوئی ایسی بات باقی نہیں رہتی جو زمانہ حال کے مورل اور سوشل خیالات کے برخلاف ہو۔ اور یہ امر ایسی پرانی کتابوں میں جن کے زمانہ تصنیف کو ساڑھے چھ سو برس سے زیادہ گزر چکے ہیں۔ کچھ کم تعجب انگیز نہیں ہے۔

مثلاً مبالغہ اور اغراق جو مشرقی انشا کا خلاصہ ہے۔ ان کتابوں میں اتنا کم ہے جتنا ایران کے اور شعراء کے کلام میں ہیچ مادر جہاں ہے۔ وہاں نہایت لطیف اور بامزہ ہے۔ اور اعتدال کی حد سے متجاوز نہیں۔ مثلاً شیخ بوستاں میں کہتا ہے :- میانِ دو کس دشمنی بود و جنگ   سر از کبر بر یکدگر چوں پلنگ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

زدیدار ہم تا بحدے رماں   کہ بر ہر دو تنگ آمدے آسماں

دوسرے بیت کا یہ مطلب ہے کہ وہ ایکدوسرے کی صورت سے ایسے بیزار رہتے کہ جب کبھی راہ میں دوچار ہو جاتے تھے۔ تو ایک دوسرے کو دیکھ کر رستے سے کُترا کے ہٹ جاتے تھے۔ اور اس وقت کمال نفرت سے ان کا جی چاہتا تھا۔ کہ آسمان جو سلسنے حائل نظر آتا ہے۔ اس کو توڑ کر نکل جائیں۔ یہ مبالغہ جیسا کہ بادی النظر میں بڑا معلوم ہوتا ہے۔ فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ نفرت ایک نفسانی کیفیت ہے جس کا کوئی اندازہ اور پیمانہ مقرر نہیں۔ پس جس طرح ادنےٰ درجہ کی نفرت یہ ہے۔ کہ دو دشمن ایک مجلس میں اکٹھا ہونا پسند نہیں کرتے۔ اسی طرح انتہا درجہ کی نفرت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ ایک عالم میں رہنا پسند نہ کریں۔

اسی طرح شیخ کی نظم و نثر میں جہاں کہیں مبالغہ پایا جاتا ہے لطافت سے خالی نہیں ہوتا۔ مثلاً گلستاں میں ایک دولتمند بخیل کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

" مال دارے را شنیدم کہ بہ بخل چناں معروف بود کہ حاتم طائی بہ سخاوت۔ ظاہر حالش بہ نعمت دنیا آراستہ و خست نفس در نہادش ہمچناں متمکن۔ تا بجائے کہ نانے را بجانے از دست ندادے۔ وگربہ ابوہریرہ را بہ لقمہ ننواختے۔ و سگ اصحاب کہف را استخوانے نینداختے۔ فی الجملہ کسے خانۂ اورا ندیدے در کشادہ و سفرہ اورا سر کشادہ۔ بیت

درویش بجز بوئے طعامش نشمیدے   مرغ از پس نان خوردن او ریزہ نچیدے

ایک اور جگہ سمندر کی موج اور طوفان کا بیان اس طرح کیا ہے ؛۔

سہمگیں آبے کہ مرغابی درو ایمن نبود "

اگر غور سے دیکھئے تو حد سے زیادہ مبالغہ ہے۔ مگر بادی النظر میں کوئی نا ممکن بات نہیں معلوم ہوتی +

سوپر نیچرل یعنی فوق العادت باتیں اور عجیب و غریب قصّے بھی جن سے قدیم اور متوسّط زمانے کا مغربی اور مشرقی لٹریچر بھرا ہُوا ہے ان کتابوں میں بہت کم ہیں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تمام گلستان اور بوستاں میں صرف دو تین حکایتیں ایسی ہیں - جو اس زمانہ میں مستبعد معلوم ہوتی ہیں اور تاویل کے بعد ان میں بھی کچھ استبعاد باقی نہیں رہتا ؛

علم اخلاق کے بعض اصول جن میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے اور اب بھی چلا جاتا ہے - اگر کسی کتاب میں زمانۂ حال کے فلسفہ مسلّمہ کے برخلاف ہوں تو اس پر کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا - کیونکہ ایسی کوئی کتاب نہیں ہو سکتی جس کی سب باتوں پر تمام عالم کا اتفاق ہو - مثلاً شیخ کے اس فقرہ پر کہ دروغ مصلحت آمیز به از راستی فتنہ انگیز " اکثر مشنری لوگ یہ کہتے ہیں - کہ جھوٹ کیسا ہی مصلحت آمیز ہو - سچ کے برابر یا سچ سے بہتر ہرگز نہیں ہو سکتا - اس بحث کے متعلق ہمارے ایک دوست نے نہایت دلچسپ قصّہ نقل کیا ہے - انہوں نے کہا کہ ایک علمی سوسائٹی میں چند یورپین عالم اور مشنری موجود تھے - راستی اور دروغ پر ایک مضمون پڑھا گیا - جس میں گلستاں کے فقرہ مذکور کی تائید کی گئی تھی - ایک پادری صاحب نے کہا مضمون عمدہ ہے - مگر جس قدر اس فقرہ کی تائید میں لکھا گیا ہے - اس میں سے نکال دینا چاہیئے اس پر بہت دیر تک بحث ہوتی رہی - مگر کچھ فیصلہ نہ ہُوا - آخر کار ہمارے دوست جو اس قصہ کے راوی ہیں اُنہوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ اس بحث کا محاکمہ یوں ہو سکتا ہے - کہ اپنے ذاتی اغراض کے لئے تو بے شک جھوٹ بولنا کسی حالت میں جائز نہیں لیکن اگر جھوٹ سے کسی مظلوم کی جان بچتی ہو تو ایسی حالت میں جھوٹ بولنا بیشک سچ بولنے سے بہتر ہے اس کے بعد اُنہوں نے یہ مثال دی کہ ۱۸۵۷ء میں جو اکثر لوگوں نے رحم اور انسانی ہمدردی کی راہ سے یورپین عورتوں اور بچوں کو ظالموں اور بیرحموں کے شر سے بچانے کے لئے اپنے گھروں میں چھپا لیا تھا - اور باغی لوگ انکو ڈھونڈتے پھرتے تھے - اور ایک ایک سے ان کا حال پوچھتے تھے - ایسی حالت میں جھوٹ بولکر اُن بیگناہوں کو خطرہ سے بچانا بیشک سچ بولنے سے بہتر تھا - اس تقریر کو تمام مجلس نے پسند کیا - اور وہ فقرہ سب کے اتفاق سے مضمون میں بحال رکھا گیا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مذکورہ بالا توجیہ کی تائید خود شیخ کے کلام سے بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس نے گلستاں کے آٹھویں باب میں اپنے ذاتی اغراض کے لئے جھوٹ بولنے کو بہت بُرا بتایا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:-

اگر راست سخن باشی و در بند بمانی بہ زانکہ دروغت دہد از بند رہائی

بعض صاحبوں کی یہ رائے ہے۔ کہ صورت مفروضہ میں بھی مقتضائے جوانمردی یہی ہے۔ کہ جھوٹ نہ بولا جائے۔ بلکہ ظالموں کا مقابلہ کر کے اپنے تئیں ان مظلوموں پر نثار کیا جائے۔ جب اپنے میں سے کوئی باقی نہ رہے تب اُن مظلوموں کی باری آئے۔ تو آئے۔ لیکن ہمارے نزدیک جب ہی تک جوانمردی ہے کہ ظالموں کے مقابلہ کرنے یا اپنی جان پر کھیلنے سے ان بے گناہوں کی جان بچ جانے کا یقین کامل ہو۔ ورنہ یہ حرکت تہوّر اور نادانی اور صفاہت میں شمار ہوگی۔

اسی طرح شیخ کے اس شعر کے مضمون پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے۔ ؎

شمشیر نیک زآہن بد چوں کند کسے ناکس بہ تربیت نشود اے حکیم کس

کیونکہ اس سے لازم آتا ہے۔ کہ تعلیم و تربیت اور قانون و مذہب اور تمام سیاستیں عبث اور فضول اور بیکار ہیں۔ مگر یہ مسئلہ کہ تعلیم سے ان کی جبلت بدل جاتی ہے یا نہیں۔ علم اخلاق کے اُن مسائل میں سے ہے جن کا آج تک کسی قطعی دلیل سے فیصلہ نہیں ہُوا۔ انگلستان کے ایک روشنضمیر مورخ کی رائے ہے۔ کہ حال کی سویلزیشن نے انسان کے اخلاق پر اس کے سوا کچھ اثر نہیں کیا۔ کہ گناہوں کی صورتیں اور نام بدل گئے ہیں۔ مگر گناہ بدستور موجود ہیں۔ پہلے زمانہ میں بیشک گناہ بہت سخت اور شدید اور صریح ہوتے تھے۔ لیکن بہت کم ہوتے تھے۔ اور اب اگرچہ ویسے شدید اور سخت گناہ نہیں ہوتے۔ لیکن نہایت کثرت سے ہوتے ہیں۔ اور چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ اسی لئے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے تو بھی انسان اپنی جبلّت سے نہیں ٹلتا +

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ایک جگہ شیخ نے کہا ہے کہ "یہودی کیسا ہی دولتمند ہو جائے شریف نہیں ہو سکتا" فی الواقع اس سے کمال تعصب پایا جاتا ہے۔ مگر اس پر کوئی مہذب سے مہذب بھی اعتراض نہیں کر سکتا۔ ہر قوم اپنی حکومت کے زمانہ میں محکوم قوم کو ایسا ہی سمجھتی رہی ہے۔ آریہ نے ہندوستان کے قدیم باشندوں کو اس سے بھی زیادہ حقیر سمجھا تھا۔ مسلمانوں نے بھی اپنے دورہ میں اپنے برابر کسی کو نہیں سمجھا۔ اور انگریز بھی باینہمہ شائستگی و تہذیب نوبلٹی یا شرافت کو اپنی ہی قوم کے ساتھ مخصوص جانتے ہیں ÷

ایک اور جگہ گلستان میں لکھا ہے کہ اگلے زمانہ میں ایک مریض بادشاہ کے لئے چند حکمائے یونان نے آدمی کا پتّہ جو خاص صفات سے موصوف ہو تجویز کیا تھا۔ مگر تجربہ کی نوبت نہیں آئی۔ یہ بات حال کی تحقیقات کے برخلاف بتائی جاتی ہے۔ شائد ایسا ہی ہو۔ مگر شیخ اس اعتراض سے بری ہے۔ اس کا الزام جو کچھ ہے۔ مجوّزین پر ہے۔ نہ اُن کی تجویز کے راوی پر۔ شیخ پر البتّہ اس صورت میں اعتراض ہو سکتا تھا۔ کہ وہ ان کی تجویز کو پسند کرتا۔ یا یہ لکھتا کہ اس سے بادشاہ کو شفا ہو گئی۔ یا جو فرض معلّمین اخلاق کا ہے۔ (یعنی ہر قصّہ اور افسانہ سے ایک مفید نتیجہ استخراج کرنا) اُس سے عہدہ برآنہ ہوتا ÷

بعض ملّایانہ اعتراض بھی شیخ کے کلام پر سُنے گئے ہیں۔ مثلاً اس نے گلستاں میں کہا ہے۔

"رہ راست برو گرچہ دور است　　زنِ بیوہ مکن گرچہ حُور است

اس پر بعض حضرات یہ نقص وارد کرتے ہیں کہ جس امر کی اجازت شریعت سے پائی جاتی ہے۔ اس سے منع کرنے کے کیا معنی۔ اور بعضے کٹ مُلّا بیوہ کی جگہ ہیوہ[1] بتاتے ہیں۔ جس کے معنے انہیں کو معلوم ہیں۔ یہ ویسا ہی اعتراض ہے

[1] ہیوہ کے معنے لغت میں متجدّد اور متغیر ہونے کے لکھے ہیں جو اس شعر میں کسی طرح چسپاں نہیں ہو سکتے ÷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جس پر کسی نے کہا تھا "شعر مرا بہ مدرسہ کہ برد" ظاہر ہے کہ شیخ کی کتاب گلستاں کوئی فقہ کا فتوے نہیں ہے۔ کہ جس کے ہر امر و نہی کو امر و نہی مصطلح فقہا پر محمول کیا جائے وہ اکثر اپنے تجربہ اور رائے کے موافق جس بات کو بنی نوع کے حق میں مفید سمجھتا ہے اس کی ترغیب دیتا ہے اور جس کو مضر سمجھتا ہے اس سے منع کرتا ہے۔ گو فقہا نے اسکو مباح لکھا ہو۔ کیونکہ مباحات میں فعل اور ترک دونوں باتوں کا اختیار دیا گیا ہے رہی یہ بات کہ شیخ کی رائے فی نفسہ کیسی ہے۔ سو حدیث نبوی سے بھی ابکار کی ترجیح ثیبات پر ثابت ہوتی ہے۔

سب سے اول معقول اعتراض بوستاں کی اُس حکایت پر وارد ہوتے ہیں جس میں شیخ نے سومنات کا قصہ لکھا ہے۔ مگر ہم نے اس کی بابت پہلے باب میں کچھ عذر لکھے ہیں جن سے اعتراض کسی قدر ہلکے ہو سکتے ہیں۔

امرد پرستی کا ذکر جو ان کتابوں میں اکثر آتا ہے۔ یہ بھی سخت اعتراض کے قابل بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس باب میں ہم نے کچھ خاتمہ کتاب میں لکھا ہے وہ شائد ان اعتراضوں کے فیصلہ کے لئے کافی ہو۔

ایسے ایسے اعتراضوں سے بجائے اس کے کہ ان کتابوں کی قیمت و قدر میں کچھ فرق آئے۔ اور زیادہ ان کی عظمت ثابت ہوتی ہے۔ کپڑا جس قدر اُجلا ہوتا ہے۔ اسی قدر جلد ذرہ سے دھبے سے میلا ہوتا ہے۔ ان کتابوں کا بھی یہی حال ہے۔ یہ کتابیں ساڑھے چھ سو برس سے برابر تعلیم میں داخل رہی ہیں اور آج کل بھی نہایت نکتہ چینی کا زمانہ ہے۔ اسی طرح مشرقی سلسلہ تعلیم کا جزو اعظم ہیں۔ ان کے ایک ایک فقرہ اور ایک مصرعہ کو نہایت غور سے دیکھا گیا ہے۔ مشنریوں نے صرف اس وجہ سے کہ ان میں مسلمانوں کی مذہبی باتیں بہت ملی ہوئی ہیں۔ اور ایسے مضامین کا سلسلہ تعلیم میں داخل رہنا مشن کے مقاصد کے برخلاف ہے۔ اُن پر نکتہ چینی کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا اور گورنمنٹ میں پیش کرنے کے لئے بڑے طولانی ریویو لکھکر چھپوا لئے ہیں۔ نیز اس لحاظ سے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کہ ان کتابوں کو زیادہ تر صغیر سن بچے پڑھتے ہیں اور بھی زیادہ چھان بین کی گئی ہے باوجود ان سب باتوں کے ایسے چند سرسری اعتراضوں کا وارد ہونا جیسے کہ اوپر ذکر کئے گئے ہیں۔ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بلا شبہ اس قدر بے عیب ہیں جسقدر کہ زمانۂ متوسط میں انسان کا کلام بے عیب ہو سکتا تھا۔

دوسری عام اور بڑی خوبی جو ان کتابوں کی خصوصیات میں سے ہے سو شیخ کا انداز بیان ہے۔ جس کا ملکہ اس کی طبیعت میں ودیعت کیا گیا تھا۔ یہ بات نہ قواعد علم بلاغت کی پابندی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور نہ کسی اُستاد کی تعلیم سے آتی ہے۔ بلکہ جس طرح حسنِ صُورت اور حسنِ سیرت قدرتی خوبیاں ہیں اسی طرح حُسن بیان بھی ایک جبلّی خاصّہ ہے۔ جس میں اکتساب کو چنداں دخل نہیں اور یہی وہ چیز ہے جس کی کمی اور زیادتی پر شاعری کا نقصان اور کمال موقوف ہے۔ جو مطلب اس کو بیان کرنا ہوتا ہے اس کے لئے وہ ایسا دلکش اور لطیف پیرایہ ڈھونڈھ لاتا ہے۔ جو کسی کے وہم و گمان میں نہیں ہوتا۔ مثلاً عربی میں ایک قول مشہور ہے۔ اَلصَّمتُ زِینَۃُ العَالِمِ وَسِترُ الجَاھِلِ (یعنی خاموشی عالم کی زینت ہے۔ اور جاہل کی پردہ پوش) اس مطلب کو وہ شعر میں اس طرح بیان کرتا ہے۔ ے

ترا خامشی اے خداوند ہوش وقار است و نا اہل را پردہ پوش
اگر عالمی ہیبتِ خود مبر وگر جاہلی پردۂ خود مدر

یا مثلاً اسکو بیان کرنا ہے۔ کہ جو لوگ نصیحت نہیں سنتے وہ آخر کو پچھتاتے ہیں یا زک اُٹھاتے ہیں اس مطلب کو وہ یوں ادا کرتا ہے۔ ہر کہ نصیحت نشنود سر ملامت شنیدن دارد" یا مثلاً اسکو یہ بیان کرنا ہے۔ کہ ہر شئے کی قدر اس کے کمیاب ہونے سے ہوتی ہے۔ اسکو وہ اس طرح لکھتا ہے" اگر شبہا ہمہ شب قدر بودے شب قدر بیقدر بودے"۔ یا مثلاً اسکو یوں بیان کرتا ہے کہ اپنے سے زیادہ علم والے سے مباحثہ کرنا نادانی ہے۔ اسکو اس طرح بیان کرتا ہے۔ ہر کہ با دانا تر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

از خود مجادلہ نماید تا بدانند کہ دانا ست بدانند کہ نادان است" یا مثلاً اِس مطلب کو کہ سب پیٹ کی خاطر سختی اُٹھاتے ہیں۔ وہ اِس عنوان سے بیان کرتا ہے۔ "اگر جورِ شکم نہ بودے، ہیچ مرغ در دام نیفتادے۔ بلکہ صیاد خود دام نہ نہادے" یا مثلاً یہ بات کہ حاکم رشوت سے دھیما ہو جاتا ہے۔ اِس طرح بیان کرتا ہے۔ "ہمہ کس را دندان بہ ترشی کُند گردد۔ مگر قاضیاں را بہ شیرینی" یا مثلاً اِس مطلب کو کہ ریا کے لئے لذّتوں کو ترک کرنا بُرا ہے۔ وہ اِس اسلوب سے ادا کرتا ہے۔ "ہر کہ ترکِ شہوت از بہر قبولِ خلق دادہ است از شہوت حلال در شہوتِ حرام افتادہ است" یا مثلاً اُس کو یہ لکھنا ہے۔ کہ کسی کی آہ و زاری سے فضلِ الٰہی نہیں بدلتی۔ اور قانونِ قدرت نہیں ٹوٹتا۔ اِس کو وہ اس طرح ادا کرتا ہے ؎

قضا دگر نشود در ہزار نالہ و آہ | بہ شکر یا بہ شکایت بر آید از دہنے
فرشتۂ کہ وکیل است بر خزانہ باد | چہ غم خورد کہ بمیرد چراغ بیوہ زنے

یا اس کو یہ کہنا ہے۔ کہ اے ریاکار یہ دکھاوے کی عبادت تجھ کو خدا تک نہ پہنچائیگی اس مطلب کو وہ یُوں ادا کرتا ہے ؎

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی | کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

کبھی وہ ایک نصیحت کے مضمون کو جو اُس بیان کرنا ہے۔ ایک واقعہ کی صورت میں بیان کر کے اُس کو زیادہ پُر تاثیر اور دل نشین کر دیتا ہے۔ مثلاً اُس کو یہ بیان کرنا تھا۔ کہ جس طرح ہم سے پہلے لوگ ہزار ہا اُمیدیں اور ارمان دل میں لئے ہوئے مر گئے۔ اِسی طرح ایک روز ہم تم بھی مر جائیں گے۔ اِس مطلب کو وہ اِس طرح بیان کرتا ہے ؎

شنیدم کہ یک بار در دجلۂ | سخن گفت با عابدے کلّۂ
کہ من فرّ فرماندہی داشتم | بسر بر کلاہ مہی داشتم
سپہرم مدد کرد و نصرت وفاق | گرفتم بہ بازوئے دولت عراق
طمع کردہ بودم کہ کرماں خورم | کہ ناگہ بخوردند کرماں سرم

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بکن پنبۂ غفلت از گوشِ ہوش | کہ از مردگاں پندت آید بگوش

اخیر کے شعر سے اُس نے یہ بات جتا دی ہے۔ کہ حقیقت میں کوئی کھوپڑی نہیں بولی تھی۔ بلکہ یہ صرف ایک بیان کرنے کا پیرایہ ہے۔ یا مثلاً اُس کو دکھانا منظور تھا۔ کہ ہر شخص اپنے مذہب کو حق اور دوسرے کے مذہب کو باطل سمجھتا ہے۔ اس مطلب کو وہ اس طرح بیان کرتا ہے ؎

یکے جہود و مسلماں خلاف می جستند | چنانکہ خندہ گرفت از نزاعِ ایشانم
بہ طنز گفت مسلماں گر ایں قبالۂ من | درست نیست۔ خدایا جہود میرانم
جہود گفت بہ توریت میخورم سوگند | دگر خلاف کنم ہمچو تو مسلمانم
گر از بسیطِ زمیں عقل منعدم گردد | بخود گماں نبرد ہیچکس کہ نادانم

یہ مطلب اگر ایک جلد میں بیان کیا جائے تو بھی اتنا مؤثر اور دلاویز نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ اس پیرایہ نے اس کو دلاویز اور مؤثر کر دیا ہے۔ یا مثلاً اُس کو یہ بیان کرنا تھا۔ کہ امن اور عافیت اِسی میں ہے۔ کہ انسان لوگوں کے فضول اور جھگڑوں سے علیحدہ رہے۔ اور خود داری کو ہاتھ سے نہ دے۔ اس مطلب کو وہ اس طرح بیان کرتا ہے ؎

دو کس گرد و یدند آشوب و جنگ | پراگندہ نعلین و پرّندہ سنگ
یکے فتنہ دید از طرف بر شکست | یکے در میاں آمد و سر شکست
کسے خوشتر از خویشتن دار نیست | کہ با خوب و زشتِ کسش کار نیست

یا مثلاً اُس کو یہ لکھنا منظور تھا۔ کہ جو شخص اپنا کام چھوڑ کر دوسروں کے کام میں دخل دیتا ہے۔ وہ ایک بڑی جواب دہی اپنے ذمّہ لیتا ہے۔ اس مطلب کو وہ اس طرح ادا کرتا ہے ؎

آں شنیدی کہ صوفئے میکوفت | زیرِ نعلین خویش میخے چند
آستینش گرفت سرہنگے! | کہ بیا نعل بر ستورم بند

اِس میں پیرایۂ بیان کے علاوہ صوفی کی تخصیص کرنے سے شوخی اور ظرافت بھی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

انتہا درجہ کی برتی ہے ۔ یا مثلاً اُس کو یہ لکھنا تھا کہ بھیک مانگنا ایک مذموم خصلت ہے ۔ اُس کا الزام صرف فقیروں پر ہی نہیں ۔ بلکہ دولت مندوں پر بھی ہے ۔ اس مطلب کو وہ اس طرح بیان کرتا ہے " خواہندۂ مغربی در صف بزازانِ حلب میگفت ۔ اے خداوندانِ نعمت اگر شمارا انصاف بودے و مارا قناعت رسمِ سوال از جہان بر خاستے " یا مثلاً یہ بیان کرنا مقصود تھا ۔ کہ تواضع اور انکسار سے مرتبہ حاصل ہوتا ہے ۔ وہ اسکو اس طرح بیان کرتا ہے

یکے قطرہ باراں ز ابرے چکید
خجل شد چو پہنائے دریا بدید
کہ جائے کہ دریاست من کیستم
گر او ہست حقا کہ من نیستم
چو خود را بہ چشم حقارت بدید
صدف در کنارش بجاں پرورید
سپہرش بجائے رسانید کار
کہ شد نامور لولوئے شاہوار
بلندی بداں یافت کو پست شد
درِ نیستی کوفت تا ہست شد

یا مثلاً اس کو یہ بیان کرنا تھا ۔ کہ جس طرح پارسا لوگ رندوں کی صحبت سے منقبض ہوتے ہیں ۔ اسی طرح رند لوگ پارساؤں کی صحبت سے گھبراتے ہیں ۔ وہ اس کو اس طرح بیان کرتا ہے

زاہدے در میانِ رنداں بود
زاں میاں گفت شاہدے بلخی
گر ملولی ز مارُش منشیں
کہ تو ہم در میانِ ما تلخی

کبھی وہ اپنے ہی کلام کو اور کا مقولہ قرار دے کر نہایت بامزہ کر دیتا ہے جیسے

دو بینم جگر کرد روزے کباب
کہ مے گفت گوئندہ بارباب
دریغا کہ بے ما بسے روزگار
بروید گل و بشگفد نو بہار
بسے تیر و دے ماہ واردی بہشت
بیاید کہ ما خاک باشیم و خشت

یا جیسے

چو دخلت نیست خرچ آہستہ تر کن
کہ مے گویند ملاحاں سرودے
اگر باراں بکوہستان نبارد
بسالے دجلہ گردد خشک رودے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یا جیسے ؎

ہمچناں در فکرِ آں بینم کہ گفت — پیلبانے بر لبِ دریائے نیل
زیرِ پایت گر بدانی حالِ مور — ہمچو حالِ تست زیرِ پائے پیل

یا جیسے ؎

چہ خوش گفت با کودک آموزگار — کہ کارے نکردیم و شد روزگار

یا جیسے ؎

آں شنیدی کہ شاہدے بہ نہفت — با دلِ از دست دادۂ میگفت
تا ترا قدرِ خویشتن باشد — پیشِ چشمت چہ قدرِ من باشد

۳ - ان دونوں کتابوں میں یہ بات بھی تعجب انگیز ہے۔ کہ باوجودیکہ صنائع لفظی و معنوی ان میں کثرت سے موجود ہیں۔ اور تقریباً نصف گلستان کے فقرے مسجع اور مقفےٰ ہیں۔ بایں ہمہ وہ سادگی میں ضرب المثل ہیں۔ اور جہاں نثرِ عاری کا ذکر آتا ہے وہاں سب سے پہلے گلستان کی مثال دی جاتی ہے۔ فی الواقع یہ شیخ کے کمالِ انشا پردازی کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ شاعر اور منشی جب الفاظ کی زیادہ رعایت کرتا ہے۔ تو اُس کے کلام میں خواہی نخواہی بناوٹ اور تکلف پیدا ہو جاتا ہے۔ اور سررشتہ حُسنِ معنی ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ شیخ نے صنائع لفظی اور معنوی کو ایسی خوبصورتی اور سلیقہ سے برتا ہے۔ کہ کہیں ساختگی اور تصنع کا گمان نہیں ہوتا۔ مگر وہ اِن عارضی نمایشوں کا ایسا پابند نہیں ہے کہ ان کے لئے فصاحت و بلاغت سے دست بردار ہو جائے۔ جہاں الفاظ مساعدت کرتے ہیں۔ وہاں ایک ہلکی سی چاشنی بھی دیدیتا ہے۔ اُس کی نثر میں مسجع اور مرصع فقرے سادے فقروں میں ایسے ملے ہوئے ہیں جیسے پشمینے کی شال میں ریشم کی تار۔ جب تک خاص توجہ سے نہ دیکھا جائے۔ تمام فقرے یکساں اور ہموار معلوم ہوتے ہیں۔ البتہ بعض حکایتوں میں اس نے صنائع لفظی و معنوی کی زیادہ رعایت کی ہے جیسے ساتویں باب کی اُنیسویں حکایت جس میں اپنا اور ایک

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شخص کا مناظرہ توانگری اور درویشی کے باب میں لکھا ہے۔ مگر اُس میں بھی الفاظ کو حسنِ معنی میں خلل انداز نہیں ہونے دیا۔ جس قدر اس حکایت کے الفاظ میں تناسب اور حسنِ انتظام پایا جاتا ہے۔ اُس سے زیادہ خیالات میں سنجیدگی اور اصلیت اور واقعیت موجود ہے۔ حکایت مذکور کے چند متفرق فقرے بطور نمونہ کے یہاں نقل کئے جاتے ہیں:-

"توانگراں دخلِ مسکینانند۔ و ذخیرۂ گوشہ نشیناں۔ و مقصدِ زائراں۔ و کہفِ مسافراں۔ و متحمّلِ بارِ گراں از بہرِ راحتِ دگراں۔ دست بطعام آنگہ برند کہ متعلقاں و زیر دستاں بخورند۔ و فضلۂ مکارمِ ایشاں بہ ازاہل و ایتام و پیراں و اقارب و جیراں برسد[1] ... از معدۂ خالی چہ قوت آید۔ و از دستِ تہی چہ مروت زاید و از پائے بستہ چہ سیر آید۔ و از دستِ گرسنہ چہ خیر۔ ... فراغت با فاقہ نہ پیوندد۔ و جمعیت با تنگدستی صورت نہ بندد۔ یکے تحریمۂ عشا بستہ و دیگرے منتظرِ عشا نشستہ ایں بداں کے ماند ... اشارتِ خواجہ عالمؐ بفقرِ طائفہ ایست کہ مردِ میدانِ رضا اند و تسلیم تیرِ قضا۔ نہ ایناں کہ خرقۂ ابرار پوشند۔ و لقمۂ ادرار نوشند ... مشغولِ کفاف از دولتِ عفاف محروم است و ملکِ فراغت زیرِ نگیں رزقِ معلوم ... گفت چنداں مبالغہ در وصفِ ایشاں بکردی۔ و سخنہائے پریشاں بگفتی کہ وہم تصوّر کند تریاقند۔ یا کلیدِ خانۂ ارزاق۔ مشتے متکبر و مغرور۔ و متعجب و نفور مشتغلِ مال و نعمت۔ و مفتتنِ جاہ و ثروت سخن نگویند۔ اِلّا بسفاہت و نظر نکنند۔ اِلّا بکراہت۔ علما را بگدائی منسوب کنند۔ و فقرا را بہ بے سر و پائی معیوب گردانند۔ بعزتِ مالے کہ دارند و غیرتِ جاہے کہ پندارند برتر از ہمہ نشینند۔ و خود را بہتر از ہمہ شناسند۔ نہ آں در سر دارند کہ سر بکسے فرود آرند بے خبر از قولِ حکما کہ گفتہ اند "ہر کہ بطاعت از دیگراں کم است و نعمت بیش۔ بصورت توانگر است و بمعنی درویش"۔ ... گفتم مذمتِ ایشاں۔ روا مدار کہ

[1] یہ نشان ... اِس بات کے ہیں۔ کہ یہاں کچھ فقرے چھوڑ دیئے گئے ہیں ؂

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خداوندان کرم اند گفت غلط کردی کہ بندگانِ درم اند چہ فائدہ کہ ابرِ آذار اند و بر
کس نمے بارند۔ و چشمۂ آفتاب اند و بر کس نمے تابند۔ و بر مرکب استطاعت سوار آرند۔ و
نمیرانند۔ و قدمے بہر خدا نہ نہند۔ و درمے بے من و اذیٰ ندہند۔ مالے بمشقت
فراہم آرند۔ و بہ خست نگہدارند۔ و بحسرت بگذارند۔ چناں کہ بزرگاں گفتہ اند "سیم
بخیل وقتے از خاک بر آید کہ بخاک در آید... گفتمش بر بخلِ خداوندانِ نعمت وقوف
نیافتہ۔ اِلّا بعلّتِ گدائی۔ و گرنہ ہر کہ طمع یکسو نہد کریم و بخیلش یکے نماید۔ محک داند
کہ زر چیست و گدا داند کہ ممسک کیست... محالِ عقل است کہ اگر ریگ بیابان
دُر شود چشمِ گدایاں پر شود... ہرگز دیدۂ دستِ و غائی بر کتف بستہ۔ یا بعلّتِ بینوائی
در زنداں نشستہ۔ یا پردۂ معصومی دریدہ۔ یا کفے از معصم بریدہ الّا بعلّتِ درویشی
شیر مرداں را بحکمِ ضرورت در نقب ہا گرفتہ اند و کعب ہا سُفتہ... اغلب تہیدستاں
دامنِ عصمت بمعصیت آلایند۔ و گرسنگاں نامِ مردم ربایند بیت

چوں سگِ درّندہ گوشت یافت نپرسد — کیں شترِ صالح است یا خرِ دجّال

... گفتا نہ۔ من بر حالِ ایشاں رحمت مے برم۔ گفتم نہ۔ کہ بر مالِ ایشاں حسرت
میخوری... ہر بیذقے کہ براندے بدفعِ آں کوشیدمے و ہر شاہے کہ بخواندے
بفرزیں بپوشیدمے۔ تا نقدِ کیسۂ ہمّت در باخت۔ و تیرِ جعبۂ حجت ہمہ بنیداخت
... ہر جا کہ گل است خار است و با خمر خمار و بر سرِ گنج مار۔ و آنجا کہ دُرِ شاہوار است
نہنگِ مردم خوار۔ لذّتِ عیشِ دنیا را لدغۂ اجل در پیش است۔ و نعیمِ بہشت را دیو
مکارہ در پیش... نظر نہ کنی در بستان کہ بید مشک است۔ و چوبِ خشک ہمچنیں
در زمرۂ توانگراں شاکر اند و کفور۔ و در حلقۂ درویشاں صابر اند و ضجور... مقرّبان
حضرتِ حق جلّ و علا توانگرانند درویش سیرت۔ و درویشانند توانگر ہمت۔ و مہینِ توانگران
ست کہ غمِ درویشاں بخورد۔ و بہینِ درویشاں آں کہ کمِ توانگراں گیرد... نعم طائفہ ہستند
بدیں صفت کہ بیان کردی۔ قاصرِ ہمّت و کافرِ نعمت۔ کہ ببرند و بنہند و نخورند و ندہند"...
قومے بریں نمط ہستند کہ شنیدی۔ و طائفہ خوانِ نعمت نہادہ و صلائے کرم در دادہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

و میاں بخدمت بستہ۔ وابرو بتواضع کشادہ۔ طالب نام اند و مغفرت۔ و صاحب دُنیا و آخرت ؎

۴۔ شیخ اکثر ان کتابوں میں ایسی حکایتیں لکھتا ہے۔ جن میں باوجود موعظت بلیغ کے کسی قدر ظرافت و خوش طبعی کی بھی گنجائش ہو۔ پھر اپنے حسنِ بیان سے تمام حکایت کو نہایت لطیف و ملیح کر دیتا ہے۔ اور کبھی وہ ایک سیدھی سادی حکایت میں کوئی گرم فقرہ یا لطیف کنایہ ایزاد کر کے اُس میں نون مرچ لگا دیتا ہے۔ تاکہ پند و موعظت کی تلخی ظرافت کی چاشنی سے دُور ہو جائے۔ چنانچہ گلستان کے خاتمہ میں اُس نے لکھا ہے:-

"غالبِ گفتارِ سعدی طرب انگیز است و طیبت آمیز۔ و کوتہ نظران را بدیں علت زبانِ طعنہ دراز کہ مغزِ دماغ بیہودہ بردن و دودِ چراغ بیفایدہ خوردن کارِ خردمنداں نیست۔ ولیکن بر رائے روشنِ صاحب دلاں کہ روئے سخن در ایشان است پوشیدہ نماند کہ دُرِ موعظت ہائے صافی در سلکِ عبارت کشیدہ است۔ و داروئے تلخِ نصیحت بشہدِ ظرافت آمیختہ۔ تا طبعِ ملولِ انساں از دولتِ قبول محروم نماند۔"

جو ظرافت اُس نے بوستان اور گلستاں میں برتی ہے۔ وہ اکثر نہایت سنجیدہ اور معقول ہے۔ البتہ کہیں کہیں اُس کے قلم سے ایسے الفاظ بھی ٹپک پڑے ہیں جو قانونِ شرم و حیا سے کسی قدر متجاوز ہیں۔ لیکن ایک ظریف طبع اور شوخ مزاج آدمی کا ایسے الفاظ سے بچنا اُسی سوسائٹی میں ممکن ہے۔ جس میں مرد و عورت تقریباً تمام جلسوں میں شریک ہوتے ہیں۔ اور جہاں مردوں کو عورتوں کی مجالست اور اُنکے تعلیم یافتہ ہونے کے سبب ہمیشہ تحریر و تقریر میں زبان قابو میں رکھنی پڑتی ہے۔ ورنہ طبیعت کی شوخی ایک ایسی چیز ہے جو بغیر سخت مزاحمت کے کسی طرح رُک نہیں سکتی ؎

نکو رُو تابِ مستوری ندارد چو در بندی سر از روزن بر آرد

اِس قسم کی چند حکایتیں مثال کے طور پر یہاں لکھی جاتی ہیں:-

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مثال ۱- مہمان پیرے بُودم در دیاربکر که مالِ فراواں داشت و فرزندے خوبروے شبے حکایت کرد- که مرا در ہمہ عمر جز ایں فرزند نبوده است- درختے دریں وادی زیارت گاه است که مردماں بحاجت خواستن آنجا روند- شبہائے دراز در پائے آں درخت بحق نالیده ام- تا مرا ایں فرزند بخشیده- شنیدم که پسر با رفیقاں ہمیگفت "چه بودے که من آں درخت را بدانستمے که کجا ست تا دعا کردمے که پدرم زود تر بمیرد"- خواجه شادی کناں که پسرم عاقل است- و پسر طعنه زناں که پدرم فرتوت لا یعقل قطعه

سالہا بر تو بگذرد که گذر | نه کنی سوئے تربت پدرت
تو بجائے پدر چه کردی خیر؟ | تا ہماں چشم داری از پسرت

مثال ۲- پیر مردے را حکایت کنند- که دخترے خواسته و حجره بگل آراسته و بخلوت با او نشسته و دیده و دل درو بسته- شبہائے دراز نخفتے و بذلہا و لطیفہا گفتے باشد که موانست پذیرد- و وحشت نگیرد- بالجملہ شبے گفت "بخت بلندت یار بود و چشمِ دولت بیدار که بہ صحبتِ پیرے افتادی پخته پرورده جہاندیدہ آرمیدہ- نیک و بد جہاں آزموده- سرد و گرم روزگار چشیده که حقِ صحبت بداند- و شرطِ مودّت بجا آرد- مشفق و مہربان- خوش طبع شیریں زبان- مثنوی

تا توانم دلت بدست آرم | ور بیازاریم نیازارم
ور چو طوطی شکر بود خورشت | جانِ شیریں فدائے پرورشت

نه گرفتار آمدی بدست جوانے معجب- خیره رائے- سر تیز- سبک پائے که ہر دم ہوسے پزد- و ہر شب جائے خسپد- و ہر روز یارے گیرد قطعه

جواناں خرم اند و خوب رخسار | و لیکن در وفا باکس نپایند
وفاداری مدار از بلبلاں چشم | که ہر دم بر گلے دیگر سرایند

بخلافِ پیراں که به عقل و ادب زندگانی کنند- نه بمقتضائے جہل و جوانی بیت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

زخود بہترے جوئے فرصت شمار | کہ باچوں خودے گم کنی روزگار

گفت چندانکہ بریں نمط گفتم۔ گماں بردم کہ دلش در قید من آمد۔ وصید من شد ناگاہ نفسے سرد از دلِ پُر درد بر آورد و گفت کہ چندیں سخن کہ گفتی در ترازوئے عقل من وزن آں یک سخن ندارد۔ کہ وقتے شنیدہ ام از قابلہ خویش کہ گفت زن جواں را اگر تیرے در پہلو نشیند بہ کہ پیرے" فی الجملہ امکان موافقت نبود بمفارقت انجامید۔ چوں مدت عدتش بسر آمد۔ عقد نکاحش بستند۔ با جوانے تند ترش روئے تہیدست۔ بدخوئے۔ جور و جفا میدید۔ و رنج و عنائے کشید۔ وشکر نعمت حق ہمچناں میگفت کہ الحمد للہ ازاں عذاب الیم برہیدم۔ وبدیں نعمت مقیم رسیدم قطعہ

با تو مرا سوختن اندر عذاب | بہ کہ شدن با دگرے در بہشت

بوئے پیاز از دہن خوبروی | خوبتر آید کہ گل از دست زشت

مثال ہم۔ مرا حاجتے شانہ عاج داد | کہ رحمت بر اخلاق حجاج باد

شنیدم کہ بارے سگم خواندہ بود | کہ از من بنوعے دلش ماندہ بود

بینداختم شانہ کایں استخواں | نبایدم دیگرم سگ مخواں

مپندار چوں سرکہ خود خورم | کہ جور خداوند حلوہ برم

قناعت کن اے نفس بر اندکے | کہ سلطان و درویش بینی یکے

چرا پیش خسرو بخالت روی | چو یک سو نہادی طمع خسروی

یہاں پہلی بیت کے دوسرے مصرعہ میں رحمت کا لفظ کنایۃً بجائے نفرین اور اس کے مرادف الفاظ کے لایا گیا ہے۔ کیونکہ شعرا کے نزدیک حاجیوں کی سنگدلی۔ قساوت اور تکبر وغیرہ صفات ذمیمہ مسلّم ہیں۔ چنانچہ گلستاں میں بھی شیخ نے ایک جگہ لکھا ہے ؂

از من بگوے حاجئے مردم گزاے را | کو پوستین خلق بہ آزار میدرد

حاجی تو نیستی شتر ست از برای آنکہ | بیچارہ خار می خورد و بار میبرد

ایک اور شاعر کہتا ہے ؂

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

چوں عاملے کہ دل ز وریخانہ جمع کرد   حاجی ستم بخلقِ خدا بیشتر کند

پس ظاہر ہے کہ جو شوخی اس کنایہ میں ہے وہ صراحت میں ہرگز ممکن نہ تھی اکثر ناواقف لوگ اس جگہ رحمت کو اپنے تحقیقی معنی پر محمول کرتے ہیں۔ مگر حکایت کا مضمون جس سے رنجش اور شکایت پائی جاتی ہے۔ حقیقی معنی سے آیا کرتا ہے

مثال ۴۔ بازرگانے را دیدم کہ صد و پنجاہ شتر بار داشت و چہل بندہ خدمتگار۔ شبے در جزیرہ کیش مرا بحجرۂ خویش برد۔ وہمہ شب نیارمید از سخنہائے پریشاں گفتن کہ فلاں انبارم بترکستان ست و فلاں بضاعت بہندوستان و ایں قبالہ فلاں زمین ست و فلاں مال را فلاں کس ضمین "گاہے گفتے کہ خاطر اسکندریہ دارم۔ کہ ہوائش خوش است و باز گفتے نہ کہ دریائے مغرب مشوش است سعدیا سفرے دیگر در پیش است۔ اگر آں کردہ شود بقیت عمر بگوشہ بنشینم گفتم آں کدام سفر است۔ گفت گوگردِ پارسی بہ چین خواہم بردن کہ شنیدم کہ قیمتِ عظیم دارد۔ و از انجا کاسۂ چینی بروم برم۔ و دیبائے رومی بہند۔ و پولادِ ہندی بحلب و آبگینۂ حلبی بیمن و بُردِ یمانی بپارس۔ ازاں پس ترکِ سفر کنم و بدکانے نشینم چندانے ازیں مالیخولیا فرو گفت۔ کہ بیش طاقت گفتنش نماند۔ گفت سعدی تو ہم سخنے بگو ازانہا کہ دیدی و شنیدی۔ گفتم قطعہ

آں شنیدستی کہ وقتے تاجرے   در بیابانے بیفتاد از ستور
گفت چشم تنگ دنیادار را   یا قناعت پُر کند یا خاکِ گور

مثال ۵۔ ملک صالح از بادشاہاں شام   بروں آمدے صبح دم با غلام
بگشتے در اطرافِ بازار و کوے   برسمِ عرب نیمہ بر بستہ روے
کہ صاحب نظر بود درویش دوست   ہر آں کیں دو دارد ملک صالح اوست
دو درویش در مسجدے خفتہ یافت   پریشاں دل و خاطر آشفتہ یافت
شب سردِ شاں دیدہ نابُردہ خواب   جو حربا تامّل کناں آفتاب
یکے زاں دو میگفت با دیگرے   کہ در روز محشر بود داورے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گراین بادشاہان گردن فراز — کہ در لہو و عیش اند باکام و ناز

در آیند با عاجزاں در بہشت — من از گور سر بر نگیرم ز خشت

بہشت بریں ملک و ماوائے ماست — کہ بندِ غم امروز بر پائے ماست

ہمہ عمر ازیناں چہ دیدی خوشی — کہ در آخرت نیز زحمت کشی

اگر صالح آنجا بدیوار باغ — در آید بکفشش بدرّم دماغ

چو مرد ایں سخن گفت و صالح شنید — دگر بودن آنجا مصالح ندید

دمے رفت تا چشمۂ آفتاب — ز چشم خلائق فرو شست خواب

رواں ہر دو کس را فرستاد و خواند — بہ ہیبت نشست و بحرمت نشاند

بر ایشاں ببارید باران جُود — فرو شُست شاں گرد ذل از وجود

پس از رنج و سرما و باراں و سیل — نشستند با نامداران خیل

گدایان بے جامہ شب کردہ روز — معطر کناں جامہ بر عود سوز

یکے گفت از ایناں ملک را نہاں — کہ اے حلقہ در گوش حکمت جہاں

پسندیدگاں در بزرگی رسند — ز ما بندگانت چہ آید پسند

شہنشہ ز شادی چو گل بر شگفت — بخندید در روئے درویش و گفت

من آنکس نیم کز غرور حشم — ز بے چارگاں روئے درہم کشم

تو ہم با من از سر بنہ خُوئے زشت — کہ ناسازگاری کنی در بہشت

من امروز کردم در صلح باز — تو فردا مکن در برویم فراز

چنیں راہ گر مقبلی پیش گیر — شرف بایدت دست درویش گیر

بر از شاخ طوبے کسے بر نداشت — کہ امروز تخم ارادت نہ کاشت

ارادت نداری سعادت مجوے — بچوگانِ خدمت تواں بُرد گوے

ترا کے بود چوں چراغ التہاب — کہ از خود پُری ہمچو قندیل از آب

وجودے دہد روشنائی بجمع — کہ سوزیش در سینہ باشد چو شمع

۵- وہ اکثر نہایت پاکیزہ اور لطیف نکتے جن سے عموماً اذہان خالی ہوتے ہیں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ایسی معمولی اور سرسری باتوں سے نکال لینا ہے۔ جو عام ذہنوں میں موجود ہوتی ہیں۔

مثال ۱۔ ہر نفسے کہ فرو میرود ممدّ حیات است و چوں برمے آید مفرّح ذات۔ پس در ہر نفسے دو نعمت موجود است و بہر نعمتے شکرے واجب۔ یہ بات کہ داخلی اور خارجی دونوں سانس انسان کی زندگی اور تفریح کے باعث ہیں سب کو معلوم تھی۔ اور یہ بھی معلوم تھا کہ ہر ایک نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ مگر یہ نکتہ مخفی تھا کہ ہر سانس میں خدا کا شکر کرنا واجب ہے۔

مثال ۲۔

جو طفل اندروں دارد از حرص پاک — چہ مشتِ زرش پیش و چہ مشتِ خاک

یہ بات سب کو معلوم تھی۔ کہ بچہ حرص اور طمع سے پاک ہوتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم تھا کہ اسکو سونے اور مٹی میں کچھ تمیز نہیں ہوتی۔ مگر یہ نکتہ مخفی تھا کہ سونے اور مٹی کو برابر جاننا جو کہ اعلیٰ درجہ کے عرفا اور خدارسیدہ لوگوں کا منصب ہے بچہ کو گویا فقط حرص اور طمع سے پاک ہونے کے سبب حاصل ہے۔ کیونکہ سونے اور مٹی میں کچھ فرق نہ کرنا اس میں جبھی تک باقی رہتا ہے۔ جب تک حرص اور ہوس پیدا نہیں ہوتی۔ پس ایک شاعرانہ فلسفی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ دونوں باتیں لازم و ملزوم ہیں۔

۳۔ ازاں کز تو ترسد بترس اے حکیم — وگر با چو او صد برآئی بجنگ
ازاں مار برپائے راعی زند — کہ ترسد سرش را بکوبد بسنگ

یہ بات سب جانتے ہیں کہ کبھی کبھی عاجز اور زیردست بھی زبردستوں پر غالب آجاتے ہیں اور سانپ کا وار بھی کبھی کبھی چرواہے پہ چل جاتا ہے۔ یہ نکتہ مخفی تھا کہ جو اپنے سے ڈرے اس سے ڈرنا چاہیئے۔ کیونکہ عام خیال یہ ہے۔ کہ جو اپنے سے ڈرے اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے

۴۔ وہ کہ گر مُردہ باز گردیدے — بمیانِ قبیلہ و پیوند

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رو میراث سخت تر بود   وارثاں را ز مرگ خویشاوند

یہ بات سب کو معلوم تھی کہ میراث بہت عزیز چیز ہے۔ اور یہ بھی معلوم تھا کہ مرگ خویشاوند سخت مصیبت ہے۔ مگر یہ نکتہ مخفی تھا۔ کہ اگر مُردہ پلٹ کر آتا تو وارثوں کو میراث کا واپس دینا اس کے ماتم کے رنج سے زیادہ سخت اور ناگوار ہوتا ؞

اسی طرح وہ نہایت سرسری اور معمولی سرگذشتوں سے ایسے اور اچھوتے نتیجے نکال لیتا ہے۔ جو وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے۔ مثلاً یہ کہ میرے باپ نے بچپن میں مجھ کو ایک انگوٹھی پہنا دی تھی۔ ایک روز ایک شخص نے ایک کھجور دے کر مجھ سے وہ انگوٹھی لے لی۔ چونکہ بچہ انگوٹھی کی قدر نہیں جانتا اس لئے ذراسی مٹھاس کا لالچ دے کر اس سے لی جا سکتی ہے۔ بس جو لوگ عمر کو عیش شیریں میں برباد کر دیتے ہیں۔ شاید وہ عمر کی قدر نہیں جانتے۔ یا مثلاً ایک بار عید کے دن باپ کے ساتھ عید گاہ میں گیا۔ اتفاقاً خلق کے ہجوم میں باپ چھوڑ گیا۔ میں اسی حالت میں رو رہا تھا۔ کہ باپ نے آکر دفعتہً میرا کان مروڑا۔ اور فرمایا۔ "میں نے تجھ کو بار بار کہا ہے کہ میرا دامن پکڑے رہا کر۔ مگر تو نہیں مانتا۔" سچ ہے جس طرح انجان بچہ اپنے آپ رستہ نہیں چل سکتا۔ اسی طرح سالک بغیر مشائخ اور کاملین کی دستگیری کے منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا۔ یا مثلاً میرے جسم میں کپڑوں کے اندر ایک زخم تھا۔ شیخ علیہ الرحمۃ ہمیشہ پوچھتے تھے کہ کیسا ہے۔ مگر یہ کبھی نہ کہتے تھے۔ کہ کہاں ہے۔ اس سے میں نے جانا کہ ہر عضو کا نام لینا روا نہیں ہے۔ یا مثلاً ایک شخص نے اپنے بیٹے کے کان امیٹھ کر کہا کہ نالائق میں نے تجھ کو کلہاڑی لکڑیاں چیرنے کو دی تھی۔ مسجد کی دیوار ڈھانے کو نہیں دی تھی۔ اسی طرح زبان ذکر اور شکر کرنے کیلئے بنی ہے لوگوں کی غیبت کرنیکے لئے نہیں بنی۔ یا ایک شخص مٹی میں سنا ہوا مسجد میں جانے لگا۔ دوسرے نے اس کو جھڑک دیا کہ خبردار جو مسجد میں قدم رکھا۔ میرا دل یہ بات سنکر بھر آیا۔ کہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

انسوس بہشت میں بھی جو ایک پاک جگہ ہے دامن آلودہ لوگ نہ جا سکیں گے ۔

۶- حسن تاویل اور لطیف استدلال جیسا کہ جا بجا اس کے کلام میں پایا جاتا ہے ایسا اور شعرا کے کلام میں نہیں دیکھا گیا۔

مثال ۱- شنیدی کہ در روزگار قدیم — شدے سنگ در دست ابدال سیم
نہ پنداری ایں قول معقول نیست — چو قانع شدی سیم و سنگت یکیست

یعنی جو مشہور ہے کہ اگلے زمانہ میں ابدال کے ہاتھ میں پتھر چاندی ہو جاتے تھے۔ اس میں کوئی بات عقل کے خلاف نہیں ہے کیونکہ جو لوگ قانع ہوتے ہیں اُن کے نزدیک پتھر اور چاندی میں فرق نہیں ہوتا - ایک امر خارق عادت کس حسن بیان کے ساتھ کیسے مختصر لفظوں میں عادت کے موافق ثابت ہوتا ہے ۔

۲- رہ عقل جز پیچ در پیچ نیست — بر عارفاں جز خدا ہیچ نیست
تواں گفتن ایں با حقائق شناس — ولے خردہ گیرند اہل قیاس
کہ پس آسمان و زمیں چیستند — بنی آدم و دام و دد کیستند
پسندیدہ پرسیدی اے ہوشمند — بگویم گر آید جوابت پسند
کہ ہاموں و دریا و کوہ و فلک — پری آدمی زاد و دیو و ملک
ہمہ ہر چہ ہستند زاں کمتر اند — کہ با ہستیش نام ہستی برند
عظیم ست پیش تو دریا بہ موج — بلند ست گردون گرداں بہ اوج
ولے اہل صورت کجا پے برند — کہ ارباب معنی بملکے درند
کہ گر آفتاب است یکذرہ نیست — وگر ہفت دریاست یکقطرہ نیست
چو سلطان عزت علم برکشد — جہاں سر بجیب عدم درکشد

یہاں اس نے وحدت وجود کے اصلی معنی جو کہ اہل نظر کی سمجھ سے بالاتر تھے نہیں بتلائے - بلکہ ایک اور معنی جنکو ہر شخص تسلیم کر سکتا ہے۔ نظم میں ایسی لطافت اور خوبی سے بیان کئے ہیں کہ کوئی اور نثر میں بھی مشکل سے بیان کر سکتا ۔

۳- نگہدار فرصت کہ عالم دمے است — دمے پیش دانا بہ از عالمے است

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سکندر کہ بر عالمے حکم داشت — دراں دم کہ بگذشت و عالم گذاشت
میسر نبودش کز و عالمے — ستانند و فرصت دہندش دمے

یہاں اس نے دو متضاد دعوے کئے ہیں۔ ایک یہ کہ عالم ایک سانس کا نام ہے دوسرا یہ کہ ایک سانس عاقل کے نزدیک عالم سے بہتر ہے۔ پھر دونوں دعووں کو ایک دلیل سے ثابت کیا ہے۔ کیونکہ جب ایک سانس کے نہ آنے سے تمام عالم سکندر کے ہاتھ سے جاتا رہا تو معلوم ہوا کہ اسی سانس کا نام عالم تھا۔ اور جب کہ ایک سانس اسکو تمام عالم کے عوض میں نہ مل سکا تو معلوم ہوا کہ ایک سانس تمام عالم سے بہتر تھا۔ یہ غایت درجہ کا حسن استدلال ہے۔ کہ دو متضاد دعوے ایسی شگفتہ بیانی اور اختصار اور صفائی کے ساتھ ایک ہی دلیل سے ثابت کئے جائیں اور حسن شعر بھی ہاتھ سے نہ جائے ۔

۷۔ نیچر کے بیان میں شیخ کا کلام فی الواقع لاثانی ہے۔ خدا کی صنعت اور حکمت کے متعلق وہ وہی باتیں بیان کرتا ہے جو سب جانتے ہیں لیکن یہ کسی کی طاقت نہیں کہ ان کو ویسے پاکیزہ اور دل نشین بیان کے ساتھ ادا کر سکے۔ اس کے نیچرل بیان پر غالب مرحوم کا یہ شعر صادق آتا ہے۔ شعر

دیکھنا تقریر کی لذت کو جو اسنے کہا — میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

مثال ا۔ گر از حق نہ توفیق خیرے رسد — کے از بندہ خیرے بہ غیرے رسد
زباں را چہ بینی کہ اقرار داد — بہ بیں تا زباں را کہ گفتار داد
در معرفت دیدۂ آدمی ست — کہ بکشادہ بر آسماں و زمی ست
کیت فہم بودے نشیب و فراز — گر ایں در نہ کردے بروے تو باز
سر آورد و دست از عدم در وجود — دریں جود بنہاد و دروے سجود
دگر نہ کے از دست جود آمدے — محال ست کز سر سجود آمدے
بحکمت زباں داد و گوش آفرید — کہ باشند صندوق دل را کلید
اگر نہ زباں قصہ بر داشتے — کس از سر دل کے خبر داشتے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دگر نیستے سعی جاسوس گوش | خبر کے رسیدے بسلطان ہوش
مرا لفظ شیریں خواننده داد | ترا سمع دراک دانندہ داد
مدام ایں دو چوں حاجیاں بردر اند | ز سلطاں بہ سلطاں خبر مے برند
چہ اندیشی از خود کہ فعلم نکوست | ازاں درنگہ کن کہ تقدیر اوست
برو بوستاں باں بہ ایوان شاہ | بہ تحفہ ثمر ہم ز ایوان شاہ

اس نظم میں اس نے یہ بات بیان کی ہے کہ بدوں خدا کی توفیق کے آدمی سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور زبان، کان آنکھ، سر اور ہاتھ جن ظاہری اغراض کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ وہ اغراض بیان کی ہیں یہ تمام باتیں کم وبیش ہر شخص کو معلوم ہوتی ہیں مگر جس ترتیب سے شیخ نے انکو بیان کیا ہے اس کے لحاظ سے تمام مضمون نرالا معلوم ہوتا ہے۔ اخیر بیت میں انسان کی بندگی اور عبادت کو باغبان کی ڈالی سے جو کہ بادشاہی کے باغ میں سے بادشاہ کے لئے لگا کرلے جاتا ہے تمثیل دیکر مضمون کا حسن انتہا کو پہنچا دیا ہے۔

۲- دو صد مہرہ در یک دگر ساختست | کہ گل مہرۂ چوں تو پرداختست
رگت در تن است اے پسندیدہ خوی | زمینے در و سیصد و شصت جوے
بصر در سر و فکر و رائے و تمیز | جوارح بدل دل بدانش عزیز
بہائم برو اندر افتادہ خوار | تو ہمچوں الف بر قدمہا سوار
نگوں کردہ ایشاں سر از بہر خور | تو آری بعزت خورش پیش سر
نہ زیبد ترا باچنیں سروری | کہ سر جز بطاعت فرود آوری

۳- شب از بہر آسائش تست و روز | مہ روشن و مہر گیتی فروز
صبا از برائے تو فراش وار | ہمے گستراند بساطِ بہار
اگر باد و برف است و باراں و میغ | وگر رعد چوگاں زند برق تیغ
ہمہ کار داراں فرماں برند | کہ تخم تو در خاک مے پرورند
وگر تشنہ مانی ز سختی مجوش | کہ سقائے ابر آبت آرد بدوش

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

زخاک آور د رنگ و بوئے طعام | تماشاگہ دیدہ و مغز و کام
عسل دادت از نحل و من از ہوا | رُطب دادت از نخل نخل از نوا
ہمہ نخلبنداں بخائید دست | زحیرت کہ نخلے چنیں کس نہ بست
خور و ماہ و پرویں برائے تواند | قنادیل سقف سرائے تواند
زخارت گل آورد و از نافہ مشک | زر از کان و برگِ تر از چوب خشک
بدست خودت چشم و ابرو نگاشت | کہ محرم باغیار نتواں گذاشت
توانا کہ آں نازنیں پرورد | بالوانِ نعمت چنیں پرورد
بجاں گفت باید نفس بر نفس | کہ شکرش نہ کار زبان ست و بس

۸- وہ اکثر قانون قدرت سے اشیاء کے حسن و قبح اور اصول اخلاق کے ثبوت پر استدلال کرتا ہے - اور ایسا استدلال ہمیشہ دیگر اقسام استدلال کی نسبت زیادہ دلنشیں اور عام فہم ہوتا ہے۔ کلام الٰہی میں مبدا و معاد کے ثبوت پر زیادہ تر اسی قسم کا استدلال کیا گیا ہے۔

مثال (۱) پلیدی کند گربہ برجائے پاک | چو زشتش نماید بپوشد بہ خاک
تو آزادی از ما پسندیدہ ہا | نترسی کہ بر وے فتد دیدہ ہا

بلی کو قدرت نے یہ بات سکھائی ہے کہ وہ جہاں کہیں بول و براز کرتی ہے اُسکو فوراً مٹی سے ڈھانک دیتی ہے اس سے وہ اس بات پر استدلال کرتا ہے کہ بُرے اعمال کو ہمیشہ لوگوں سے چھپانا چاہیئے۔ جو ایسا نہیں کرتے وہ ایک جانور کے برابر بھی سمجھ نہیں رکھتے۔

۲- حلم شتر چنانکہ معلوم است اگر طفلے مہارش گیرد و صد فرسنگ ببرد - گردن از متابعتِ او نہ پیچد - اما اگر راہے ہولناک پیش آید - کہ موجب ہلاک باشد و طفل آنجا بنادانی خواہد رفتن - زمام از کفش درگسلاند - و بیش متابعت نہ کند کہ ہنگام درشتی ملاطفت مذموم است قطعہ

کسے کہ لطف کند با تو خاک پائش باش | وگر ستیزہ کند در دو چشمش افگن خاک

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سخن بلطف و کرم با درشت خوے مگوے　　　کہ زنگ خوردہ نگردد مگر بسوہن پاک

یہاں اسکو یہ سمجھانا منظور تھا کہ نرمی وہیں تک پسندیدہ ہے جہاں تک دوسری طرف سے درشتی اور سختی اور اپنی مضرت کا احتمال نہ ہو ورنہ مذموم ہے اس مطلب پر وہ یہ دلیل لاتا ہے کہ اونٹ کو بھی قدرت نے یہ بات سکھائی ہے کہ جب تک کچھ خطرہ نہیں ہوتا ایک بچہ اس کی نکیل پکڑ کر جہاں تک چاہتا ہے لے جاتا ہے۔ مگر جہاں کچھ خوف ہوتا ہے وہاں اس کی اطاعت نہیں کرتا اور رسی تڑا کر بھاگ جاتا ہے۔

۳- برہ بر کیے پیشم آمد جواں　　　بہ تگ در پیش گوسفندے دواں

بدو گفتم ایں ریسماں ست و بند　　　کہ مے آرد اندر بہیت گوسفند

سبک طوق و زنجیر از و باز کرد　　　چپ و راست پوئیدن آغاز کرد

برہ در پیش ہم چناں مید وید　　　کہ جو خوردہ بود از کف مرد خوید

چو باز آمد از عیش و بازی بجاے　　　مرا دید و گفت اے خداوندراے

نہ ایں ریسماں میبرد بامنش　　　کہ احساں کمند بیست در گردنش

بہ لطفے کہ دیداست پیل دماں　　　نیارد ہمے حملہ بر پیل باں

بداں را نوازش کن اے نیک مرد　　　کہ سگ پاس دارد چو نان تو خورد

برآں مرد کند است دندان یوز　　　کہ مالد زباں بر پنیرش دو روز

یہاں اسکو یہ ثابت کرنا مقصود تھا۔ کہ جس قدر تم لوگوں کے ساتھ احسان اور بھلائی کروگے۔ اُسی قدر لوگ تمہارے دوست اور خیر خواہ و جان نثار ہوں گے اس پر وہ یہ دلیل لایا ہے کہ بکری، ہاتھی، کتا، چیتا اور اسی طرح تمام حیوانات کو قدرت نے یہ بات سکھائی ہے۔ کہ جو شخص ان کی پرورش کرتا ہے اور ان کو کھلاتا پلاتا ہے وہ اُسی کا دم بھرنے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ وحشیوں میں وحشت اور درندوں میں سبعیت باقی نہیں رہتی +

۴- وہ کبھی فقیہانہ اور واعظانہ نصیحتیں جو اکثر تلخ اور بے مزہ اور سامعین

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے دل پر گراں ہوتی ہیں۔ نہیں بلکہ آزادانہ اور محققانہ نصیحتیں کرتا ہے جو اگرچہ عام خیالات سے کسی قدر بلند ہوتی ہیں لیکن حد شرع سے ہرگز متجاوز نہیں ہوتیں اس لئے انکو زاہد اور رند دونوں پسند کرتے ہیں ؎

مثال ۱- بسرہنگ سلطان چنیں گفت زن ... کہ خیز اے مبارک درِ رزق زن
برو تا ز خوانت نصیبے دہند ... کہ فرزندگانت بہ سختی درند
بگفتا بود مطبخ امروز سرد ... کہ سلطاں بشب نیتِ روزہ کرد
زن از ناامیدی سرانداخت پیش ... ہمیگفت باخود دل از فاقہ ریش
کہ سلطاں ازیں روزہ گوئی چہ خواست ... کہ افطارِ او عید طفلانِ ماست
خورندہ کہ خیرش برآید ز دست ... بہ از صائم الدہر دنیا پرست
مسلم کسے را بود روزہ داشت ... کہ درماندۂ را دہد نانِ چاشت
وگرنہ چہ حاجت کہ زحمت بری ... ز خود باز گیری و ہم خود خوری

۲- شنیدم کہ مردے براہِ حجاز ... بہر خطوہ کردے دو رکعت نماز
چناں گرم رو در طریق خدای ... کہ خار مغیلاں نہ کندے ز پاے
بہ آخر ز وسواس خاطر پریش ... پسند آمدش در نظر کار خویش
بہ تلبیس ابلیس در چاہ رفت ... کہ نتواں ازیں خوبتر راہ رفت
گرش رحمتِ حق نہ دریافتے ... غرورش سر از جادہ برتافتے
یکے ہاتف از غیب آوازہ داد ... کہ اے نیک بخت و مبارک نہاد
مپندار گر طاعتے کردۂ ... کہ نزلے دریں حضرت آوردۂ
بہ احسانے آسودہ کردن دلے ... بہ از الف رکعت بہر منزلے

۱۰- جب اُسکو کسی خاص فرقہ یا جماعت کے واقعی عیوب بیان کرنے ہوتے ہیں۔ تو اُس کو ایسے عمدہ پیرایوں میں بیان کرتا ہے۔ کہ کسی کو ناگوار نہیں معلوم ہوتے مثلاً اسکو یہ منظور تھا کہ امرا اور دولتمندوں کو ان کے عیوب سے مطلع کرے تو اس نے اس مطلب کو صاف صاف نہیں لکھا بلکہ ایک فرضی مناظرہ اور ایک

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور شخص کا جس میں اپنے تئیں امرار کا طرفدار اور اپنے حریف کو فقرا، اور درویشوں کا حامی قرار دیا ہے۔ لکھ کر تمام دل کے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ طرف ثانی امیروں کی برائیاں اور درویشوں کی خوبیاں بیان کرتا ہے اور شیخ اس تقریر کو رد کر کے امرا کی خوبیاں اور درویشوں کی برائیاں ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح اس نے تمام سلاطین عہد اور وزراد اور امراد کی خاطر خواہ خبر لی ہے۔ چنانچہ گلستاں کے ساتویں باب میں یہ مناظرہ موجود ہے۔ یا مثلاً اسکو مشائخ و زہاد کی قلعی کھولنی منظور تھی۔ اس مضمون کو اس نے کھلم کھلا ادا نہیں کیا۔ بلکہ ایک قصہ جو بوستاں کے چوتھے باب میں مذکور ہے۔ نقل کیا ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ ایک شوخ چشم سائل کسی بزرگ کے دروازے پر بھیک مانگنے گیا۔ صاحب خانہ کے پاس اُس وقت کچھ نہ تھا اسلئے کچھ نہ دیا۔ سائل نے ڈیوڑھی سے ذرا پرے ہٹ کر اس کی اور اس کے ساتھ تمام فقراد اور مشائخ کی تفضیح اور توہین کرنی شروع کی اور خوب دل کے بخارات نکالے۔ جتنے واقعی عیب اکثر ان لوگوں میں ہوتے ہیں سب ظاہر کر دیئے۔ جب شیخ صاحب ان کے پڑے کھول چکے تو سائل کے بیان کو اپنے اس مقولے پر ختم کرتے ہیں: سے

نخواہم دریں باب ازیں بیش گفت　　　　که شنعت بود سیرت خویش گفت

یعنی میں اس باب میں اس سے زیادہ کہنا نہیں چاہتا ورنہ وہی مثل ہو گی۔ "اپنا گھٹنا کھولئے اور آپ ہی لاجوں مریئے۔ کیونکہ آپ بھی اسی گروہ میں سے ہیں پھر اس بزرگ کی تواضع اور تحمل اور حلم کا بیان کیا ہے۔ کہ باوجود ایسی زبان درازیوں کے اس نے کچھ بُرا نہ مانا۔ اور اس کے گمان سے زیادہ اپنے عیبوں کا اقرار کیا +

۱۱۔ یہ بات عموماً دیکھی گئی ہے۔ جو واقعات اسلاف سے نقل کئے جاتے ہیں وہ اتنے مؤثر نہیں ہوتے۔ جتنا کہ اپنی سرگذشت اور روداد کا بیان مؤثر ہوتا ہے۔ بشرطیکہ بیان کرنے والا نہایت فصیح اور بلیغ اور اپنے جذبات

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ادا کرنے پر قادر ہو- کیونکہ جو روائیت ایک واسطہ سے سُنی جاتی ہے -اس کا یقین بہ نسبت اس روایت کے زیادہ ہوتا ہے -جو متعدّد واسطوں سے سُنی جائے- دوسرے ناقل اپنی سرگذشت کو بہ نسبت اخبار ماعنیہ کے زیادہ پرجوش الفاظ میں بیان کر سکتا ہے گلستاں اور بوستاں میں چونکہ شیخ نے زیادہ تر اپنے ہی واقعات لکھے ہیں اور ان سے نتائج استخراج کئے ہیں -اس لئے ان کا زیادہ اثر ہوتا ہے -اور ناظرین کو زیادہ پسند آتے ہیں- خصوصاً اس وجہ سے کہ شیخ جیسا جادو بیان اُن کو بیان کرتا ہے -ایسی مثالوں سے دونوں کتابیں بھری ہوئی ہیں- یہاں صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے -

مثال- بصنعا درم طفلے اندر گذشت — چہ گویم کزانم چہ بر سر گذشت
قضا نقش یوسف جمالے نہ کرد — کہ ماہیئے گورش چو یونس نخورد
دریں باغ سروے نیامد بلند — کہ باد اجل بیخش از بن نہ کند
عجب نیست برخاک اگر گل شگفت — کہ چندیں گل اندام درخاک خفت
بدل گفتم اے ننگ مرداں بمیر — کہ کودک رود پاک وآلودہ پیر
زسودا وآشفتگی بر قدش — برانداختم سنگے از مرقدش
زہولم دراں جائے تاریک وتنگ — بشورید حال وبگردید رنگ
چو باز آمدم زاں تغیر بہوش — ز فرزند دلبند آمد بگوش
گرت وحشت آمد زتاریک جائے — بہش باش وبا روشنائی درآئے
شب گور خواہی منوّر چو روز — ازینجا چراغ عمل بر فروز
تن کارکن مے بلرزد زتب — مبادا کہ نخلش نیارد رطب
گروہے فراواں طمع ظن برند — کہ گندم نیفشاندہ خرمن برند
برآں خورد سعدی کہ بیخے نشاند — کسے برد خرمن کہ تخمے فشاند

۱۲- جب اسکو کسی نیک کام کی ترغیب دینی ہوتی ہے تو ایسے غریب اور اجنبی مباحث پیش نہیں کرتا -جو لوگوں کے خیالات میں بہت کم گذرتے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

ہیں۔ بلکہ ایسی معمولی باتیں یاد دلاتا ہے جو اس کام کی نسبت ہمیشہ خاص و عام کے دل میں گزرتی ہیں۔ اور ان کی آنکھوں کے سامنے پیش آتی رہتی ہیں۔ اور جب کسی امر پر اُس کو متنبہ کرنا منظور ہوتا ہے تو ایسے صریح اور صاف نتیجے سجھاتا ہے جو دنیا میں ہمیشہ دیکھے جاتے ہیں۔ وہ کوئی نئی بات نہیں سکھاتا۔ بلکہ بھولی ہوئی باتوں کو یاد دلاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس کے بیان کی طرف خود بخود لوگوں کے دل کھچتے ہیں۔ اور اس کے کلام میں ایسا مزہ آتا ہے۔ جیسے کوئی مدّت کی کھائی ہوئی لذیذ چیز برسوں کے بعد سامنے آتی ہے۔ اور نہایت رغبت اور شوق سے کھائی جاتی ہے۔

مثال ا۔ پدر مُردہ را سایہ بر سر فگن غبارش بیفشاں و خارش بکن
چو بینی یتیمے سر افگندہ پیش مدہ بوسہ بر روئے فرزند خویش
یتیم ار بگرید کہ نازش خرد وگر خشم گیرد کہ بارش بُرد
الا تا نگرید کہ عرش عظیم بلرزد ہمے چوں بگرید یتیم
برحمت بکن آبش از دیدہ پاک بشفقت بیفشانش از چہرہ خاک
اگر سایۂ او برفت از سرش تو در سایۂ خویشتن پرورش
من آنگہ سر تاجور داشتم کہ سر در کنارِ پدر داشتم
اگر بر وجودم نشستے مگس پریشاں شدے خاطر چند کس
کنوں گر بزنداں برندم اسیر نباشد کس از دوستانم نصیر
مرا باشد از درد طفلاں خبر کہ در طفلی از سر برفتم پدر

۲۔ پسر چوں ز دہ برگذشتش سنیں ز نامحرماں گو فراتر نشیں
بر پنبہ آتش نشاید فروخت کہ تا چشم برہم زنی خانہ سوخت
چو خواہی کہ نامت بماند بجاے پسر را خردمندی آموز و رائے
کہ گر عقل و دانش نباشد بسے بمیری و از تو نماند بسے
بسا روزگارا کہ سختی برد پسر چوں پدر نازکش پرورد

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خردمند و پرہیزگارش برآر
بخردی درش زجر و تعلیم کن
نو آموز را ذکر و تحسین و زہ
بیاموز پرورده را دست رنج
مکن تکیہ بر دست گاہے کہ ہست
بپایاں رسد کیسۂ سیم و زر
چہ دانی کہ گردیدنِ روزگار
چو بر پیشۂ باشدش دسترس
ندانی کہ سعدی مکاں از چہ یافت
بخردی بخورد از بزرگاں قفا
ہر آں طفل کو جور آموزگار
پسر را نکو دار و راحت رساں
ہر آنکس کہ فرزند را غم نخورد
نگہدار ز آمیزگار بدش
پسر کو میانِ قلندر نشست
دریغش مخور بر ہلاک و تلف

گرش دوستداری بنازش مدار
بہ نیک و بدش وعده و بیم کن
ز توبیخ و تہدید استاد بہ
وگر دست داری چو قاروں بگنج
کہ باشد کہ نعمت نماند بدست
نگردد تہی کیسۂ پیشہ ور
بغربت بگرداندش در دیار
کجا دستِ حاجت برد پیش کس
نہ ہاموں نوشت و نہ دریا شگافت
خدا دادش اندر بزرگی صفا
نہ بیند۔ جفا بیند از روزگار
کہ چشمش نماند بدستِ کساں
دگر کس غمش خورد و آوارہ کرد
کہ بدبخت و بے راہ کند چوں خودش
پدر گو ز خیرش فرو شوی دست
کہ پیش از پدر مرده بہ ناخلف

یہ خصوصیتیں جو گلستاں اور بوستاں میں ہم نے بتائی ہیں زیادہ غور کرنے سے اور بھی بہت سی باتیں ایسی نکل سکتی ہیں۔ جو ان کتابوں کی مزید شہرت اور قبولیت کا باعث ہوئی ہیں۔ مگر ہم انہیں پر اقتصار کرکے اب شیخ کی غزلیات پر نظر ڈالتے ہیں ✣

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

غزلیاتِ شیخ

غزلیات کی ترتیب کا طریقہ جو فی زماننا فارسی اور اُردو دیوانوں میں درج ہے اس طریقہ پر غالباً سب سے اوّل شیخ ہی کا دیوان مدوّن کیا گیا ہے کیونکہ شیخ سے پہلے کے بعض دیوان غزلیات مثل خاقانی وغیرہ اب تک مجموعہ قصائد کی طرح غیر مرتّب اور پراگندہ طور پر لکھے ہوئے ملتے ہیں۔

علی بن احمد بے ستون جامع کلّیات شیخ نے اوّل ہر ایک غزل کے مطلع کا حرف لیکر شیخ کے تمام دیوان بہ ترتیب حروف تہجی جمع کئے تھے۔ آخر اس ترتیب میں یہ قباحت نکلی کہ جس غزل کا مطلع معلوم نہ ہو اس کا دیوان میں ملنا دشوار تھا۔ چنانچہ شیخ کی وفات کے بیالیس سال بعد اس نے دوبارہ شیخ کے سب دیوان موجودہ طریقہ پر مرتّب کئے اور پھر یہ ترتیب عموماً جاری ہو گئی۔

شیخ کی غزلیات کے جیساکہ اوپر بیان کیا گیا چار دیوان ہیں جن میں سب سے بڑا دیوان موسوم بہ طیّبات ہے۔ باقی تین دیوان اس سے چھوٹے ہیں اگرچہ ان میں بعض دیوان ابتدائے عمر کے اور بعض سنِ کہولت کے اور پیری کے زمانہ کے ہیں۔ مگر شیخ کا انداز بیان ابتدا ہی سے تغزل میں ایسا صاف اور سلیس ہے کہ چاروں دیوانوں میں باعتبار صفائی اور سلاست کے بہت کم تفاوت محسوس ہوتا ہے۔ شاعر کے کلام میں ہمیشہ صفائی اور گھلاوٹ ایک مدت کی مشق و مہارت کے بعد آتی ہے۔ عنفوان شباب کا کلام ویسا صاف اور شستہ نہیں ہوتا جیسا سنّ کہولت اور بڑھاپے کا ہوتا ہے۔ مگر شیخ کا کلام اس سے مستثنٰے ہے البتہ طیّبات اور بدائع جو جوانی اور کہولت کے زمانہ کے دیوان ہیں۔ ان میں اور دیوانوں کی نسبت خیالات کی نزاکت اور زور بیان زیادہ پایا جاتا ہے۔

شیخ کے دیوان کو اکثر تذکرہ نویسوں نے نمکدانِ شعرا لکھا ہے اگرچہ اس سے پہلے انوری و خاقانی وظہیر وغیرہ کی غزلیات موجود تھیں۔ اور قدماء کے قصاید میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بھی مثل متاخرین کے اکثر تشبیبوں میں تغزل یعنی عاشقانہ اشعار ہوتے تھے مگر اس وقت غزل میں یہ لذت نہ تھی۔ جو شیخ نے اپنی جادو بیانی سے پیدا کی پہلے شاعری کا مدار زیادہ تر قصیدہ اور مثنوی پر تھا۔ بعضے دوبیتی (یعنی رباعی) اور قطعہ کے سوا اور کچھ نہ کہتے تھے ۔

شیخ نے غزل کو ایسا رنگین اور بامزہ کر دیا کہ لوگ قصیدہ اور مثنوی کو چھوڑ کر غزل پر ٹوٹ پڑے۔ غزل گویوں کے نام یا تو انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے یا لاکھوں سے متجاوز ہو گئے اسی واسطے بعض شعرا نے شیخ کو غزل کا پیمبر کہا ہے۔ مگر کلام کی نمکینی اور شیرینی محض وجدانی کیفیتیں ہیں جو بدوں ذوق سلیم کے ہرگز معلوم نہیں ہو سکتیں پس صرف یہ کہہ دینا کہ اس کا دیوان نمکدان شعرا ہے۔ یا وہ غزل کا پیمبر ہے انہیں کے لئے کافی ہے۔ جو شعر کا پورا پورا مذاق رکھتے ہیں اُن کے سوا اور لوگ جب تک کوئی صریح یا مابہ الامتیاز شیخ اور قدما کی غزل میں بیان نہ کیا جائے یہ نہیں سمجھ سکتے کہ شیخ کی غزلیات کو کیا فوقیت ہے۔ لیکن وجدانیات میں فرق بتانا کچھ آسان کام نہیں ہے ۔

میں نے شیخ اور انوری و خاقانی و ظہیری کی غزلیات کو صرف اس غرض سے دیکھا کہ وہ تفاوت جو شیخ اور قدما کی غزلیات میں ہے۔ صاف صاف معلوم ہو مجھ کو یہ چند باتیں شیخ کے دیوان میں ایسی ملی ہیں جو قدما کے کلام میں یا تو بالکل نہیں۔ یا بہت کم پائی جاتی ہیں میرے نزدیک یہی وہ خصوصیتیں ہیں جنہوں نے غزل کو نہایت بامزہ اور لطف انگیز اور مرغوب طبائع خاص و عام کر دیا ہے ۔

۱۔ شیخ اکثر غزل کی بحر اور زمین ایسی اختیار کرتا ہے۔ جو تغزل اور تغنّی کے واسطے بہت مناسب ہوتی ہے۔ نظم میں سب سے بڑا کرشمہ جو کہ اکثر اس کو نثر سے زیادہ دلفریب اور دلکش کر دیتا ہے۔ وزن اور قافیہ ہے۔ پس ظاہر ہے کہ شگفتہ زمین اور مضمون کے مناسب وزن اختیار کرنے سے نظم کی دلفریبی زیادہ ہو جائیگی اسی لئے شیخ کی غزلیات ابتدا سے وجد و سماع کی مجلسوں میں گائی جاتی تھیں علی بن احمد

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جامع کلیات شیخ جس نے شیخ سے ۴۴ برس بعد اس کا کلام جمع کیا۔ اپنا شاہدہ لکھتا ہے کہ ایک جگہ رات کو مجلس سماع منعقد تھی جس میں شیخ کی یہ غزل گائی گئی تھی ؎

نظر خدائے بیناں ز سر ہوا نباشد　　سفر نیاز منداں ز رہ خطا نباشد

مجلس کے خاص و عام جا بجا بیہوش اور خود فراموش پڑے تھے۔ اور مجلس کے برخاست ہونے کے بعد سب کا اس بات پر اتفاق تھا۔ کہ مدت عمر میں ایسا سماع نہیں دیکھا۔ میں کہتا ہوں کہ ایک بار میں نے بھی ایک بزرگ کو جو سماع سے ہمیشہ پرہیز کرتے تھے۔ شیخ کے ایک مطلع پر جو قوال نے بے مزامیر کے اُن کے سامنے گایا تھا۔ کہ ان کا تمام بدن کانپنے لگا تھا۔ اور آنکھوں سے برابر آنسو جاری تھے۔ اور یہ کیفیت ان پر بہت دیر تک طاری رہی تھی وہ مطلع یہ تھا۔

ایکہ آگاہ نۂ عالم درویشاں را　　تو چہ دانی کہ چہ سودا و سرست ایشاں را

۲- شیخ کی غزل کو اس جبلی عشق اور محبت نے جو اس کی بات بات سے ٹپکتی ہے اور بھی زیادہ چمکا دیا تھا۔ عرب اور عجم کے تمام شعرا جو عاشق مزاج ہوئے ہیں اُنکی تشبیب و تغزل میں ایک خاص حالت پائی جاتی ہے۔ جو اوروں کے کلام میں نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ شیخ ایک جگہ خود فرماتے ہیں ؎

آنکہ نشنیدست ہرگز بوئے عشق　　گو بشیراز آ و خاکِ ما ببوئے

یہی سبب ہے کہ وہ حسن و عشق وصل و جدائی۔ یاس و امید۔ صبر و مجبوری۔ وعدہ و انتظار اور دیگر لوازم عشق کی جو کیفیتیں بیان کرتا ہے ان میں بالکل تصنع نہیں پایا جاتا۔ اور وہ سب ایسی باتیں ہوتی ہیں۔ جو اس عالم میں ہر شخص پر گذرتی ہیں اسی واسطے عُشاق کے دل پر ان کا زیادہ اثر ہوتا ہے ایسے اشعار سے شیخ کے چاروں دیوان بھرے پڑے ہیں۔ مگر چند شعر بطور نمونہ کے یہاں لکھے جاتے ہیں۔

مقدار یارِ ہمنفس چوں من نداند ہیچکس　　ماہی کہ در خشک اوفتد قیمت بداند آب را

ایکہ گفتی ہیچ مشکل چوں فراق یار نیست　　گر امیدِ وصل باشد آنچناں دشوار نیست

ہر کو ہمہ عمرش سودائے گلے بودہ است　　داند کہ چرا بلبل دیوانہ ہمے باشد

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دل و جانم بتو مشغول و نگہ بر چپ و راست — تا نداند رقیباں کہ تو منظور منی
دیگراں چوں بروند از نظر از دل بروند — تو چناں در دل من رفتہ کہ جاں در بدنی
گفتہ بودم کہ رخت بر بندم — تا رہ بصرہ گیرم و بغداد
دست از دامنم نمی دارد — خاک شیراز و آب رکناباد
ہزار جہد بکردم کہ سر عشق بپوشم — نبود بر سر آتش میسرم کہ نجوشم
بزخم خوردہ حکایت کنم ز دست جراحت — کہ تندرست ملامت کند چو من بخروشم
نفحات صبح دانی ز چہ روئے دوست دارم — کہ بروئے دوست ماند کہ برافگند نقابے
بروائے گدائے مسکین در دیگرے طلب کن — کہ ہزار بار گفتی و نیامدت جوابے
شربت تلخ تر از درد فراقت باید — تا کند لذت وصل تو فراموش مرا
بر عندلیب عاشق گر بشکنی قفس را — از ذوق اندرونش پروائے در نباشد
برق یمانی بجست باد بہاری بخاست — طاقت مجنوں نماند خیمہ لیلیٰ کجاست

۳۔ اکثر وہ ایسے شعر کہتا ہے جن سے مفہوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص موقعہ ہے اور وہاں جو حالت اس نے آنکھوں سے دیکھی ہے یا جو کیفیت اس کے دل پر گذری ہے اس کو بیان کر رہا ہے۔ اس قسم کے اشعار اکثر موقعوں پر جہاں اسی طرح کی کیفیت پیش آتی ہے۔ نہایت مزہ دیتے ہیں۔ مثلاً

اے روبہک چرا نہ نشستی بجائے خویش — با شیر پنجہ کردی و دیدی سزائے خویش
ساربانا آہستہ راں کآرام جاں در محمل است — اشتراں را بار بر پشت است و ما را بر دل است
چہ رہی است پیش کارواں است — مگر شمعے بدست ساربان است
سلیمان است گوئی در عماری — کہ بر باد صبا تختش روان است
زردی کار من برقع برانداخت — بیکبار آنکہ در برقع نہان است
شتر بیشی گرفت از من برفتار — کہ بر من پیش ازاں بار گراں است
بدار اے ساربان محمل زمانے — کہ عہد وصل را آخر زمان است
یار بار افتادہ را در کارواں بگذاشتند — بیوفا یاراں کہ بر بستند بار خویش را

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہر کہ را در خاکِ غربت پائے در گِل ماند ماند
گو دگر در خوابِ خوش بنید دیارِ خویش را

چو ندروح میکند این باد مشک بیز
ہنگام نوبت سحر الست اے ندیم خیز

شاہد بخواں و شمع بسوزان گل بہنہ
عنبر بسائے وعود بسوزان گل بریز

خادم سرائے را گو در حجرہ بند کن
تا بہ سر حضور ما راہ نبرد موسوی

۴ - وہ اکثر حالات وواردات کو جو اس کے دل پر گذرتی ہیں تمثیلات میں بیان کر کے کلام کو نہایت بلیغ و بلند کر دیتا ہے۔ اس قسم کی تمثیلات حکیم سنائی اور مولانا روم کے کلام میں بھی بہت پائی جاتی ہیں۔ مثلاً:-

بگنج شائگاں افتادہ بودم
ندانستم کہ در گنج اندماراں

اے برادر ما بگرداب اندریم
وانکہ تشنعت میزند بر ساحل است

رُطبِ شیریں و دست از نخل کوتاہ
زلال اندر میاں وتشنہ محروم

اُستاد کیمیا را بسیار زر بباید
در خاک تیرہ کردن تا آنکہ زر بباشد

۵ - شیخ کی غزل میں باوجود کمال سادگی اور صفائی کے اکثر ایک نزاکت اور چوچلا پایا جاتا ہے۔ جس سے قدماء کی غزل معرا معلوم ہوتی ہے وہ ایک سیدھی سی بات کو ہیر پھیر کر ایسے لطیف اور خوشنما پیرایہ میں ادا کر دیتا ہے جسکو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ وہ سنگریزوں کو ترتیب دیکر موتیوں کی لڑی سے زیادہ خوشنما اور گرانبہا بنا دیتا ہے۔ مثلاً

بود ہمیشہ پیش ازیں رسم تو بیگنہ کُشتی
از چہ مرانمے کُشی من چہ گناہ کردہ ام

خلق را بیدار باید بود ز آب چشم من
ویں عجب کاں وقت میگریم کہ کس بیدار نیست

من ندانستم از اول کہ تو بے مہر و وفائی
عہد نابستن ازاں بہ کہ بہ بندی و بپائی

دوستاں عیب کنندم کہ چرا دل بتو دادم
باید اوّل بتو گفتن کہ چنیں خوب چرائی

گفتہ بودم چو بیائی غم دل با تو بگویم
چہ بگویم کہ غم از دل برود چوں تو بیائی

من آں نیم کہ حلال از حرام نشناسم
شراب با تو حلال ست و آب بیتو حرام

اس خاصیت میں شیخ کی غزل سے جو نسبت قدماء کی غزل کو ہے اس کا اندازہ شیخ کے چند

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اشعار کا مقابلہ قدماء کے اشعار کے ساتھ کرنیسے ہو سکتا ہے چنانچہ اس مقام پر دو دو شعر خاقانی اور انوری کے اور اُن کے ہم مضمون اشعار شیخ کے دیوان سے نقل کئے جاتے ہیں +

انوری روے چوں ماہ آسماں داری قد چوں سرو بوستاں داری	سعدی سرو را مانی ولیکن سرو را رفتار نیست ماہ را مانی ولیکن ماہ را گفتار نیست
ایضاً ہمہ با من جفا کند لیکن بجفا ہیچ از د نیا زارم	ایضاً قادری بر ہر چہ میخواہی بجز آزار من زانکہ گر شمشیر بر فرقم زنی آزار نیست
خاقانی بہ رخت چہ چشم دارم کہ نظر دریغ داری بہ بہت چہ گوش دارم کہ خبر دریغ داری	" ہمہ چشمیم تا بروں آئی ہمہ گوشیم تا چہ فرمائی
ایضاً شاد باش از حسن خود کر وصف تو سحر حلال طبع خاقانی بہ نظم آورد دیوان تازہ کرد	" ہر دم از شاخ زبانم میوۂ تر میرسد بوستانہا رُستہ زاں تخمم کہ در دل کاشتی

۶۔ سب سے بڑی بات جو شیخ اور قدما کی غزل میں مابہ الامتیاز ہے۔ اور جس کے سبب سے اس کے دیوان کو نمکدان شعرا کہا گیا ہے وہ یہ ہے کہ شیخ کی غزل کا مدار زیادہ تر مضامین مندرجہ ذیل پر ہے۔ تصوف اور درویشی۔ عشق حقیقی کو عشق مجازی کے پیرایہ میں ادا کرنا اور شاہد مطلق کے شیون اور صفات کو زلف وخال وخط ولب ودندان وغیرہ سے تعبیر کرنا۔ کاملین اور عرفا اور مشائخ پر رند بادہ خوار۔ میفروش پیر خرابات کے الفاظ اطلاق کرنے اور ان کے حالات اور واردات کو شراب ونغمہ ودف وچنگ وغیرہ کے لباس میں ظاہر کرنا۔ سلوک اور فقیری کے مدارج ومقامات یعنی صبر وتوکل رضا وتسلیم وقناعت وغیرہ کو نئے نئے عنوان اور اسلوب سے بیان کرنا محتسب وزاہد وفقیہ اور ایسے لوگوں پر جو مذہب کی رو سے محل ادب ہیں طعن وتعریض کرنی اور غیر متشرع اور آزاد لوگ جو از روئے مذہب قابل توہین ومذمت ہیں ان کی خوبی ظاہر کرنی دنیا کی بے ثباتی اور انقلابات کو طرح طرح سے جتانا۔ ناصحوں کی نصیحت سے نفرت اور رسوائی وبدنامی کی رغبت ظاہر کرنی عقل ودانش کی جا بجا توہین اور عشق مجازی کو عشق حقیقی کا زینہ قرار دیکر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس کی تعریف کرنی ساقی مطرب کو بار بار پکارنا اور ان سے شراب و نغمہ کا اسلئے طلبگار ہونا کہ دنیا کے تعلقات سے انقطاع میسر آئے۔ باد صبا اور نسیم سحری اور بوئے گل کو اکثر مخاطب کرنا اور انکو قاصد اور پیغامبر ٹھیرا کر اپنی آرزوئیں اور مرادیں اور حسرتیں اُن سے بیان کرنی وغیرہ وغیرہ یہ تمام عنوان ہر شخص کو مرغوب ہوتے ہیں مثلاً عشق حقیقی کی واردات اور کیفیات عشق مجازی کے پیرایہ میں بیان کرنی اور زلف و خال وخط سے شاہد مطلق کی شیون اور صفات مراد لینی زیادہ دلکش اور موثر ہیں بہ نسبت اس کے کہ کھلی سورٹھ گائی جائے یعنی عشق حقیقی کو صاف صاف اس طرح بیان کیا جائے جیسے ادنے درجہ کے شاعر یا موزون طبع مولوی اور واعظ نظم میں توحید و مناجات وغیرہ لکھا کرتے ہیں حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

خوشتر آں باشد کہ سرّ دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں

اسی طرح واعظ۔ زاہد۔ شیخ۔ قاضی۔ صوفی۔ محتسب اور اور ایسے اشخاص کو جن کی مذہب میں تعظیم کی جاتی ہے۔ ریا کاری اور مکر اور سالوس وغیرہ کے بہانے سے لتاڑنا اور رند اور اوباش اور حسن پرست و بادہ خوار لوگوں کو ان کی صاف باطنی آزادی اور بیریائی کی وجہ سے تعریف کرنی بہ نسبت اسکے کہ رندوں کو ملامت کی جائے اور متشرع لوگوں کی تعریف کی جائے زیادہ مزیدار ہے اور زیادہ توجہ سے سنا جاتا ہے اگرچہ ان میں سے بعض عنوان جستہ جستہ قدما کی غزل میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن شیخ کے ہاں اوّل تو کثرت سے ہیں۔ اور دوسرے اس کے حسن بیان نے ان کو بہت بامزہ اور لطف انگیز کر دیا ہے۔

شیخ کے بعد اوّل حضرت امیر خسرو اور میر حسن دہلوی نے اس خصوصیت میں شیخ کا تتبع کیا ہے۔ کیونکہ شیخ نے اپنے چاروں دیوان جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ ملتان میں خان شہید کے پاس جس کے ہاں امیر خسرو نوکر تھے۔ اپنی ہی زندگی میں بھیج دیئے تھے۔ اس وقت حضرت امیر کی عمر تیس برس سے بھی کچھ کم تھی۔ اور شاعری میں ترقی کرنے کے لئے اُن کے آگے ایک وسیع میدان موجود تھا۔ وہ اگرچہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور اصناف سخن میں جیسا کہ مثنوی نہ سپہر[1] میں لکھتے ہیں اپنے تئیں شیخ سے بہتر سمجھتے تھے مگر شیخ کی غزل کو وہ بھی مانتے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

خسرو سرمست اندر ساغر معنی بریخت　　شیرہ از خمخانہ مستے کہ در شیراز بود

نیز جس طرح شیخ نے بچپن کے زمانہ کی غزلوں کا نام غزلیات قدیم اور جوانی اور کہولت کی غزلیات کا نام طیّبات اور بدائع اور آخر عمر کی غزلیات کا نام خواتیم رکھا ہے۔ اسی طرح حضرت امیر نے بھی عمر کے چاروں زمانوں کے موافق چار دیوان مرتّب کئے ہیں۔ تحفۃ الصغر۔ واسطۃ الحیوٰۃ۔ غرۃ الکمال۔ بقیہ نقیہ۔ ان قرینوں کے سوا حضرت امیر کی غزلیات سے بھی صاف پایا جاتا ہے۔ کہ وہ سعدی کے تتبّع سے خالی نہ تھے۔ امیر خسرو کے بعد خواجہ حافظ شیرازنے بھی غزل کی بنیاد زیادہ تر انہیں خیالات پر رکھی ہے۔ جن کو سب سے اوّل شیخ نے چمکا دیا تھا۔ مگر ان میں بعض مضامین کو خواجہ حافظ نے ایسی رونق دی ہے کہ وہ انہیں کا حصّہ ہوگئے ہیں۔ جیسے تصوّف شراب اہل ظاہر پر خردہ گیری دنیا کی بے ثباتی۔ عقل و تدبیر کی توہین۔ عشق و جوانی کی ترغیب وغیرہ وغیرہ ؂

اب ہم کچھ غزلیں اور اشعار شیخ کے دیوان میں سے ایسے نقل کرتے ہیں جن میں مضامین مذکورۂ بالا زیادہ تر باندھے گئے ہیں:-

برخیز تا یکسو نہیم این دلق ازرق فام را　　بر باد قلاشی دہیم این شرک تقوی نام را
مے با جواناں خوردنم خاطر تمنّا مے کند　　تا کودکاں در پے فتند این پیر دُرد آشام را

---

[1] نہ سپہر کے اشعار یہ ہیں:-

کس نہ بیند سوے نظم دلگیر　　کہ نہ گرد و بدے منزل گیر
چوں نماند بد دل خلقے یاد　　گرچہ شد زادہ ہماں واں کہ نزاد
تا بجائے کہ حد پارسیاں　　اندریں عہد و وقت گشت عیاں
زاں یکے سعدی و ثنائیش ہمام　　ہر دو را در غزل آئین تمام
لیک اگر سوئے دگر یاری دست　　شعر شاں ہست بداں گونہ کہ ہست

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

زیں تنگنائے خلوتم خاطر بصحرا میکشد   کز بوستاں بادِ سحر خوش میدہد پیغام را
غافل مباش ار عاقلی و ر باب گر صاحبدلی   باشد کہ نتواں یافتن دیگر چنیں ایّام را
جائے کہ سرو بوستاں با پائے چوبیں میرود   ما نیز در رقص آوریم آں سرو سیم اندام را
وقت طرب خوش یافتیم آں دلبر طنّاز را   ساقی بیار آں جامِ مے مطرب بساز آں ساز را
امشب کہ بزم عارفاں از شمع رویت روشن است   آہستہ تا نبود خبر رندانِ شاہد باز را
روئے خوش و آواز خوش دارند ہر یک لذّتے   بنگر کہ لذّت چوں بود محبوبِ خوش آواز را

جاں ندارد ہر کہ جانانیش نیست   تنگ عیش ست آنکہ بستانیش نیست
گر دلے داری بہ دلدارے سپار   ضائع آں کشور کہ سلطانیش نیست
ماجرائے عقل پرسیدم ز عشق   گفت معزول است فرمانیش نیست
درد عشق از تندرستی خوشتر است   گرچہ غیر از صبر درمانیش نیست

چناں بموئے تو آشفتہ ام ببوئے مست   کہ نیستم خبر از ہر چہ در دو عالم ہست
دگر بروئے کسم دیدہ بر نمے باشد   خلیل من ہمہ بت ہائے آزری بشکست
غلام ہمت آنم کہ پائے بند یکیست   بجانبے متعلّق شد از ہزار برست
نگاہ من بتو و دیگراں بتو مشغول   معاشراں ز مے و عارفاں ز ساقی مست
برادران و عزیزاں نصیحتم مکنید   کہ اختیارِ من از دست رفتہ تیر از شست

خوشتر از دورانِ عشق ایام نیست   بامدادِ عاشقاں را شام نیست
مطرباں رفتند و صوفی در سماع   عشق را آغاز ہست انجام نیست
از ہزاراں در یکے گیرد سماع   زانکہ ہر کس محرمِ پیغام نیست
ہر کسے را نامِ معشوقے کہ ہست   مے برد معشوق ما را نام نیست
باد صبح و خاک شیراز آتشے ست   ہر کہ او در دے گرفت آرام نیست
سعدیا چوں بت شکستی خود مباش   خود پرستی کمتر از اصنام نیست

دلے کہ عاشق و صابر بود مگر سنگ ست   ز عشق تا بہ صبوری ہزار فرسنگ ست
برادرانِ طریقت نصیحتم مکنید   کہ توبہ در رہِ عشق آبگینہ و سنگ ست

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri
CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

دگر به خفیه نمی بایدم شراب و سماع   که نیک نامی در دین عاشقان ننگ ست
چه تربیت شنوم یا چه مصلحت بینم   مرا که چشم بساقی و گوش بر چنگ ست
بخشم رفته ما را که می برد پیغام   بیا که ما سپر انداختیم گر جنگ ست
بیادگار کسے دامن نسیم صباح   گرفته ایم و چه حاصل که باد و چنگ ست
بکش چنانکه تو دانی که بے مشاہده ات   فراخ نائے جہاں بر وجود ما تنگ ست
ملامت از دل سعدی فرو نشوید عشق   سیاہی از حبشی چوں رود که خود زنگ ست
دوش بے روئے تو آتش بسرم بر میشد   آبم از دیده ہمیرفت و زمیں تر میشد
تا به افسوس بپایاں نرود عمر عزیز   ہمه شب ذکر تو میرفت و مکرّر میشد
چشم مجنوں چو بخفتی ہمه لیلے دیدی   مدّعی بود گرش خواب میسّر میشد.
یارب آں صبح کجا رفت که شبہائے دگر   نفسے میزد و آفاق منوّر میشد
سعدیا عقد ثریا مگر امشب بگسیخت   ورنه ہر شب زگریبان سحر بر میشد
متقلّب درون جامهٔ ناز   چه خبر دارد از شبان دراز
جهد کردم که دل بکس ندہم!   چوں تواں کرد با دو دیدهٔ باز
محتسب در قفائے رنداں ست   غافل از صوفیان شاہد باز
از تو با مصلحت خویش نمی پردازم   ہمچو پروانه که مے سوزم و در پروازم
گر تو خواہی که بجوئی دلم امروز بجوے   ورنه بسیار بجوئی و نیابی بازم
من خراباتی و دیوانه ام و عاشق و بس   بیشتر زیں چه حکایت بکند غمّازم
باجرائے دل دیوانه بگفتم به طبیب   که ہمه شب در چشم ست بفکرت بازم
گفت زیں نوع شکایت که تو داری سعدی   درد عشق ست ندانم که چه درماں سازم
برخیز تا طریق تکلّف رہا کنیم   دکان معرفت بدو جو بر بہا کنیم
گر دیگر آں نگار قبا پوش بگذرد   ما نیز جامه ہائے تصوّف قبا کنیم
ساقیا مے ده که ما دُرد کش میخانه ایم   با خرابات آشنا و از خرد بیگانه ایم
خویشتن سوزیم و جاں بر سر نهاده شمع وار   ہر کجا در مجلسے شمعے ست ما پروانه ایم

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اہلِ دانش را دریں گفتا ما با کار نیست
عاقلانرا کے زیاں دارد کہ ما دیوانہ ایم

خلق میگوید بدہ جاہ و فضل و فرزانگی ست
گو مباش اینہا کہ ما رندانِ نافرزانہ ایم

عیب لست از چشم گوہر بین نداری ورنہ ما
ہر یکے اندر بحر معنی گوہر یکدانہ ایم

دو چشم مست میگونش ببرد آرام ہشیاراں
دو خواب آلودہ بربودند عقل از دست بیداراں

نصیحت گوے را از من بگوے اے خواجہ دم درکش
کہ سیل از سر گذشت آنرا کہ میترسانی از باراں

چو بوے است آنکہ عقل از من ببرد و صبر و ہشیاری
ندانم باغ فردوس ست یا بازار عطاراں

تو با ایں مردم کوتہ نظر در چاہ کنعانی
بمصر آناں پدید آید یوسف را خریداراں

اے کہ از دیدہ غایبی و در دلِ ما نشستہ
حسن تو جادوہ میکند و نیمہ پردہ بستہ

خاطرِ عام بردہ خون خواص خوردہ
باہمہ صید کردہ خود ز کمند جستہ

مے برزند ز مشرق شمع فلک زبانہ
اے ساقیٔ صبوحی دردہ مے شبانہ

عقلم بدزد لختے چند اختیار دانش
ہوشم ببر زمانے تا کے غمِ زمانہ!

صوفی چگونہ گردد گرد شرابِ صافی
گنجشک را نگنجد عنقا در آشیانہ

آں کوزہ بر کفم نہ کآب حیات دارد
ہم طعم نار دارد ہم رنگ ناردانہ

گر مے بجاں دہندت لبتاں کہ پیش دانا
ز آب حیات خوشتر خاکِ شراب خانہ

ہر روز باد مے بردو از بوستاں گلے
مجروح میکند دلِ مسکیں بلبلے!

روئے ست ماہ پیکر و موئے ست مشکبوے
ہر لالۂ کہ میدمد از خاک و سنبلے

بالائے خاک ہیچ عمارت نکردہ اند
کز وے بدیر و زود نباشد تحولے

کردہ طلعتے ست جہانِ فریب ناک
ہر بامداد کردہ بہ شوخی تجملے

دی بوستان و خرم و صحرا و لالہ زار
وز بانگ مرغ در چمن افتادہ غلغلے

دامروز خارہائے مغیلاں کشیدہ تیغ
گوئی کہ خود نبود دریں بوستان گلے

دنیا پلے ست رہگذر دار آخرت
اہلِ تمیز خانہ نگیرند بر پلے

آنکہ آگاہ و عالم درویشاں را
تو چہ دانی کہ چہ سوداو سرا ست ایشاں را

گنج آزادگی و کنج قناعت ملکیست
کہ بہ شمشیر میسر نشود سلطان را!

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

طلبِ منصبِ فانی نکند صاحبِ عقل — عاقل آن ست کہ اندیشہ کند پایاں را

جمع کردند و نہادند بہ حسرت رفتند — ویں چہ دارد کہ بحسرت بگزارد آں را

در ازل بود کہ پیمانِ محبت بستند — نشکند مرد گرش سر برود پیماں را

عاشقے سوخت بے سر و ساماں دیدم — گفتم اے یار مکن در سر فکرت جاں را

نفسے سرد بر آورد ضعیف از سر درد — گفت بگذار من بے سر و ساماں را

پند دلبند تو در گوش من آید ہیہات — منکہ بر درد حریصم چہ کنم درماں را

سعدیا عمر عزیز ست بغفلت مگذار — وقتِ فرصت نشود فوت مگذاراں را

لاابالی چہ کند دفتر دانائی را — طاقتِ وعظ نباشد سر سودائی را

دیدہ را فائدہ آن ست کہ دلبر بیند — ورنہ بیند چہ بود فائدہ بینائی را

ہمہ دانند کہ من سبزہ خط دارم دوست — نہ چو دیگر حیواں سبزہ صحرائی را

سعدیا نوبتے امشب دہل صبح نکوفت — یا مگر صبح نباشد شبِ تنہائی را

شبے و شمعے و گو بندہ زیبائے — ندارم از ہمہ عالم جز ایں تمنائے

فرشتہ وش نکند بر در جمال مجلسِ من — گر التفات کند چوں تو مجلس آرائے

ضرورت است بلا دیدن و جفا بردن — ز دستِ آنکہ ندارد بحسن ہمتائے

قیامت است کہ در روزگار ما خاست — بہ راستی کہ بلائیست آں نہ بالائے

دگر چہ بینی اگر رو از و بگردانی — کہ نیست خوشتر از و در جہاں تماشائے

دگر کنی نظر از دور کن کہ نزدیک ست — کہ سر ببازی اگر پیشتر نہی پائے

عالم کہ عارفاں را گوید نظر بدوزند — گر یار را بہ بیند صاحب نظر بباشد

زیرا کہ بادشاہے چوں بقعۂ بگیرد — بنیاد حکم اول زیر و زبر بباشد

دیوانہ را کہ گوئی ہشیار باش و عاقل — ترسم کہ از نصیحت دیوانہ تر بباشد

ساقی بیار جامے مطرب بگوئے چیزے — لب بر دہاں نئے تا شکر بباشد

بوئے زلفِ تو با بادِ عیش ہا دارم — اگرچہ عیب کنندم کہ بادپیمائے ست

ترا ملامتِ سعدی حلال کے باشد — کہ بر کناری داد در میانِ دریائے ست

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

الغرض شیخ سے پہلے تغزل کا میلان زیادہ تر عشق مجازی کی طرف تھا - اور عشق مجازی کے متعلق بھی صرف وہ بیرونی اور ظاہری حالتیں بیان کی جاتی تھیں - جو عام عشقبازوں کی زبان پر جاری ہوتی ہیں۔ شیخ نے اپنی غزل میں ایسی باتیں کم لکھی ہیں - بلکہ اکثر وہ عشق و محبت کے پوشیدہ اسرار و غوامض اور عمیق کیفیات اور اندرونی حالات بیان کرتا ہے - جو دلبستگی کے زمانہ میں ہر انسان پر گذرتے ہیں لیکن ہر شخص اُن کو بیان نہیں کر سکتا - بلکہ یہ بھی نہیں سمجھ سکتا - کہ مجھ پر کیا گذر رہا ہے مثلاً یہ بات عشق بازوں اور بوالہوسوں کے زبان زد ہوتی ہے - کہ معشوق کی جدائی ایسی چیز ہے - جو کسی طرح اور کسی حالت میں برداشت نہیں کی جا سکتی - لیکن یہ بات عام نظروں سے مخفی ہوتی ہے - کہ وصل کی اُمید پر جدائی بسر کرنی ایسی مشکل نہیں ہے جیسی خیال کی جاتی ہے - جیسا کہ شیخ کہتا ہے :-

ایکہ گفتی ہیچ مشکل چوں فراق یار نیست ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ گر امید وصل باشد آنچناں دشوار نیست

یا مثلاً جو لوگ کسی کے عشق میں مبتلا ہیں - اور باوجودیکہ کمال عشق کے وصل سے بہرہ مند نہیں ہوتے - وہ عموماً عشق و محبت کی قید سے آزاد ہونے کی آرزو میں کیا کرتے ہیں - اور اُس موقعہ کو یاد کر کے پچھتاتے ہیں جب کہ دلبستگی کے سامان اُنہوں نے خود مہیا کئے تھے - اور بار بار صورت دیکھنے یا باتیں سننے یا ربط بڑھانے سے ایک مُردہ چنگاری کو زیادہ افروختہ کیا تھا - لیکن اُن کو یہ شعور بہت کم ہوتا ہے کہ اس جلن اور سوزش میں کس قدر لذت چھپی ہوئی ہے - اور یہ اگر بالفرض ترک عشق و محبت پر آپ کو اختیار دیدیا جائے - تو وہ ہرگز اس دلبند قید سے چھوٹنا گوارا نہیں کر سکتے - جیسا کہ شیخ نے کہا ہے :-

بر عندلیب عاشق گر بشکنی قفس را ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ از ذوق اندرونش پروائے در نباشد

یا مثلاً عشاق کا عام خیال یہ ہے کہ معشوق کے دیکھنے سے جی کبھی سیر نہیں ہوتا - اور جب تک وہ سامنے رہتا ہے - عاشق اُس کے دیکھنے سے باز نہیں رہ سکتا - مگر یہ بات بہت کم خیال میں گذرتی ہے کہ عشاق کو بسا اوقات ایسے مواقع بھی پیش

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

آتے ہیں۔ کہ باوجود کمال اشتیاق کے معشوق کیطرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھنے۔ جیسا کہ شیخ کہتا ہے:۔

دل وجانم بتو مشغول ونگہ برچپ وراست　　تاندانند رقیباں کہ تو منظور منی

یا مثلاً عشاق کا عام خیال ہے۔ کہ دوست سے مدّت کے بعد جب ملاقات ہوتی ہے تو وہ شکوے اور شکایت اور جدائی کی مصیبتیں بیان کرنے کا موقع ہوتا ہے۔ مگر اس واقعی کیفیت سے بے خبر ہوتے ہیں۔ کہ جب دوست سے ملاقات ہوتی ہے۔ تو اُس کے ملنے کی خوشی میں اکثر تمام شکوے اور جدائی کے صدمے یک قلم فراموش ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ شیخ نے اس مضمون کو یوں بیان کیا ہے:۔

گفتہ بُودم چو بیائی غمِ دل باتو بگویم　　چہ بگویم کہ غم از دل برود چو تو بیائی

غرضیکہ ایسے گہرے خیالات سے قُدما کی غزل بالکل معرّا تھی۔ اوّل شیخ ہی نے ان مضامین کی بنیاد ڈالی ہے۔ تصوّف و درویشی وغیرہ کے مضامین نے غزل میں اور بھی زیادہ لذت اور نمک اور درد بھر دیا۔ جن اصول پر شیخ نے غزل کی بُنیاد رکھی تھی۔ اُس کے بعد متغزلین نے وہی اصول اختیار کئے۔ کیونکہ اُن کے بغیر غزل کا سرسبز ہونا نہایت دشوار تھا۔ اور اس طرح رفتہ رفتہ تمام ایران اور ترکستان اور ہندوستان میں ایک آگ لگ گئی۔ ہر موزوں طبع نے غزل کہنی اختیار کی۔ اور غزل گویوں کی تعداد حساب اور شمار سے زیادہ بڑھ گئی۔ ازانجملہ بعض اکابر کی غزل نے شیخ سے بھی زیادہ شہرت اور رواج پایا۔ علی الخصوص خواجہ حافظ شیراز کی غزل نے اپنا وہ سکہ جمایا۔ کہ مذکورہ بالا ملکوں میں جو لوگ شعر کا مذاق رکھتے تھے یا فقر و درویشی کی چاشنی سے باخبر تھے۔ یا راگ راگنی سے آشنا تھے۔ یا شراب و کباب کا چسکا رکھتے تھے۔ یا عاشق مزاج اور عیش دوست تھے سب جان و دل سے اس پر قربان ہوگئے۔ رقص و سرود کی محفلوں میں۔ حال و قوال کی مجلسوں میں۔ قہوہ خانوں اور شراب خانوں میں۔ شعراء کی صحبتوں میں۔ مشائخ کے حلقوں میں۔ درودیوار سے لسان الغیب ہی کی آواز آنے لگی ÷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس میں کچھ شک نہیں کہ شیخ کی غزل نے فارسی شاعری میں ایک خاص قسم کی وسعت پیدا کی۔ جس کے سبب سے قدرتی جذبات کا ایک طویل الذیل باب یعنی عشق و محبت وغیرہ کے مضامین نہائیت آب و رنگ کے ساتھ بیان کئے گئے مگر اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اس بادۂ ہوش رُبا۔ یعنی غزل سے سوسائٹی کے اخلاق خیالات اور معاشرت پر کچھ اچھے ثمرے مترتب نہ ہوئے شعر کو خواہ وہ عاشقانہ ہو۔ اور خواہ اخلاقی ایک پوشیدہ تعلق اخلاق کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جو اشعار کسی قوم میں زیادہ شائع ہو جاتے ہیں۔ اور مجالس و محافل میں ہمیشہ پڑھے اور گائے جاتے ہیں۔ وہ اندر ہی اندر تمام جماعت پر اپنا اثر اس طرح کرتے ہیں۔ کہ جماعت کو اصلاً شعور نہیں ہوتا اور جس قدر شعر میں نمک و حُسن زیادہ ہوتا ہے۔ اُسی کی قدر اسکی تاثیر جلد اور پائدار ہوتی ہے شیخ سعدی۔ خواجہ حافظ۔ امیر خسرو۔ میر حسن سنجری۔ مولانا جامی۔ وغیرہم کی غزلیں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ ممالک اسلامیہ کے ایک بڑے حصہ میں عموماً پڑھی اور گائی جاتی ہیں۔ اگرچہ ان بزرگواروں کا کلام زیادہ تر حقائق اور معارف اور سلوک اور تصوف پر مبنی ہے۔ لیکن اُس میں مجاز و حقیقت کے دونوں پہلو موجود ہیں۔ جس طرح اُس سے ایک صوفی خدا پرست روحانی کیفیت اُٹھاتا ہے۔ اسی طرح ایک بوالہوس صورت پرست کے نفسانی جذبات اُس کے سننے اور پڑھنے سے برانگیختہ ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ خواجہ حافظ کی غزل مجالس و محافل میں گائی جاتی ہے۔ اور اُس کے مضامین سے اکثر لوگ واقف ہیں۔ وہ ہمیشہ سامعین کو چند باتوں کی ترغیب دیتی ہے۔ عشق حقیقی کے ساتھ ہی عشق مجازی اور صورت پرستی و کام جوئی کو بھی وہ دین و دنیا کی نعمتوں اور فضیلتوں سے افضل بتاتی ہے مال و دولت علم و ہنر۔ نماز روزہ۔ حج زکواۃ۔ زہد و تقوےٰ۔ غرضیکہ کسی شئے کو نظر بازی و شاہد پرستی کے برابر نہیں ٹھہراتی۔ وہ عقل و تدبیر۔ مآل اندیشی۔ تمکین و وقار۔ ننگ و ناموس۔ جاہ و منصب وغیرہ کی ہمیشہ مذمت کرتی ہے۔ اور آوارگی۔ رسوائی۔ بدنامی۔ بدمستی۔ بے سروسامانی وغیرہ کو جو کہ عشق کی بدولت حاصل ہو۔ تمام حالتوں سے بہتر ظاہر کرتی ہے۔ دولتِ دُنیا پر لات

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

مارنا۔ عقل و تدبیر سے بھی کام نہ لینا۔ توکل اور قناعت کے نشہ میں اپنی ہستی کو مٹانا۔ اور جوہر انسانیت کو خاک میں ملا دینا۔ دنیا ما فیہا کے زوال و فنا کا ہر وقت تصور باندھنے رکھنا علم و حکمت کو لغو و پوچ اور حجاب اکبر جاننا۔ حقائق اشیاء میں کبھی غور و فکر نہ کرنا۔ کفایت شعاری اور انتظام کا ہمیشہ دشمن رہنا۔ جو کچھ ہاتھ لگے۔ اُس کو فوراً اُڑا گا کھو دینا اور اسی طرح کی اور بہت سی باتیں اُس سے مستفاد ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام مضامین ایسے ہیں۔ جو ہمیشہ بے فکروں اور نوجوانوں کو بالطبع مرغوب ہوتے ہیں۔ اور کلام کا سادہ اور عام فہم ہونا شاعر کی فصاحت و بلاغت اور مطرب و رقاصہ کا خوش آوازی اور حسن جمال اور مزامیر کی لے اُنکو لے اُڑتی ہے۔ اور اُن کی تاثیر دس دس بیس گنا کر دیتی ہے۔ اور جب باوجود ان سب باتوں کے سامعین کو یہ بھی اعتقاد ہوتا ہے۔ کہ اس کلام کے قائل اکابر صوفیہ اور مشائخ کرام ہیں جن کی تمام عمر حقائق و معارف کے بیان کرنے میں گذری ہے۔ اور جن کا شعر شریعت کا لب لباب اور طریقت کا رہنما اور عالم لاہوت کی آواز ہے تو یہ مضامین اور بھی زیادہ دلنشین ہوتے ہیں۔ پس ممکن نہیں "کہ شیخ اور اُس کے متبعین کی غزل نے سوسائٹی کو اپنے جادو سے اچھوتا چھوڑا ہو۔ اور جب ہم مسلمانوں کے اخلاق اور معاشرت پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو اُنکو اکثر اُن اوصاف سے موصوف پاتے ہیں جن کی اس مجموعہ غزلیات سے ترغیب ہوتی ہے۔ عشق بازی حسن پرستی اُن کے ساتھ اسقدر مخصوص ہے کہ نہ صرف دولتمند بلکہ اکثر فاقہ مست بھی اس کا چسکا رکھتے ہیں۔ اور نہ صرف نوجوان بلکہ معمر لوگ بھی اُس کا دم بھرتے ہیں۔ فضول خرچی نا عاقبت اندیشی عقل و تدبیر سے کچھ کام نہ لینا۔ توکل اور قناعت کے دھوکے ہیں۔ معاش کی فکر نہ کرنی غیر قوموں کی ترقی کا ذکر سُنکر دنیا و ما فیہا کو ہیچ و پوچ بتانا۔ عقل انسانی کو حقائق اشیاء کے ادراک سے عاجز جاننا۔ اور موجودہ علمی ترقیات کو سراسر ایک دھوکا سمجھنا وغیرہ وغیرہ ہماری قوم کی عام خاصتیں ہیں۔ جو ہمارے ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں میں کم و بیش پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ یہ بات کہنی مشکل ہے۔ کہ ہم لوگوں میں یہ خاصتیں اسی شعر و غزل کی بدولت پیدا ہوئی ہیں۔ شاید اس کے اصل اسباب کچھ

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور ہوں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ عاشقانہ اور متصوفانہ اشعار نے اس حالت کے ترقی دینے میں بہت کچھ مدد پہنچائی ہے ؛

مسٹیون صاحب نے جو کلکتہ ریویو مورخہ جون ۱۸۵۶ء میں خواجہ حافظ کا حال لکھا ہے۔ اُس میں ایک عجیب حکایت لکھی ہے جس کا نقل کرنا اس مقام پر شاید بے موقعہ نہ ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ سعدی جو کہ حافظ کا چچا ہے۔ ایک روز وہ اور حافظ کسی جگہ بیٹھے تھے۔ اور سعدی غزل لکھ رہا تھا۔ جس کا پہلا مصرعہ حافظ کی بھی نظر پڑ گیا۔ اتفاقاً اسی وقت سعدی کسی کام کے لیئے وہاں سے اُٹھ گیا۔ اور اپنی غزل کا کاغذ ساتھ لے گیا۔ حافظ نے اُس مصرعہ پر دوسرا مصرعہ لگا کر اور پوری بیت ایک پرچہ پر لکھ وہاں چھوڑ دی۔ ... اور آپ چلدیا۔ شیخ نے پھر وہاں آکر حافظ کو نہ پایا۔ مگر وہ شعر لکھا ہوا دیکھا۔ جس میں سعدی پر کچھ چوٹ کی تھی۔ سعدی اس بات سے ناخوش ہوا۔ اور حافظ کو بلا کر پوچھا۔ کہ یہ شعر تو نے لکھا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ شیخ نے اُس سے ساری غزل پوری کرائی۔ اور جب وہ غزل سُنی۔ تو اُس کو بد دعا دی۔ کہ جو شخص تیری غزل پڑھیگا۔ وہ عقل سے بیگانہ رہیگا" اس کے بعد صاحب موصوف لکھتے ہیں۔ "قسطنطنیہ کے اکثر شیعی مسلمان اس بات کا یقین رکھتے ہیں۔ کہ بیشک سعدی کی بد دعا حافظ کے حق میں مستجاب ہوئی۔ کیونکہ اُس کے ہر ایک شعر میں یہ تاثیر پائی جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں۔ کہ "یہ حکایت صحیح ہو یا نہ ہو۔ مگر یہ خیال بالکل غلط ہے۔ کہ حافظ کی غزل سے دیوانگی اور وحشت پیدا ہوتی ہے" میں کہتا ہوں۔ کہ یہ خیال تو شاید غلط نہ ہو۔ مگر یہ حکایت قطعی غلط ہے۔ کیونکہ شیخ اور خواجہ کی وفات میں پورا ایک صدی کا آگا پیچھا ہے۔ قسطنطنیہ کے شیعوں کا خیال میرے نزدیک اس اعتبار سے صحیح ہے کہ خواجہ حافظ کی غزل کی ممارست اور مزاولت سے بیشک ابرار واحرار کے دلوں میں دنیا کی بے ثباتی اور توکل واستغنا وقناعت کا نہایت پختہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور اوباش والواط کو بیفکری۔ ناعاقبت اندیشی عشق بازی۔ بدنامی ورسوائی کی ترغیب ہوتی ہے۔ اور قوم کی موجودہ حالت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے لحاظ سے پہلی تاثیر بھی ویسی ہی خانہ برانداز اور نمایاں ہوز ہے جیسی دوسری ہر زمانہ کا جدا جدا اقتضا ہوتا ہے جب دولتمند اور ذی اقتدار لوگ دنیا طلبی اور حب جاہ میں سراسر منہمک اور مستغرق ہو جاتے ہیں اور جسمانی خوشیوں میں محو ہو کر روحانی مسرتوں کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں اور عقل و شریعت کے احکام معطل ہونے کے قریب جا پہنچتے ہیں اس وقت البتہ یہ امید ہو سکتی ہے کہ ایسی ترغیبوں سے کوئی عمدہ نتیجہ پیدا ہو لیکن ایسی حالت میں جبکہ تمام قوم کم ہمت اور پست حوصلہ ہو گئی ہو اور اولوالعزمی کا تخم انکی طبیعت میں جھلگیا ہو اور جبکہ تمام دنیا کی قومیں ترقی کی طرف متوجہ ہوں اس وقت دنیا سے ان کا دل سرد کرنا اور قناعت اور توکل کا ان کو سبق پڑھانا بالکل ایسا ہی ہے جیسے ٹمٹماتے ہوئے چراغ میں بجائے تیل ڈالنے کے زور سے پھونک مار کر اسکو گل کر دینا۔ پس ممکن ہے کہ شیخ اور اس کے متبعین کی غزل نے اس زمانہ میں جبکہ مسلمانوں کے دماغ نشۂ جاہ دنیوی عروج پر تھا کچھ مفید نتائج پیدا کئے ہوں لیکن اس زمانہ میں میرے نزدیک اس سے ضرر کا اندیشہ ہے۔

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ شیخ اور حافظ کی غزل پر کچھ اعتراض کرنا مقصود ہے۔ بلکہ اس سے انکی کمال سحر بیانی اور سیف زبانی ثابت ہوتی ہے شاعر کا کمال یہی ہے کہ جو کچھ وہ کہے اس سے لوگ متاثر ہوں نہ یہ کہ اس سے کبھی مضر نتائج پیدا نہ ہونے پائیں۔ باروت نے باوجودیکہ بنی آدم کی ہزاروں جانیں تلف کی ہیں۔ اور شراب نے بیشمار آدمیوں کو اخلاقی اور جسمانی مضرتیں پہنچائی ہیں۔ بااینہمہ اُن کے موجدوں کی دانشمندی کا تمام دنیا اعتراف کرتی ہے اور کرے گی +

قصائد وغیرہ

اس مجموعہ میں شیخ کے مدحیہ قصیدے مرثیئے ترجیع بند۔ ملمع اور مثلث جمع کئے گئے ہیں اس مجموعہ غزلیات کی نسبت بہت تھوڑا ہے شیخ نے قصیدہ میں کچھ زیادہ نام اور شہرت حاصل نہیں کی۔ یا تو اس کی طبیعت ہی قصیدہ گوئی اور مدح سرائی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی گوں نہ تھی - اور یا اس نے مدح و ستائش کے طریقہ مروجہ کو مکروہ سمجھ کر اختیار نہیں کیا - مگر چونکہ اس زمانہ کے دستور کے مطابق ایک ایسے نامور شاعر کو جیسا کہ شیخ تھا کچھ کچھ قصیدہ کے نام سے لکھنا ضرور تھا اس لئے اس نے کسی قدر قصائد لکھے ہیں جو کہ پہلے قصیدہ گویوں کی طرز سے بالکل مغائر ہیں -

شیخ سے پہلے جو حالت قصیدہ گوئی اور مداحی کی مسلمانوں میں تھی اس کی تفصیل بیان کرنے کا یہاں محل نہیں مگر مختصر یہ ہے کہ منصور بن مہدی عباسی خلیفہ بغداد کے زمانہ سے شعرا کو نہایت گرانبہا صلے اور انعام ملنے لگے تھے ایک ایک شعر پر لاکھ لاکھ درہم شاعروں کو مل جاتے تھے - خلفاء اور امراء کو اپنی تعریفیں سننے کا ایسا شوق ہو گیا تھا کہ اُن کا مداح کسی اور شخص کی مدح میں زیادہ مبالغہ کرتا تھا - تو اُنکو سخت ناگوار ہوتا تھا اور اگر تشبیب میں زیادہ شعر لکھ لاتا تو شکایت کرتے تھے - کہ یہ لوگ طبیعت کا سارا زور تو خال و خط کی تعریف میں خرچ کر دیتے ہیں - صرف کچھ بچے کھچے خیالات ہمارے سر مارتے ہیں - ہزاروں علماء و فضلاء نے قصیدہ گوئی اور مداحی کو اپنا پیشہ ٹھیرا لیا تھا اور شاعری میں شہرت ہو جانیکے بعد کسی کو اس بات سے چارہ نہ تھا کہ ذی اقتدار لوگوں کی مدح سرائی میں خامہ فرسائی کرے شعرا تمام ممالک اسلامیہ میں اسی اُمید پر سفر کرتے تھے - اور قصیدہ گوئی کی بدولت اطراف و جوانب سے مال و دولت جمع کر کے لاتے تھے - عباسیوں کے علاوہ فاطمی دیلمی کردی طاہری صفاری سامانی غزنوی سلجوقی خوارزم شاہی وغیرہ تمام سلسلوں میں مداحوں کی نہایت قدر کی جاتی تھی - ایران میں بھی سامانیوں کے عہد سے پہلے تو عربی قصائد کا ہی زور شور رہا - مگر سامانیوں کے زمانہ میں ایران کی شاعری کا مدار زیادہ تر فارسی زبان پر آٹھیرا - فارسی قصیدہ نے بھی خوب رواج پایا - ظہیر رشید خاقانی اور انوری وغیرہم نے فارسی قصیدہ میں وہی شہرت حاصل کی جو عربی میں متنبی - ابو تمام - بحتری اور ذو الرمۃ نے حاصل کی تھی

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ شیخ سعدی جیسے مشہور شاعر کو سلاطین و امرائے عہد کی تعریف میں قصیدہ لکھنا ایسا ہی ضروری تھا جیسے درباریوں کو جشن اور تہواروں میں نذر دکھانا مگر قصیدہ کی حالت اسوقت ایسی بُری تھی کہ شیخ کو اپنی جبلّی استقامت اور سنجیدگی کے سبب اس روش

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پر چلنا دشوار تھا۔ ممدوح کی ستائش میں سراسر عقل و عادت کیخلاف مبالغے کئے جاتے تھے۔ الفاظ کی سادگی اور بے تکلفی قصائد میں مذموم سمجھی جاتی تھی۔ مسائل علمیہ اور مقدمات علمیہ اور سلوک و تصوف کے دقائق اور علوم مختلفہ کی اصطلاحیں اظہار علم و فضل کے لئے اُنہیں بالقصد داخل کی جاتی تھیں صنائع لفظی خصوصاً تجنیس و ترصیع وغیرہ کو ان کا زیور سمجھتے تھے۔ شیخ کی آزادی اور حق گوئی خصوصاً سادہ بیانی جو اسکی طبیعت میں ودیعت کی گئی تھی۔ ان تکلفات لایعنی سے مانع تھی۔ اس کے کلام سے جا بجا یہ مفہوم ہوتا ہے۔ کہ وہ مبالغہ اور خوشامد کو نہایت ناپسند کرتا تھا۔ ظہیر فاریابی نے قزل ارسلاں کی مدح میں ایک جگہ یہ شعر لکھا ہے۔

نہ کرسئے فلک نہد اندیشہ زیر پائے　　تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں دہد

شیخ بوستاں میں جہاں اتابک ابوبکر سعد کی تعریف لکھتا ہے۔ وہاں ظہیر کے اس شعر پر اس طرح تعریض کرتا ہے:۔

براہ تکلف مرو سعدیا　　اگر صدق داری بیار و بیا
تو منزل شناسی و شہ راہ رو　　تو حق گوی و خسرو حقائق شنو
چہ حاجت کہ نہ کرسئے آسماں　　نہی زیر پائے قزل ارسلاں
مگو پائے عزت بر افلاک نہ　　بگو روئے اخلاص بر خاک نہ

اس کے سوا اور اکثر جگہ اس نے مداح پیشگی سے نفرت اور اعراض کیا ہے اس کے ایک قطعہ کا یہ مضمون ہے کہ لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ اے سعدی تو کیوں سختیاں اٹھاتا ہے اور کیوں اپنے کمال شاعری سے متمتع نہیں ہوتا؟ اگر تو مدح گوئی اختیار کرے تو نہال ہو جائے۔ مگر مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی رئیس یا امیر کے دروازہ پر اپنا مطلب دریوزہ گروں کی طرح لے جاؤں اگر ایک جَو بھر ہنر کے عوض میں کوئی مجھ کو سو خزانے بخشدے تو وہ مستحق شکر ہے اور نہیں قابل نفرین ۔

شیخ کو قطع نظر اس کے کہ مبالغہ اور خوشامد سے نفرت تھی کوئی ضرورت بھی ایسی داعی نہ تھی کہ وہ آنکھیں بند کر کے اگلی بھیڑوں کے پیچھے قدم قدم چلنے پر مجبور ہو جاتا۔ اور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

قصیدہ گوئی کا جو اس وقت کمال سمجھا جاتا تھا۔ اس کے حاصل کرنے میں مقتضائے طبیعت کے خلاف کوشش کرتا۔ وہ سلطانی خدمات سے ہمیشہ متنفر رہتا تھا۔ اور اپنے دوستوں کو اس سے باز رکھنے میں کوشش کرتا تھا۔ پس اسکو اس بات کی کچھ پرواہ نہ تھی کہ قصیدہ کو مقبولِ خاص و عام بنائے۔ اور اس ذریعہ سے دربار میں تقرب حاصل کرے جتنے نامی قصیدہ گو ایران میں گذرے ہیں سب بادشاہوں کے ہاں اس خدمت پر مامور رہے ہیں کہ خوشی کی تقریبوں میں طوفان کے تودے بنا کر لائیں۔ اور ان میں جس قدر زیادہ مبالغہ اور جھوٹ کو کام فرمائیں اسی قدر گرانبہا صلے اور انعام پائیں۔ چنانچہ ظہیر قزل ارسلان کے ہاں انوری سلطان سنجر کے ہاں۔ رشید وطواط خوارزم شاہ آتسز کے ہاں۔ اور خاقانی شراں شاہ کے ہاں ملک الشعرا تھے۔ ان لوگوں کی تمام طاقتنا اور لیاقت قصیدہ گوئی میں صرف ہوتی تھی۔ اور ان کی ترقی اور تقرب کا مدار صرف ان باتوں پر تھا جو اس زمانہ میں قصیدہ گوئی کے لئے ضروری تھیں یہی سبب ہے کہ قصیدہ کے سوا کوئی بڑی یادگار انہوں نے نہیں چھوڑی۔

پس اگرچہ شیخ جیسے مشہور اور نامور شاعر کو اس زمانے کے دستور کے موافق کچھ نہ کچھ قصیدہ کے نام سے لکھنا ضرور تھا لیکن اُسکو ویسے جھوٹے اور نمائیشی طلسم باندھنے کچھ ضرور نہ تھے۔ جیسے کہ انوری اور ظہیر وغیرہ نے باندھے ہیں اسی لئے غلطی سے یہ خیال کیا گیا ہے۔ کہ شیخ کو قصیدہ لکھنا نہ آتا تھا میں ہرگز اس امر کو تسلیم نہیں کرتا کہ اسکو معمولی چمک دمک کیساتھ قصیدہ لکھنے پر قدرت نہ تھی بلکہ میرے نزدیک جس طرح رُولر ٹیڑھا خط کھینچنے سے مانع ہوتا ہے اسی طرح طبیعت کی استقامت کبھی بیراہ نہیں چلنے دیتی۔ اس میں شک نہیں کہ فارسی میں جسقدر قصیدہ حدِ شاعری سے متجاوز ہو گیا ہے ایسی اور کوئی صنف نہیں ہوئی مدحیہ قصاید سے ہمیشہ یہ مقصود ہونا چاہیئے کہ ممدوح کی صفات کو سنکر خاص وعام کے دل میں اس کی محبت اور اس کے ساتھ حسن ظن پیدا ہو اور خود ممدوح پر یہ اثر ہونا چاہیئے اگر وہ صفتیں اس میں موجود ہوں تو ان میں اور زیادہ ترقی کرے یا کم سے کم انکو اسی حال پر قائم رکھے۔ اور اگر نہ ہوں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

تو اُن کے حاصل کرنے میں کوشش کرے۔ یہ مطلب جیسا کہ ظاہر ہے جب ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ کہ جو صفات مدح میں ذکر کی جائیں وہ ممدوح کی ذات میں یا توفی الواقع موجود ہوں یا اُن کے موجود ہونے کا احتمال ہو ورنہ ممدوح کے دل میں اسی مدح کی وقعت ایک ہجو ملیح سے زیادہ نہ ہوگی۔ مثلاً ظہیر فاریابی نے جو قزل ارسلان کی مدح میں یہ لکھا ہے کہ "تصوّر جب ساتوں آسمانوں اور عرش و کرسی کو طے کر لیتا ہے تب جاکر قزل ارسلان کی رکاب پر بوسہ دیتا ہے۔" اس سے قزل ارسلان کے دل پر سوا اس کے کہ اسکو ہجو ملیح سمجھا ہو اور کیا اثر ہوا ہوگا۔ یا مثلاً انوری جو مجد الدین ابو الحسن کے شان میں لکھتا ہے کہ "اگر وہ زمانہ گذشتہ کو رجعت کا حکم دے۔ تو پھر کر زمانۂ آئندہ کی جگہ آجائے" اس سے ابو الحسن کے دل میں سوا اس کے کہ مدّاح کو الو بناتا ہے یا میرا خاکہ اڑاتا ہے اور کیا خیال گذرا ہوگا۔ یہی حال اُن تمام قصیدہ گویوں کی مدح کا ہے۔ جنکو ایران اور ہندوستان وغیرہ میں سب نے تسلیم کیا ہے۔ شیخ نے عدم قدرت کے سبب بلکہ فرط کراہت کے سبب مدح و ستائش کے اس ناپسندیدہ طریقہ کو اختیار نہیں کیا اس لئے قصائد بھی اسی اپنی شیریں زبانی اور سادہ بیانی و بے تکلفی کے ساتھ جو کہ اس کے کلام کی عام خاصیت ہے لکھے ہیں اس کے قصائد سے کمال آزادی اور حق گوئی ثابت ہوتی ہے۔ اس نے اکثر قصیدے اور ترجیع بند وغیرہ محض محبت اور خلوص اور دلی جوش سے لکھے ہیں۔ نہ خوشامد کی راہ سے اور نہ صلہ و انعام کی امید پر۔ باقی جسقدر قصیدے بضرورت سلاطین عہد اور حکام وقت کی شان میں لکھے ہیں۔ ان کے اسلوب بیان سے صاف ظاہر ہے کہ اس نے اہل دنیا کی تنبیہ اور نصیحت و پند کے لئے قصیدہ کو اُن سے خطاب کرنے کا ایک ذریعہ قرار دیا تھا کیونکہ وہ بالکل مواعظ و نصائح سے بھرے ہوئے ہیں بعض قصیدوں میں پند و اندرز کے سوا مدحیہ اشعار دو چار سے زیادہ نہیں۔ یہ وہ قصیدے ہیں جو اُس نے اپنے دوست اور معتقد امیروں اور بادشاہوں کیساتھ نامزد کئے ہیں۔ ان کے سوا اور قصیدوں میں اول مدح و ستائش کی چاٹ دے کر پھر نصیحت کرنی شروع کی ہے ÷

شیخ کی قصیدہ گوئی کا ڈھنگ اور اسکی علت غائی جو اس نے قرار دی تھی۔ ذیل کے

اشعار سے معلوم ہو سکتی ہے۔

اتابک ابوبکر بن سعد زنگی جو فارس کا بادشاہ تھا۔ اور شیخ اس کی رعایا میں سے تھا اس کی طرف خطاب کر کے کہتا ہے:-

بنوبت اند ملوک اندریں سپنج سرائے
کنونکہ نوبت تست اے ملک بعدل گرائے

چہ مایہ بر سر ایں ملک سروراں بودند
چو دور عمر بسر شد درآمدند زپائے

نیاز باید و طاعت نہ شوکت و ناموس
بلند بانگ چہ سود و میان تہی چو درائے

بہ تیغ و نیزہ گرفتند جنگجویاں ملک
تو بر دو بحر گرفتی بعدل ہمت ورائے

چو ہمت ست چہ حاجت بہ گرز مغفر کوب
چو دولت ست چہ حاجت بہ تیر جوشن خائے

عمل بیار کہ رخت سرائے آخرت است
نہ عود سوز بکار آیدت نہ عنبر سائے

ہر آں نکہت کہ بہ آزار خلق فرماید
عدوئے مملکت است آں بکشتنش فرمائے

بکام دل دشمن نشنید آں مغرور
کہ بشنود سخن دشمنان دوست نمائے

دیار مشرق و مغرب بگیر و جنگ مجوی
دلے بدست کن و زنگ خاطرے بزدائے

نگویمت چو زباں آوراں رنگ آمیز
کہ ابر مشک فشانی و بحر گوہر زائے

نکاہد آنچہ نوشتہ است عمر و نفزاید
پس ایں چہ فائدہ گفتن کہ تا بحشر بپائے

دوسرے قصیدہ میں چند مدحیہ شعر لکھ کر اتابک ابوبکر کی طرف اس طرح خطاب کرتا ہے:-

مدیح شیوۂ درویش نیست تا گویم
کہ ہمچو بحر محیطی و ابر آذاری

نگویمت کہ بہ فضل از کرام ممتازی
نگویمت کہ بعدل از ملوک مختاری

دگر چہ اینہمہ ہستی نصیحت اولیٰ تر
کہ بندہ را بخلاص ست و دوستی یاری

بسعی کوش کہ ناگہ فراغتت نبود
کہ سر بخاری اگر روئے شیر نخاری

خدائے یوسف صدیق را عزیز نہ کرد
بخوبروئی۔ ولیکن بخوب کرداری

شکوہ لشکر و جاہ و جلال ہا نہ ہمت
ولے بکار نیاید بجز نکوکاری

بقائے مملکت اندر وجود یک حرف ست
کہ دست ہیچ قوی بر ضعیف نگماری

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پس از گرفتن عالم چو کوچ خواہد بود   روا ست گر ہمہ عالم گرفتہ انگاری

بہ نیک و بد چو بباید گذشت آں بہتر   کہ نیک نام بدست آوری و بگذاری

ہزار سال نگویم بقائے عمر تو باد   کہ ایں مبالغہ دانم ز عقل نشماری

ہمیں سعادت و توفیق بر مزیدت باد   کہ حق گذاری و ناحق کسے نیازاری

اتابک سلجوق شاہ بن سلغر شاہ جو اتابکوں کے خاندان میں بڑا ظالم بادشاہ گذرا ہے اور جو آخر کو اپنے ظلم کے سبب قتل کیا گیا۔ اس کی مدح میں چند شعر لکھ کر کہتا ہے:-

مراد سعدی از انشائے و زحمت خدمت   نصیحت ست بسمع قبول شاہنشاہ

کمر بطاعت و انصاف و عدل و عفو بہ بند   چو دست رحمت حق بر سرت نہادہ کلاہ

دوام دولت آرام مملکت خواہی   ثبات راحت و امن مزید رفعت و جاہ

تو روشن آئینہ ز آہ دردمند بترس   عزیز من! کہ اثر مے کند در آئینہ آہ

معلمان بد آموز را سخن مشنو   کہ دیر سال بمانی بکام نیکی خواہ

ایل خاں یعنی ہلاکو خاں یا اس کے بیٹے اباقا خاں کی شان میں جن کی ہیبت سے روم و روس و چین کے بادشاہ لرزتے تھے مدحیہ اشعار لکھکر لکھتا ہے۔

ہر نوبتے نظر بہ یکے می کند سپہر   ہر مدتے زمیں بہ یکے میدہد اماں

ہیچ نشاں کہ دولت باقیت بردہد   کایں باغ عمر گاہ بہارست و گہ خزاں

اے پادشاہ روئے زمیں دور ازاں تست   اندیشۂ تقلب دوراں کن و زماں

چوں کام جاوداں متصور نمیشود   خرم کسے کہ زندہ کند نام جاوداں

ناداں کہ بخل مے کند و گنج مے نہد   مزدور دشمن است تو بر دوستاں فشاں

یارب تو ہر چہ رائے صواب ست و فعل خیر   اندر دل وے افگن و بر دست وے براں

آہوئے طبع بندہ چنیں مشک میدہد   کز پارس میبرند بہ تاتارش ارمغاں

سردار انکیانو جو خاندان اتابک کے زوال کے بعد سلطان اباقا خاں پسر ہلاکو خاں کے حکم سے فارس کا فرمانروا مقرر ہوا تھا۔ اور اپنے قدیم تاتاری مذہب پر نہایت پختگی سے ثابت قدم تھا اسکی شان میں جتنے قصیدے شیخ نے لکھے ہیں ان میں متعدد اشعار کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سوا باقی تمام نصیحت و پند مندرج ہے از آنجملہ ایک قصیدہ میں بہت سے مواعظ ونصائح کے بعد لکھتا ہے:۔

حرامش باد ملک و بادشاہی — کہ پیشش مدح گویند از قفا ذم
عروس زشت زیبا کے تواں کرد — وگر بر خود کنند دیبائے معلم
اگر مردم ہمیں بالا و ریش اند — بہ نیزہ نیز بربستہ ست پرچم
چنیں پند از پدر نشنیدہ باشی — الا گر ہوشیاری بشنو از عم
چو یزدانت مکرم کرد و مخصوص — چناں زی در میان خلق عالم
کہ گردستے مکان بادشاہیت — نباشی ہم چناں باسی مکرم
نہ ہر کس حق تواند گفت گستاخ — سخن ملکے ست سعدی را مسلّم
مقامات از دو بیروں نیست فردا — بہشت جاودانی یا جہنم

سلجوق شاہ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اس کی مدح کو ایک اور قصیدے میں اس طرح ختم کیا ہے۔

جہاں نماند و آثار مملکت ماند — بخیر کوش و صلاح و بعدل کوش و کرم
کہ ملک و دولت ضحاک بیگناہ آزار — نماند و تا بہ قیامت بر و بماند رقم
غلطے بنده نگیری کہ بہتران و ملوک — شنیدہ اند نصیحت ز کہتران خدم
خنک کسیکہ پس از وے حدیث خیر کنند — کہ جز حدیث نمے ماند از بنی آدم

ان کے سوا جو قصیدے خواجہ شمس الدین جوینی صاحب دیوان اور اس کے بھائی خواجہ علا والدین جوینی اور مجد الدین رومی اور فخر الدین ابوبکر وغیرہم کی مدح میں لکھے ہیں۔ ان میں بھی مدح اکثر برائے نام ہے۔ زیادہ تر نصیحت و پند ہے اور بہت سے قصیدے ایسے بھی ہیں جو کسی کی مدح میں نہیں ہیں۔ ان میں صرف نصائح و مواعظ یا فصل بہار کا سماں یا معشوق کی طرف یا حمد الہی وغیرہ مندرج ہے۔

ایک مختصر قصیدہ اول سے آخر تک بھی اس مقام پر نقل کیا جاتا ہے تاکہ ناظرین کو مدح اور نصیحت دونوں کا ڈھنگ معلوم ہو۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مدح و موعظہ مجد الدین رومی

جہاں بر آب نہادہ ست و زندگی بر باد ‌‌ ‌‌ غلام ہمت آنم کہ دل برو ننہاد

جہاں نماند و خرم روان آدمیٔ ‌‌ ‌‌ کہ باز ماند ازو در جہاں بہ نیکی یاد

سرائے دولت باقی نعیم آخرت ست ‌‌ ‌‌ زمین سخت نگہ کن چو مے نہی بنیاد

کدام عیش درین بوستاں کہ باد اجل ‌‌ ‌‌ ہمے بر آورد از بیخ قامت شمشاد

حیات عاریتے خانہ ایست در رہ سیل ‌‌ ‌‌ چراغ عمر نہادہ است بر دریچہ باد

بسے بر آید و بے ما فرو شود خورشید ‌‌ ‌‌ بہار گاہ خزاں باشد و گہے مرداد

بر آنچہ میگذرد دل منہ کہ دجلہ بسے ‌‌ ‌‌ پس از خلیفہ بخواہد گذشت در بغداد

گرت ز دست بر آید چو نخل باش کریم ‌‌ ‌‌ ورت بدست نباشد چو سرو باش آزاد

بسے بدیدۂ حسرت ز پس نگاہ کند ‌‌ ‌‌ کسیکہ برگ قیامت ز پیش نفرستاد

وجود خلق بدل میکنند ورنہ زمین ‌‌ ‌‌ ہماں ولایت کیخسروست و ملک قباد

چو طفل بر ہمہ بازید و بر ہمہ خندید ‌‌ ‌‌ عجب تر آنکہ نگشتند دیگراں استاد

عروس ملک نکو روئے دختریست ولے ‌‌ ‌‌ وفا نمیکند ایں سست مہر با داماد

نہ خود سریر سلیماں بباد رفتے و بس ‌‌ ‌‌ کہ ہر کجا کہ سریریست میرود بر باد

ہمیں نصیحت من گوش دار و نیکی کن ‌‌ ‌‌ کہ دانم از پس مرگم کنی بہ نیکی یاد

نداشت چشم بصیرت کہ گرد کرد و نخورد ‌‌ ‌‌ ببرد گوئے سعادت کہ صرف کرد و بداد

چنانکہ صاحب فرخندہ رائے مجد الدین ‌‌ ‌‌ کہ بیخ اجر نشاند و بنائے خیر نہاد

نگویمت بہ تکلف فلاں دولت و دین ‌‌ ‌‌ سپہر مجد و معانی جہان دانش و داد

تو آں برادر صاحب دلی کہ مادر دہر ‌‌ ‌‌ بسالہا چو تو فرزند نیک بخت نزاد

بروزگار تو ایام دست فتنہ ببست ‌‌ ‌‌ بہ یمن تو در اقبال بہ جہاں بگشاد

دلیل آنکہ ترا از خدائے نیک آید ‌‌ ‌‌ بس ست خلق جہاں کہ از تو نیک افتاد

یکے دعا کنمت بے رعونت از سر صدق ‌‌ ‌‌ خدات در نفس آخریں بیامرزاد

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

توہم زباں نہ کنی گر بصدقِ دل گوئی — کہ آفرینِ خدا بر روانِ سعدیؔ باد

ایک ترجیع بند کے کچھ اشعار بھی جو کہ شیخ نے سعد بن ابو بکر کے مرثیہ میں لکھے ہیں اور کلیات میں غلطی سے امیر فخرالدین ابو بکر کے نام پر لکھ دیا گیا ہے بطور نمونہ کے یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

غریباں را دل از بہرِ تو خون ست — دلِ خویشاں نمی دانم کہ چون ست

عنانِ گریہ چوں شاید گرفتن — کہ از دستِ شکیبائی بروں ست

نگر شاہنشہ اندر قلبِ لشکر — نمی آید کہ رایت سرنگوں ست

شکیبائی مجو از جانِ مہجور — کہ بار از طاقتِ مسکیں فزوں ست

سکوں در آتشِ سوزندہ گفتم — نشاید کرد درماں ہم سکوں ست

کہ دنیا صاحبے برد و خوں خوار — زمانہ مادرے بے مہر و دل ست

نہ اکنوں ست بر ما جورِ ایام — کہ از دورانِ آدم تا کنوں ست

نمے دانم حدیثِ نامہ چوں ست

ہمے بینم کہ عنوانش بخوں ست

بزرگاں چشم و دل در انتظارند — عزیزاں وقت و ساعت میشمارند

غلاماں دُرّ و گوہر مے فشانند — کنیزاں دست و ساعد مے نگارند

۱؎ امیر فخرالدین ابو بکر اتابک ابو بکر کے امرائے نامدار میں سے تھا جو ادنے درجہ سے منصبِ امارت بلکہ شرکت ملک تک پہنچا تھا۔ اور سعد ابو بکر اتابک کا بیٹا تھا جس زمانہ میں ہلاکو خاں نے بغداد کو فتح کیا تھا۔ ابو بکر نے اپنے بیٹے سعد ابو بکر کو اظہارِ دوستی و خیر خواہی کے لیے بغداد میں بھیجا تھا۔ جب وہاں سے باعزاز تمام رخصت ہوا تو راہ میں باپ کے مرنے کی خبر سنی۔ جس سے اور ولیعہدوں کی طرح اس کو خوش ہونا چاہیئے تھا۔ مگر اس کو اس خبر سے ایسا صدمہ ہوا کہ راہ ہی میں سخت بیمار ہو گیا۔ در رستے ہی میں باپ کی وفات سے بارہ روز بعد مر گیا۔ اس کی منادی جب شیراز میں آئی تو شیخ نے یہ مرثیہ لکھا ہے۔ جیسا کہ ترجیع کے شعر سے ظاہر ہے۔ سعد کے بعد اس کا بیٹا اتابک محمد مظفر اس کا جانشین ہوا ٭

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ملک خان دمیاق و بدر و ترخان — برہوادارانِ تازی بر سوارند
کہ شاہنشاہِ عادل سعد بوبکر — بہ ایوانِ شہنشاہی درآرند
حرم شادی کناں بر طاقِ ایواں — کہ مروارید بر تاجش بیارند
زمیں میگفت عیشے خوش گذاریم — ازاں پس آسماں گفتن از گذارند
امیدِ تاج و تختِ خسروی بود — ازیں غافل کہ تابوتش درآرند
چہ شد پاکیزہ رویانِ حرم را — کہ بر سرکاہ و برزیور غبارند
نشاید پارہ کردن زیور و روی — کہ مردم تختِ امر کردگارند
ولیکن با چنیں داغِ جگرسوز — نمے شاید کہ فریادے ندارند
ملے شاید کہ مہجوراں بگریند — روا باشد کہ مظلوماں بنالند

نمے دانم حدیثِ نامہ چون ست
ہمے بینم کہ عنوانش بخون ست

پس از مرگِ جواناں گل مماناد — پس از گل در چمن بلبل مخواناد
کس اندر زندگانی قیمتِ دوست — نداند - کس چنیں قیمت مداناد
سرآمد روزگارِ سعد بوبکر — خداوندش برحمت در رساناد
بہ تلخی رفت از دنیائے شیریں — زلالِ کام در حلقش چکاناد
جزائے مُردہ رفتن در غریبی — شراب از دستِ پیغمبر ستاناد
دریں گیتی مظفر شاہِ عادل — محمد نام بردارش بماناد
سعادت پرتوِ نیکاں دہادش — بخوئے صالحانش پروراناد
روانِ سعد را با جانِ بوبکر — بہ اوجِ روح و راحت گستراناد
بکامِ دوستان و بختِ فیروز — بسے دورانِ دیگر بگذراناد

نمے دانم حدیثِ نامہ چون ستا
ہمے بینم کہ عنوانش بخون ست

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

صاحبیہ

یہ مجموعہ شیخ کے متفرق اشعار کا سو صفحہ کے قریب ہے جس میں قطعہ رباعی فرد ملمّع مثنوی وغیرہ جمع کی گئی ہیں چونکہ شیخ کے ساتھ خواجہ شمس الدین حسین صاحب دیوان کو کمال خلوص اور عقیدت تھی اس لئے شیخ نے اس مجموعہ کا نام صاحبیہ رکھا ہے

ان اشعار میں کوئی نئی خصوصیت نہیں ہے جس کا ذکر کیا جائے بیشتر اشعار نصیحت و پند پر اور کسی قدر حسن و عشق کے مضامین پر مشتمل ہیں چند قطعے اور رباعیاں جو سرسری نظر میں اچھی معلوم ہوئیں نقل کی جاتی ہیں۔

قطعات

ناکساں را فراستے ست عظیم — گرچہ تاریک طبع و بدخویند (تفرّس ناکساں)
چو دو کس مشورت کنند بہم — گوید ایں عیب من ہمی گویند

سگے شکایت ایام با یکے میگفت — نہ بینیم کہ چہ برگشتہ حال و مسکینیم (خصائل سگاں)
نہ آشیانہ چو مرغاں نہ غلّہ چوں موراں — قناعتم صفت و بردباری آئینم
گرم دہند خورم ورنہ میروم آزاد — نہ ہمچو آدمیاں خشمناک بنشینم
مرا نہ برگ زمستاں نہ عیش تابستاں — کفایت ست ہمیں پوستین پارینم
نہ در ریاضت و خلوت مقام میسازم — کہ جایگاہ کلخن ست و سنگ بالینم
بہ لقمہ اکتنا دل کنم ز دست کسے — روا ست گر بزند بعد ازاں بتر و بینیم
چو گربہ ورنہ ربایم ز دست مردم چیز — در افتادہ بود ریزہ ریزہ بر چینیم
بجائے من کہ نشیند کہ در مقام وفا — برابر ست گلستاں و تلّ سرگینیم
مرا کہ سیرت ازیں جنس و خو بدیں صفت ست — چہ کردہ ام کہ سزاوار سنگ و نفرینم
جواب داد کزیں بیش نعت خویش مگو — کہ خیرہ گشت ز وصفت زبان تحسینم
ہمیں دو خصلت ملعون کفایت ست ترا — غریب دشمن و مردار خوارے بینم

نظر کردم بہ تجسیم رائے و تدبیر — ندیدم بہ ز خاموشی خصالے (وقت بود از محنت)
نگویم لب بہ بند و دیدہ بردوز — ولیکن ہر مقامے را مقالے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

زمانے بحث علم و درس تنزیل — کہ باشد نفس انساں را کمالے
زمانے شعر و شطرنج و حکایات — کہ خاطر را بود دفع ملالے
خدای ست آنکہ ذات بے مثالش — نگردد ہرگز از حالے بحالے

ہمدردی بنی نوع انسان
رحم اللہ یا معشر الماضین — کہ بہ مردی قدم سپردندے
راحت نفس بندگان خدائے — راحت جاں خود شمردندے
آں عزیزاں چو زندہ می نشوند — کاش این ناکساں بمردندے

انجام ظالمان
بس دست دعا بر آسماں بود — تا پائے بر آمدت بہ سنگے
اے گرگ نہ گفتمت کہ روزے — تا کہ بسر افتدت پلنگے

حقوق پدر
اے طفل کہ دفع مگس از خود نتوانی — ہر چند کہ بالغ شدی آخر نہ ہمانی
شکرانہ زور آوری روز جوانی — آن ست کہ قدر پدر پیر بدانی

عالم رزاق
صانع نقش بند بے مانند — کہ ہمہ نقش او نکو آید
رزق طائر نہاد در پر و بال — کہ بہر طعمہ فرو آید
روزی عنکبوت را بہ مگس — پر دہد تا بہ نزد او آید

ولی یتیمان
الحق امنائے مال ایتام — ہمچوں تو حلال زادہ یابند
ہرگز زن و مرد کفر و اسلام — نفس از تو پلید تر نہ زایند
طفلاں ترا پدر بمیراد — تا جور و ستم بیازمایند
اطفال عزیز ناز پرورد — از دست تو دست بر خدایند

اسیر ما عسل از دست خلق مے نخورد — کہ زہر در قدح انگبیں تواند بود
عجب کہ در عسل از زہر میکند پرہیز — حذر نمیکند از تیر آہ زہر آلود

ترحم بر بیوگان
شنیدم کہ بیوہ زنے دردمند — ہمی گفت و رخ بر زمیں می نہاد
ہر آں کر خدا را کہ بر بیوہ زن — ترحم نباشد زنش بیوہ باد

منع دشنام
ہر بد کہ بخود نمے پسندی — با کس مکن اے برادر من
گر مادر خویش دوستداری — دشنام مدہ بہ مادر من

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri
CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

مدافعت دشمن

مقابلت نکند باحجر بہ پیشانی — مگر کسے کہ تہوّر کند بنادانی
کس ایں خلانہ پسندد کہ دفع دشمن خود — توانی و نکنی یا کنی و نتوانی

معاملہ

شنیدہ ام کہ فقیہے بہ وستبانی گفت — کہ باہیچ خربزہ واری رسیدہ گفت آرے
ازیں طرف دو بہ دانگے گر اختیار کنی — وزاں چہار بہ دانگے قیاس کن بارے
سوال کرد کہ چندیں تفاوت از پئے چیست — کہ فرق نیست میانِ دو نوع بسیارے
بگفت از آنچہ تو بینی حلال ملکِ من است — نیامدہ ست بدستم بوجہ آزارے
وزاں دگر پسرانم بغارت آوردند — حرام را نبود نزد و شرع مقدارے
فقیہ گفت حکایت دراز خواہی کرد — ازیں حرام ترت ہست صد بہ دینارے

امتحان دوستی

تا سگاں را وجوہ پیدا نیست — مشفق و مہربان یک دگر اند
لقمۂ درمیان شان انداز — کہ ہمی گاہ یک دگر بدرند

رباعیات

پاسِ عہد

شب نیست کہ چشم آرزومند تو نیست — ویں جاں بلب رسیدہ دربند تو نیست
گر تو دگرے بجائے من بگزینی — من عہدِ تو نشکنم کہ مانند تو نیست

تاسف برعمر گذشتہ

ماہی امید عمرم از شست برفت — ہیفائدہ روزم چو شب مست برفت
عمرے کہ از و دمے بجانے ارزد — افسوس کہ رائیگانم از دست برفت

انجام ظالم

از بس کہ بیازرد دلِ دشمن و دوست — گوئی بگناہ مسخ کردندش پوست
وقتے غمِ او بردلہا بودے — اکنوں ہمہ غمہائے جہاں بردل اوست

فضیلت محبت

گویند ہوائے فصلِ آزار خوش است — بوئے گل و بانگ مرغ گلزار خوش ست
ابریشم زیر و نالۂ زار خوش ست — اے بیخبراں ایں ہمہ بایار خوش ست

مجبوری عاشق

گویند مرو در پے آں سروِ بلند — انگشت نمائے خلق بودن تا چند
بیفائدہ پندم مدہ اے دانشمند — من چوں نروم کہ می برندم بہ کمند

خون رنگ

آہو برہ را کہ شیر در پے باشد — بیچارہ چہ اعتماد برروے باشد
ایں ملح درآب چند بتواند بود — ویں برف در آفتاب تا کے باشد

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

توجیہ
آنرا که نظر بروئے ہر کس باشد — در دیدۂ صاحب نظراں خس باشد
قاضی بدو شاہد بدہد فتویٰ شرع — در مذہب عشق شاہدے بس باشد

زاہدان منافقان
مرداں ہمہ عمر پارہ بردوختہ اند — قوتے بہزار حیلہ اندوختہ اند
فردائے قیامت بگناہ ایشاں را — باشد کہ نسوزند کہ خود سوختہ اند

سلطانیم
با دوست بگرمابہ درم خلوت بود — واں روئے گلینش گل حمام آلود
گفتا گر روئے کسے دارد دوست — گفتم بگل آفتاب نتواں اندود

غرور حسن
چوں صورت خویشتن در آئینہ بدید — واں کام و دہان و لب و دنداں بگزید
میگفت چنانکہ میتواں گشت شنید — بس جاں بلب آمد کہ بدیں لب نرسید

انتظار صبح
شب نہ بیاض روز برمے آید — نہ نالہ مرغان سحر مے آید
بیدار نشستہ ام نظر بر سر کوہ — تا صبح کے از سنگ بدر می آید

فصل خزاں
وقت است کہ چشم فتنہ خوابش ببرد — باد از رخ گل حسن شبابش ببرد
گل وقت رسیدن آب عطار ببرد — عطار بوقت رفتن آتش ببرد

فصل بہار
وقت گل روز شادمانی آمد — ہنگام نشاط و کامرانی آمد
آں شد کہ بسرما نتوانی آمد — سرما شد وقت مہربانی آمد

علامت عشق و معشوق
ما چاکر آنیم کہ دل بربایہ — یا دل بکسے دہد کہ جاں آسایہ
آنکس کہ نہ عاشق و معشوق کس ست — در ملک خدا اگر نباشد شاید

جوانی ناکامی
آں گل کہ ہنوز نو بدست آمدہ بود — نشگفتہ تمام باد مہرش بربود
بیچارہ بسے امید در خاطر داشت — امید دراز و عمر کوتاہ چہ سود

حسرت
من دوش قفا بار و قدر پشتم بود — تاریخ ز نخدان تو در مشتم بود
دیدم کہ ہمے گزم لب شیرینت — بیدار چو گشتم سر انگشتم بود

صلح یا جنگ
چوں خصم تو صد باشد و خصم تو ہزار — خود را بہ ہلاک مے سپاری زنہار
تا بتوانی بر آور از خصم دمار — چوں جنگ ندانی آشتی عیب مدار
نامردم اگر زنم سر از مہر تو باز — خواہی بکشم بجور و خواہی بنواز

صدق طلب

در بگریزم ز دستت اے مایۂ ناز — ہر جا کہ روم پیش تو مے آیم باز

تا سر نہ کنم در سرت اے مایۂ ناز — کوتہ نہ کنم ز دامنت دست نیاز

ہر چند کہ راہم بتو دور است و دراز — در رہ بمیرم و نگردم ز تو باز

خبر بدگویان و دشمن

گر بے خبراں دعیب گویاں از پس — منسوب کنندم بہوا و ہوس

آخر نہ گناہ است کہ من کردم و بس — منظور ملیح دوست دارد ہمہ کس

حفظ جان از ملک

چوں زہرہ شیراں ببرد نعرۂ کوس — برباد مدہ جان گرامی بہ فسوس

با آنکہ خصومت نتواں کرد بساز — دستے کہ بقوت نتواں برد ببوس

مخالفت با دوست

یا ہمچو ہمائے بر من افگن پر خویش — تا بندگیت کنم بجان و سر خویش

در لائق خدمتم ندانی بر خویش — گو من سر خویش گیرم و کشور خویش

ہمسایگی نیکان و بدان

ہمسایہ کہ میل طبع باشد سویش — فردوس بریں بود سرا در کویش

واں را کہ بخواہی کہ نہ بینی رویش — دوزخ باشد بہشت در پہلویش

حسرت جوانی و پیری

ہر سرو قدے کہ بگذرد در نظرم — در ہیات او خیرہ بماند بصرم

چوں من نتوانم کہ جواں گردم باز — آخر کم ازانکہ در جواناں نگرم

تلخی صبر و فراق

خود را بمقام شیر مے دانستم — چوں خصم آمد بہ روبہی ماندستم

گفتم من و صبر اگر بود روز فراق — چوں واقعہ افتاد نتوانستم

تاسف بر عمر گذشتہ

شہباز ہمہ خلق نہاں میگریم — چشم از غم دل بر آسماں میگریم

طفل از غم مرغ رفتہ چوں گریہ کند — بر عمر گذشتہ ہمچناں میگریم

امتناع از عیب گیری

چوں ما و شما اقارب یکدگریم — بہ زاں نبود کہ پردۂ ہم نہ دریم

اے خواجہ تو عیب من مکن تا من نیز — عیب تو نگویم کہ یک از یک بتریم

خواہش جنگ با معشوق

گر بر رگ جاں زدست آید تیرم — چہ خوشتر ازانکہ پیش دستت میرم

دل با تو خصومت آرزو میکندم — تا صلح کنی و در کنارت گیرم

حضور دوست در ہمہ حال

مے آئی و لطف و کرمت می بینم — و آسائش جاں در قدمت می بینم

و آں وقت کہ غائبی ہمت می بینم — ہر جا کہ نگہ مے کنمت مے بینم

گفتم که دگر چشم به دلبر نکنم　　صوفی شوم و گوش به منکر نکنم
دیدم که خلافِ طبع موزون من ست　　نوبت کردم که توبه دیگر نکنم

مه راز فلک بطرفِ بام آوردن　　وز روم کلیسیا بشام آوردن
در وقتِ سحر نماز شام آوردن　　بتواں بتواں ترا بدام آوردن

نه سرو تواں گفت نه خورشید نه ماه　　آه از تو که در وصف نمے آئی آه
هر کس برہے میرود اند طلبت　　گر ره بتو بودے نه بدے اینهمه راه

اے راهرواں راگذر از کوئے تو نه　　یا بیخبر از عشق و گذر سوئے تو نه
هر تشنه که از دستِ تو بستاند آب　　از دستِ تو سیر گردد از روئے تو نه

اے یار کجائی که در آغوش نۂ　　وامشب بر بالشته چوں دوش نۂ
اے سرو بلند و راحتِ جسم و رواں　　هر چند که غائبی فراموش نۂ

اے کاج نه کردمے نگاه از دیده　　بر دل نه زدے عشق تو راه از دیده
تقصیر ز دل بود گناه از دیده　　آه از دل و صد هزار آه از دیده

روزے دو سه شد که بنده ننواختهٔ　　و اندیشه به ذکرِ ما نه پرداختهٔ
زاں مے ترسم که دشمناں اندیشند　　کز چشم عنایتم بینداختهٔ

گفتم که کنم توبه ز صاحب نظری　　باشد که بلائے عشق گردد سپری
چندانکه نگه کنم اے رشک پری　　بار دویں ز اولیں خوبتری

گویند که دوش شحنگان تتری　　دزدے بگرفتند بصد حیله گری
امروز به آئین تجنتش مے بردند　　مے گفت رها کن که گریباں بدری

گیرم که به فتوائے خردمندی رائے　　از دائرہ شرع برون ننهم پائے
با میل که طبع مے کند چه تواں کرد　　عیبے ست که در من آفریده خدائے

مفردات

دانی چه گفته اند بنی عوف در عرب　　نسلِ بریده به که موالید بے ادب

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri
CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تو آتش بہ نے درزن و درگذر — کہ نہ خشک در بیشہ ماند نہ تر

مروت نباشد بہ افتادہ زور — برد مرغ دوں دانہ از پیش مور

خواہی کہ طبیعت ہمہ کس دار دوست — باہر کہ درافتی چناں باش کہ او دوست

گر راہ نمائی ہمہ عالم راہ است — در دست نگیری ہمہ عالم چاہ است

نہالے کہ سی سال گردد درخت — ز بیخش برآرد یکے باد سخت

اگر نواب و سرہنگاں ہم از درگہ برانندت — ازاں بہتر کہ در پہلوئے مجہولے نشانندت

سلطان چو منزل گدایاں آید — گو بر سر بوریا نشیند شاید

گر زہر صفت آسماں گزند آید — ہمہ بہ عفو دردمند آید

اگر دنداں نباشد ناں تواں خورد — مصیبت آں بود کت ناں نباشد

منعم کہ نظر بحال درویش کند — چنداں کہ کرم کند طمع بیش کند

تواضع گرچہ محمود است و فضل بیکراں دارد — نشاید کرد بیش از حد کہ ہیبت را زیاں دارد

گفتم کہ برآید آبے از چاہ امید — افسوس کہ دلو نیز در چاہ افتاد

بشکر آنکہ تو در خانہ و اہلیت پیش — نظر دریغ مدار از مسافر درویش

کوتہ نظراں را بود حزن غم خویش — صاحب نظراں را غم بیگانہ و خویش

گر بلندت کسے دہد دشنام! — بہ کہ ساکن دہی جواب سلام

بشنو کہ من نصیحت پیراں شنودہ ام — بیش از تو خلق دیدہ و پیش از تو بودہ ام

از بہر دل کسے بدست آوردن — مطبوع نباشد دگرے آزردن

چو بدگفتی مباش ایمن ز بدگو! — کہ بد را کس نخواہد گفت نیکو

صاحب دل و نیک سیرت و علامہ — گو کفش دریدہ باش و خلقان جامہ

کرم بجائے فروماندگاں چو بتوانی — مروت است نہ چندانکہ خود فرومانی

سروری نہ بقوت ست و شمشیر زنی — آن ست کہ ظلمے کہ توانی نہ کنی

تو با روز و شب در باغ انسی — خلاف است اینکہ بطول العہد تنسی

پائے ملخے نزد سلیماں بردن — عیب است ولیکن ہنر است از مورے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

من سخن راست نوشتم تو اگر راست بخوانی ۔ جرم مخلاج نباشد چو تو شطرنج ندانی
کتبت لیبقی الذکر فی امم بعدی ۔ فیا ذا الجلال اغفر لکاتبہ السعدی

مطائبات وہزلیات ومضحکات

شیخ کے کلیات کا سب سے اخیر حصہ مجموعہ ہزلیات ہے۔ جو تیس بتیس صفحے سے زیادہ نہ ہوگا۔ یہ مجموعہ فی الحقیقت شیخ کے عارض کمال پر ایک نہایت بدنما ستہ ہے۔ جو شیخ کی شان سے نہایت بعید اور اُس کے فضل وکمال وبزرگی سے بالکل منافی ہے۔ اس میں زیادہ تر نظم اور کسی قدر نثر ہے۔ اور کہیں کہیں عربی عبارت بھی ہے۔ حضرت نے اس حصہ میں اپنی شیخوخت اور تقدس کو بالائے طاق رکھ کر خوب آزادی اور بیباکی سے دل کھول کر فحش اور ہزل کی داد دی ہے۔ جسپر ہرگز یہ گمان نہیں ہو سکتا۔ کہ یہ پوچ اور لغو اور بیہودہ کلام اُسی شخص کا ہے جس کے نتائج افکار سے گلستان اور بوستان جیسی بے بہا کتابیں موجود ہیں۔ آدمی کا خطاوار اور ناقص ہونا یہی اُس کے انسان ہونے کی علامت ہے۔ اور اُس کے اقوال وافعال کا تفاوت اور اختلاف اور اُن کا ہمیشہ ایک ضابطہ اور ایک قانون کے موافق سرزد نہ ہونا یہی وہ چیز ہے۔ جو اُسکو دیگر حیوانات سے تمیز دیتی ہے۔ انسان کے ایک نادان بچہ کی حرکتوں سے تشبیہ دیجا سکتی ہے جسکی ایک حرکت پر بے اختیار پیار کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اور دوسری حرکت پر حد سے زیادہ غصہ آتا ہے پس میں شک نہیں کہ شیخ کی طبیعت پر ظرافت اور مزاح غالب تھا۔ اور جب یہ صفت حد سے گذر جاتی ہے۔ تو اس سے فحش اور ہزل پیدا ہوتا ہے۔ مگر شیخ نے اس مجموعہ کے شروع میں چند سطریں معذرت آمیز عربی عبارت میں لکھی ہیں جو قابل لحاظ ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ:۔
اَلزَمَنِی بَعضُ اَبنَاءِ المُلُوکِ اَن اُصَنِّفَ لَہٗ کِتَابًا فِی الھَزلِ عَلیٰ طَرِیقِ السُّوزَنِی فَلَم اُجِبہُ فَھَدَّدَنِی بِالقَتلِ فَلِاَجلِ ذَالِکَ اَجَبتُ اَمرَہٗ وَالشَدتُ ھٰذِہِ الاَبیَات وَاَنَا اَستَغفِرُ اللّٰہَ العَظِیم یعنی ایک بادشاہزادہ نے مجھکو اس بات پر مجبور کیا کہ میں اس کے لئے ایک کتاب حکیم سوزنی کی روش پر ہزل میں لکھوں میں نے نہ مانا۔ اس پر اُس نے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مجھ کو قتل کی دھمکی دی۔ اس لئے ماننا پڑا۔ اور یہ اشعار لکھے۔ اور میں خدائے بزرگ سے توبہ و استغفار کرتا ہوں ﴿

شیخ کا عذر جہاں تک ہماری رائے ناقص میں آتا ہے۔ بہت قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ شیخ جیساکہ اُوپر لکھا گیا ہے۔ ہمیشہ سیر و سفر میں رہتا تھا۔ تاتار سے لیکر روم و مصر و حبش تک اُسکی جولاں گاہ تھی۔ اُسکی شاعری اور نکتہ سنجی کا شہرہ اُسکی زندگی ہی میں دُور دُور پہنچ گیا تھا۔ سلمان امیرزادوں اور بادشاہوں کی صحبتوں میں لہو و لعب اور تمسخر و استہزاء کی بُنیاد پڑ چکی تھی۔ پس اگر کسی نالائق بادشاہزادے نے شیخ کی ظرافت اور بذلہ سنجی کا شہرہ سنکر اس خیال سے کہ ہمیشہ گرمئی صحبت کے لئے ایک مجموعہ ہزل فحش موجود رہے شیخ کو ان ہفوات کے لکھنے پر مجبور کیا ہو۔ تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ اور چونکہ اس مجموعہ میں صریح فحش اور علانیہ پھکڑ کے سوا بامزہ اور لطیف خیالات جیسے کہ شیخ کے کلام کی عام خاصیت ہے بہت کم پائے جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ غالباً یہ تمام ہزلیات دل کی اُمنگ اور طبیعت کی اُمنگ سے نہیں بلکہ محض نفرت و کراہت کیساتھ لکھی گئی ہیں۔

ایران میں ہزل و فحش کی شاعری دورہ غزنویہ کے شعراء سے برابر چلی آتی تھی۔ اور یہ طریقہ اسقدر عام اور بے عیب ہو گیا تھا۔ کہ افاضل شعراء کی عظمت اور بزرگی میں اس سے کچھ فرق نہ آتا تھا۔ اکثر ہاجی اور ہزال حکیم کے لقب سے ملقب ہوتے تھے۔ اور اب تک ہوتے ہیں۔ جیسے حکیم انوری۔ حکیم خاقانی۔ حکیم شفائی۔ حکیم قاآنی وغیرہ وغیرہ۔ سوزنی بھی جو چھٹی صدی کا شاعر ہے۔ اور جس کا ذکر شیخ کی مذکورہ بالا عبارت میں ہے۔ حکیم سوزنی کہاتا تھا۔ اس کا ہزل اور فحش انتہا درجہ کو پہنچ گیا تھا۔ اُس نے حکیم سنائی کی بہت سی ہجویں لکھی ہیں۔ اور حکیم صاحب نے بھی باایںہمہ مشیخت و تقدس سے تنگ آکر اُس کے جواب میں ایک ایسی جامع و مانع گالی تصنیف فرمائی جو سوزنی کی عمر بھر کی گالیوں اور پھکڑ کا جواب ہوسکتی ہے۔ حکیم ابوالعلائی گنجوی جو منوچہر نوشیرواں شاہ کے عہد میں پایۂ تخت کا ملک الشعرا تھا۔ باوجودیکہ وہ حکیم خاقانی کا مُربی اور خسر تھا۔ اس کے اور خاقانی کے باہم ایسی رکیک اور نالائق

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہجو بازی ہوتی تھی۔ جس کی تصریح کرنے سے شرم آتی ہے ظاہر ہے۔ کہ جو بُرائی سوسائیٹی میں اِس قدر عام اور بے عیب ہو جائے۔ اُس سے بالکل پاک اور مبرّا رہنا بشر کی معمولی طاقت سے باہر ہے۔ اور اُس کے ارتکاب پر ایسا سخت مواخذہ نہیں کیا جاسکتا جس کا کہ وہ عیب فی نفسہٖ مستحق ہے۔

ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ شیخ نے عنفوانِ شباب میں جو کہ شوخی اور بیباکی کا زمانہ ہے۔ کسی موقعہ پر یہ خرافات بھی لکھ دی ہوگی۔ اور ایسا کم و بیش ہر شخص سے ظہور میں آتا ہے۔ مگر کوئی شخص ایسے بیہودہ اور لغو کلام کو اپنی تصنیفات میں شامل کر کے اپنی طرف منسوب اور اپنے نام سے شائع نہیں کرنا چاہتا۔ شیخ نے بھی یقیناً ایسا ہرگز نہ چاہا ہوگا۔ مگر چونکہ زمرہ مشائخ و عرفا میں سے گِنا جاتا تھا۔ اور معتقدین کے نزدیک اُس کا ہزل بھی انوار و برکات سے خالی نہ تھا۔ اس لئے کسی بزرگوار نے اُس کی وفات کے بعد اِس ناشدنی مجموعہ کو بھی تبرّکاً اور تیمّناً کلیات میں داخل کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ حصّہ گلستاں کے مرتب ہونے سے پہلے لکھا جا چکا تھا۔ کیونکہ اُس کے چند اشعار جن میں زیادہ ہزل نہیں ہے۔ شیخ نے گلستاں میں اپنے اپنے موقعہ پر نقل کئے ہیں۔

ہم کو بہت تجسّس سے چند رباعیاں اور قطعے اس مجموعہ میں ایسے ملے ہیں۔ جو فحش سے پاک ہیں۔ سو وہ یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

رُباعیّات

آں عہد بیاد داری و دولت و داد — کز عاشق بیچارہ نمی کردی یاد
آنگہ بگریختی کہ کس چوں تو نبود — وامروز بیامدی کہ کس چوں تو مباد

آں ماہ کہ گفتی مَلکِ رحماں ست — ایں بار اگرش نگہ کنی شیطاں ست
روئے کہ چو آتش بزمستاں خوش بود — امروز چو پوستین بہ تابستاں ست

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

قطعات

چہ خوش تن نتواند کہ مے خورد قاضی | ضرورت ست کہ بر دیگراں بگیرد سخت
کہ گفت پیرہ زن از میوہ میکند پرہیز | دروغ گفت کہ دستش نمیرسد بہ درخت
مرد کے غرقہ بود در جیحوں | کز سمر قند بود پندارم
بانگ مے کرد و زار مے نالید | کائے دریغا کلاہ و دستارم
حریف عمر بسر بردہ در فسوق و فجور | بوقت مرگ پشیماں ہمی خورد سوگند
کہ توبہ کردم و دیگر گنہ نخواہم کرد | تو خود دگر نتوانی بر ریش خویش فخند

عربی قصائد اور مقطعات

کلیات شیخ میں بیس صفحے کے قریب اور قطعے بھی شامل ہیں۔ اور ان کے سوا ملمعات میں عربی اشعار اور مصرعے کثرت سے موجود ہیں۔ گلستاں میں بھی جیسا کہ اُس نے خاتمہ میں تصریح کی ہے۔ تقریباً تمام عربی اشعار اُسی کے ہیں۔ قطع نظر اُس سے کہ اُس کی عمر کا ایک بڑا حصہ دیار عرب میں بسر ہوا تھا۔ اور عربی زبان بمنزلہ مادری زبان کے ہو گئی تھی۔ اُس کے تمام فارسی اور عربی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تحصیل علم کے بعد اُس نے زیادہ تر اپنی توجہ دینیات اور تصوف اور علم ادب میں مصروف کی تھی۔ گو اُس کا عربی کلام بہت تھوڑا ہے۔ مگر جسقدر ہے۔ وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک مشاق اور ماہر ادیب کا ہونا چاہیئے۔ باایں ہمہ وہ عربی شعر میں شاعری کا ادعا نہیں کرتا۔ چنانچہ بغداد کے مرثیہ میں لکھتا ہے:۔

اشعار	ترجمہ
و بالشعر ایم اللہ لست بمدع	بخدا کہ میں شاعری کا دعوےٰ نہیں کرتا۔
و لو کان عندی ما ببابل من سحر	اگرچہ میرے کلام میں وہ جادو موجود ہے۔ جو بابل میں موجود تھا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

هنالك نقاد من علمائها خبرة
ومنتجبو القول الجميل من الهجر

یہاں علم اور واقفیت کی رو سے پرکھنے والے اور عمدہ کلام کو برے کلام میں سے چھانٹنے والے موجود ہیں۔

جرت عبراتي فوق خدي كآبة
فانشأت هذا في قضية ما يجري

سوز دل کے سبب میرے آنسو چہرہ پر ٹپک پڑے۔ سو میں نے یہ قصیدہ اس سرگذشت کے بیان میں لکھا ہے۔

ولو سبقتني سادة جل قدرهم
لما حسنت مني مجاوزة القدر

اگر ذی رتبہ لوگ اس مضمون میں مجھ سے سبقت کرتے تو البتہ مجھ کو اپنے رتبہ سے تجاوز کرنا زیبا نہ تھا۔

بہرحال اس کا عربی کلام جسقدر ہے۔ اور جیسا ہے غنیمت ہے۔ اور اس سے شیخ کی شاعری کا رتبہ سوایا بلکہ ڈیوڑھا ہو گیا ہے۔ اب ہم اس کے ایک طولانی قصیدہ میں سے جو کہ اس نے خرابیٔ بغداد پر لکھا ہے۔ کچھ اشعار بطور نمونہ کے اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

حبست بجفني المدامع لا تجري
فلما طغى الماء استطال على السكر

میں نے اپنی پلکوں میں آنسوؤں کو روکا تھا۔ بہنے نہ پائیں پر جب پانی نے طغیانی کی۔ تو اس بند کو توڑ ڈالا۔

نسيم صبا بغداد بعد خرابها
تمنيت لو كانت تمر على قبري

کاش ایسا ہوتا۔ کہ بغداد کی تباہی کے بعد اسکی ہوا کا جھوکا میری قبر پہ گذرتا۔

لأن هلاك النفس عند اولي النهى
احب لهم من عيش منقبض الصدر

کیونکہ عقلمندوں کے نزدیک مر جانا تنگدل جینے سے بہتر ہے۔

زجرت طبيبا جس نبضي مداويا
اليك فما شكواي من مرض يبري

میں نے طبیب کو جبکہ اس نے علاج کیلئے میری نبض کو چھوا جھڑک دیا۔ کہ جا اپنا کام کر مجھ کو ایسے مرض کی شکایت نہیں جو اچھا ہو سکے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

لَزِمتُ اصطباراً حیثُ کُنتُ مفارقاً
وھٰذا فراقٌ لا یعالَجُ بالصّبرِ

میں نے ہمیشہ احباب کی جدائی میں صبر اختیار کیا ہے۔ مگر یہ ایسی جدائی ہے جس کا علاج صبر سے ممکن نہیں +

فلا تسئلن عمّا جری یوم حصرھم
وذالک ممّا لیس یدخل فی حصرِ

نہ پوچھو جو حال بنی عباس کی قید کے دن گذرا۔ یہ وہ حال ہے۔ جو قید بیان میں نہیں آسکتا۔

اُدیرت کؤوس الموت حتّٰی کانّہٗ
رؤوس الاساری تحرکت من السکر

شراب مرگ کے جام گردش میں لائے گئے یہانتک کہ قیدی کشتوں کے سر اُڑتے ہوئے ایسے معلوم ہوتے تھے گویا نشے میں جنبش کر رہے ہیں

بکت جُدُرُ المستنصریّۃ ندبۃً
علی العلماء الراسخین ذوی الحجر

علمائے راسخین پر جو کہ اصحاب عقل و دانش تھے۔ مدرسہ مستنصریہ کی دیواریں زار و نار رو رہی ہیں۔

محابرُ تبکی بعدھم بسوادِھا
وبعض قلوب النّاس اَملکُ مِن جبرِ

اُن کے بعد دواتیں اپنی سیاہی کے آنسوؤں سے روتی ہیں۔ مگر بعض لوگوں کے دل دوات سے زیادہ سیاہ ہیں۔

نوائب دھرٍ لیتنی متُّ قبلھا
ولم ار عدوان السفیہ علی الحبر

یہ زمانہ کے سخت حادثے ہیں۔ کاش میں اُن سے پہلے مر جاتا اور جاہلوں کا ظلم دانشمندوں پر نہ دیکھتا +

وقفتُ بعبادان ارقب دجلۃً
کمثل دمٍ قانٍ یسیلُ الی البحرِ

میں نے شہر عبادان میں ٹھیر کر دجلہ کے پانی کو دیکھا۔ کہ بکثرت خون کی مانند سمندر کیطرف بہتا تھا۔

وفائض دمعی فی مصیبۃِ واسطٍ
یزید علی مدّ البحیرۃ والجزر

میرے آنسو جو شہر واسط کی مصیبت میں جاری ہیں خلیج فارس کے مدوجزر کو اور بڑھا دیتے ہیں

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وھب انّ دار الملک ترجع عامراً
ویغسل وجہ العارفین عن العفر

فرض کرو کہ دار الخلافہ پھر آباد ہو اور علماء کے چہرے غبار ذلت سے پاک کئے جائیں۔

فاین بنو العبّاس مفتخر الوریٰ
ذو الخلق المرضی والغرر الزّھر

لیکن بنی عباس جن سے عالم کو فخر تھا۔ جن کے اخلاق برگزیدہ اور پیشانیاں نورانی تھیں کہاں سے آئینگی ؛

غدا سمراً بین الانام حدیثھم
وذا سمر یُدمی المسامع کالسُّمر

ان کا ذکر اب دنیا میں ایک افسانہ ہوگیا اور یہ وہ افسانہ جو کانوں کو برچھیوں کی نوک کیطرح خون آلودہ کرتا ہے۔

وفی الخبر المروی دین محمّدٍ
یعود غریباً مثل مبدأ الامر

حدیث میں آیا ہے کہ دین محمدی پھر غریب ہونے والا ہے جیسا کہ ابتدائی حال میں وہ غریب تھا۔

أأغربَ من ھذا یعود کما بدا
وسُبِیَ دار السلم فی ایدی الکفر

کیا وہ اس حالت سے بھی زیادہ غریب ہونیوالا ہے کہ تمام دار الاسلام کفر کے آتے ہی غریب ہوگیا۔

اتذکرُ فی اعلی المنابر خطبۃ
ومُستعصمٌ لم یک فی الذکر

کیا منبروں پر خطبہ پڑھا جائیگا اور مستعصم باللہ کا اس میں ذکر نہ ہوگا۔

ضفادع حول الماء تلعب فرحۃً
اصبر علی ھذا ویونس فی القعر

کیا اس پر صبر ہوسکتا ہے کہ مینڈک پانی کے ادھر اُدھر خوشی سے کھیلتے پھریں اور یُونس پانی کی تہ میں ہو۔

تحیۃ مشتاق والف ترحُّم
علی الشھداء الطاھرین من الوزر

مشتاق کا سلام اور ہزاروں رحمتیں اُن شہیدوں پر جو گناہوں سے پاک تھے ؛

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

هنيئاً لهم كأس المنية مترعاً
وما فيه عند الله من عظم الأجر

موت کا لبالب پیالہ اور جو کچھ کہ اس میں خدا کی طرف سے اجر عظیم ہے اُن کو گوارا ہو جیو ۔

عَلَيهِم سَلَامُ اللهِ فِي كُلِّ لَيلَةٍ
بمقتل ذوراء الى مطلع الفجر .

ہمیشہ ان پر شام سے صبح تک زوراء کی قتل گاہ میں خدا کی رحمت نازل رہیو ۔

وليت صماخي صمّ قبل استماعه
بهتك أستار المحارم في الأسر

کاش ایسا ہوتا کہ قید میں محلوں کے بے پردہ ہونے کی خبر سُننے سے پہلے میرے کان بہرے ہو جاتے ۔

وكان صباح الأسر يوم قيامة
على امم شعث تساق الى الحشر

قید کی صبح گویا قیامت کا دن تھا کہ اُمتیں سر میں خاک ڈالے ہوئے میدان حشر کی طرف ہکائی جاتی تھیں ۔

ومستصرخ يا للمروة فانصروا
ومن يصرخ العصفور بين يدي سقر

بہت لوگ فریاد کرتے تھے کہ دہائی ہے مروت کی کوئی مدد کرو - مگر باز کے پنجے میں چڑیا کی فریاد کون پہنچتا ہے -

يساقون سوق المعز في كبد الفلا
عزائز قوم لا يعودون بالزجر

جو لوگ زجر اور دھمکی سننے کے عادی نہ تھے ان کے حرم محترم صحرا میں بکریوں کی طرح ہکائے جاتے تھے -

جُلِبنَ سَبَايَا مسافراتٍ وُجُوهُهَا
كواعبُ لا تبرزن من خلل الخدر

جو لڑکیاں پردہ میں چادروں سے چہرے باہر نہ نکالتی تھیں ان کو کھلے منہ اسیر کر کے لے گئے -

تقوم وتخفو في المعاجر للّوى
وهل يختفي مشي النواعم في الوعر

وہ کھڑی ہوتی ہیں اور چادروں اور ڈھیلوں کی ڈھلانوں میں منہ چھپاتی ہیں - مگر اُن کمسن مستوں میں نازنینوں کی چال کب چھپ سکتی ہے ۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لقد کان فکری قبل ذلك ماتری
فاحدث امرا لا یحیط به فکری

اس سے پہلے میری فکر جیسی تھی تو جانتا ہے مگر ایک ایسا امر عظیم حادث ہوا جو میرے فکر کے احاطہ سے باہر ہے۔

وبین یدی صرف الزمان وحکمہ
مغللۃ ایدی القیاصر والحبر

زمانہ کی گردش اور حکومت کے سامنے شہنشاہوں اور داناؤں کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔

نعوذ بعفو اللہ من نار فتنۃ
تاجج من قطر البلاد الی القطر

خدا کی پناہ ہے فتنہ کی اس آگ سے جو دنیا کی ایک جانب سے دوسری جانب تک بھڑکتی چلی گئی۔

بدا و تعالیٰ من خراسان قسطلٌ
فغادر کاما لا یزول عن البدر

خراسان سے ایک غبار نمودار ہو کر بلند ہُوا اور ایک گھنگھور گھٹا بن گئی جو چاند پر سے ہٹنے والی نہ تھی۔

دعی اللہ انسانا تیقظ بعدھم
لان مصاب الزید مزجرۃ العمر

خدا حمایت کرے اس شخص کی جو دولت بنی عباس کے بعد خواب غفلت سے بیدار ہو گیا کیونکہ زید کی مصیبت عمر کیلئے تازیانہ ہے۔

وسائرہ ملك یقتفیہ زوالہٗ
سوی ملکوت الفائم الصمد الوتر

خدائے بے نیاز و یگانہ کے ملک کے سوا ہر ملک اور سلطنت کے پیچھے اس کا زوال لگا ہوا ہے۔

اذا کان بعد الموت لا فرق بیننا
فلا تنظرنّ الناس بالنظر الشزر

جب کہ مرنے کے بعد ہم سب میں کچھ فرق نہ رہیگا تو لوگوں کو تکبر کی نگاہ سے مت دیکھ۔

وجاریۃ الدنیا نعومۃ کفھا
محسنۃ لکنھا الکلب ذو الظفر

کتے کیطرح معشوقہ دنیا کی ہتھیلیاں تو نرم نرم اچھی معلوم ہوتی ہیں لیکن اسکے ناخن تیز ہیں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ولو انّ ذا مالٍ من الموتِ خالیاً	اگر مال و دولت والا موت سے خالی ہوتا
لکان جدیراً بالتعاظم والکبرِ	تو البتہ بڑائی اور تکبّر کرنیکا مستحق تھا۔
ربحت الھدیٰ انکنت عامل صالحٍ	اگر تو نے نیک عمل کئے تو ہدایت کا نفع اُٹھا
وان لم تکن والعصر انّک لفی خسرٍ	لیا ورنہ کچھ شک نہیں کہ تو ٹوٹے میں رہا۔
علی المرءِ عارٌ کثرۃ المال بعدہٗ	مرنیکے بعد بہت سا مال چھوڑ جانا آدمی کے
وانّک یا مغرور تجمع للفخر	لئے ننگ کی بات ہے۔ مگر اے غافل تو الٹا فخر کیلئے مال جمع کرتا ہے۔
عفا اللہ عنا ما مضیٰ من جریمۃٍ	خدا تعالیٰ ہماری گذشتہ خطائیں معاف فرمائے
ومن علینا بالجمیل من السّترِ	اور ہمارے عیب بالکل چھپا کر ہم پر احسان کرے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خاتمہ

شیخ کے عام حالات اور اُسکی عام شاعری پر اجمالی نظر

شیخ ایک نہایت صحیح المزاج قوی اور جفاکش آدمی تھا۔ اس کے قویٰ کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے۔ کہ اس نے دس بارہ حج پیادہ پا کئے تھے اور اپنی عمر کا بہت بڑا حصہ صحرانوردی اور بادیہ پیمائی میں بسر کیا۔ اور ایک سو بیس برس کے قریب عمر پائی۔ اس نے صرف پیادہ پا ہی سفر نہیں کئے۔ بلکہ بعض اوقات ننگے پاؤں چلنے کا بھی اتفاق ہوتا تھا۔ جس طرح اکثر اہل سلوک نفس شکنی کے لئے اپنے مشائخ کے اشارہ سے سالہا سال ادنٰے درجہ کے کام اور محنتیں کیا کرتے ہیں اس نے بھی بیت المقدس اور اس کے گرد و نواح میں ایک مدت تک سقائی کی تھی۔

اس کا مذہب جیسا کہ خود اس کے کلام سے ظاہر ہے تسنّن معلوم ہوتا ہے لیکن جس طرح اکثر صوفیہ کی نسبت تشیّع کا گمان کیا گیا ہے۔ اسکو بھی قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المؤمنین میں شیعی لکھا ہے ہم اس کے کسی خاص مذہب کا ثبوت دیکر ایک ایسے شخصکو جو مقبول فریقین ہے ایک گروہ کا مقبول اور دوسرے گروہ کا مردود بنانا نہیں چاہتے۔ بڑی بات یہ ہے کہ وہ بے تعصّب تھا۔ اور یہی اس کے ناجی ہونے کی دلیل ہے ؂

اُسکو تذکرہ نویسوں نے اہل باطن صوفیہ میں سے شمار کیا ہے اس کے کلام سے بھی جا بجا یہی مترشح ہوتا ہے کہ وہ اس رنگ میں ڈوبا ہُوا تھا۔ بیشک وہ صوفی بھی تھا۔ اور واعظ بھی تھا۔ مگر آجکل کے مشائخ اور واعظین کے برخلاف ایک نہایت بے تکلف کھلاڑ لاابالی۔ ہنسوڑ۔ ظریف۔ ریا اور نمائش سے دُور۔ سیدھا سادہ مسلمان تھا۔ اسکو آجکل کے حضرات کی طرح اپنے تئیں لوازم بشریت سے بالکل پاک ظاہر کرنا۔ اور بہ تکلف مقدس فرشتوں کی صورت میں جلوہ گر ہونا ہرگز نہ آتا تھا۔ وہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شاعری میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا مگر مشرق کے عام شعرا کی طرح حریص اور لالچی نہ تھا۔ اس نے مثل ظہیر رشید۔ خاقانی اور انوری وغیرہم کے بادشاہوں کی مداحی اور امیروں کی بھٹئی کرنے کو اپنی وجہ معاش نہیں بنایا تھا۔ باایںہمہ وہ امرا اور سلاطین سے ملتا بھی تھا۔ اور ان کی مدح میں قصیدے بھی لکھتا تھا۔ اور جو کوئی عقیدت یا محبت سے اسکی نذر کرتا تھا وہ لے بھی لیتا تھا۔ اس کے عام مدحیہ قصاید دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ یہ قصیدے کس غرض سے لکھتا تھا۔ زیادہ تر اس کے قصیدے ایسے ہیں جن کو قصیدہ گوئی کے مشرقی اصول کے موافق بہت مشکل سے قصیدہ کہا جا سکتا ہے۔ امیروں سے وہ اس لئے بھی زیادہ تر میل جول رکھتا تھا کہ اکثر اسکی سفارش سے جیساکہ گلستاں کی بعض حکایتوں سے پایا جاتا ہے غریب آدمیوں کے کام نکل جاتے تھے۔ خودداری اور غیرت اس میں ایسی تھی کہ نہایت ضرورت اور احتیاج کیوقت بھی وہ وضع کو ہاتھ سے نہ دیتا تھا۔ جیساکہ اسکندریہ کے قحط میں اس سے ظہور میں آیا۔ خلقت کی خیرخواہی اور ہمدردی خداتعالے نے اس کی سرشت میں ودیعت کی تھی اس کے نصائح اور مواعظ ہرگز اسقدر مقبول نہ ہوتے۔ اگر انسانی ہمدردی کا جوش اس کے دل میں نہ ہوتا۔ اس نے اپنی زبان اور قلم کو پند و نصیحت کیلئے وقف کردیا تھا۔ اور حق بات کہنے سے خطرناک موقعوں پر بھی نہ چوکتا تھا کوئی شخص کسی چیز میں کامل نہیں ہوسکتا جبتک اس میں دو باتیں جمع نہ ہوں ایک جوہر فطری۔ دوسرے زمانہ کے ایسے اتفاقات جو اس کے جلا کا باعث ہوں۔ شیخ کی ذات میں جس قسم کی قابلیت تھی۔ اس کے موافق اسکو اتفاقات پیش آئے تھے۔ جس شہر میں وہ پیدا ہوا تھا وہ خود ایک مردم خیز خطہ تھا۔ جہاں ہونہار بچوں کو خود بخود کسب کمال کی ترغیب ہونی چاہیئے یتیمی اور بےپدری اگرچہ اکثر صورتوں میں اوارگی اور ابتری کا سبب ہوتی ہے لیکن بسا اوقات ایسی مجبوری اور بیکسی کی حالتیں غیرتمند اور جفاکش لڑکوں کے حق میں ترقی اور رشد کا باعث ہوئی ہیں۔ جس مدرسہ میں وہ حسن اتفاق سے تحصیل کے لئے پہنچا وہ تمام مدارس اسلامیہ میں ممتاز اور سربرآوردہ تھا۔ اور جس دارالخلافہ میں وہ مدرسہ واقع تھا۔ وہاں کی سوسائٹی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس وقت تقریباً تمام دنیا کی سوسائٹیوں کی نسبت زیادہ شائستہ اور مہذب تھی۔ اس نے صرف درس وکتاب ہی سے استفادہ حاصل نہیں کیا تھا۔ بلکہ زمانہ نے بھی اس کی تادیب خاطر خواہ کی تھی۔ اس کی عمر کا ایک بہت بڑا اور مفید حصہ نہایت کٹھن اور دُور دراز سفر کرنے اور دنیا کے عجائبات اور قدرت کی نیرنگیاں دیکھنے میں بسر ہُوا تھا۔ سلطنتوں کے پے در پے انقلابات اور ملکوں کے متواتر تغیرات ظالم بادشاہوں اور بے رحم عاملوں کے ظلم وستم دیکھتے دیکھتے بنی نوع کی دلسوزی اور ہمدردی اس کی طبیعت میں راسخ ہو گئی تھی۔ بیسیوں خاندان اسکی آنکھوں کے سلمنے بنے اور بیسیوں بگڑ گئے۔ ایک بار جیسا کہ گلستاں میں مذکور ہے۔ شام میں اس کے روبرو ایسا انقلاب ہُوا کہ وزیروں کی اولاد بھیک ملنگنے لگی۔ اور رسن تازادے وزارت کے درجہ کو پہنچ گئے۔ ساتویں صدی میں جس میں کامل عقل وہوش کے ساتھ اس نے اکیانویں برس بسر کئے تھے۔ عجیب وغریب تماشے اس کی نظر سے گذر گئے۔ سلاطین کرویہ کا خاندان جن کی سطوت وجلالت ایشیا افریقہ اور یورپ میں یکساں مانی جاتی تھی ۔اسی صدی میں تمام ہُوا۔ سلاجقہ قونیہ اور خوارزم شاہیوں کی نہایت سخت لڑائی جس نے دونوں سلسلوں کو مضمحل کر دیا۔ اسی صدی میں ہوئی۔ پھر خوارزمیوں کی سلطنت جو بحیرہ خزر اور جھیل یورال سے دریائے سندھ اور خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھی ۔اسی صدی میں تاتاریوں کے ہاتھ سے برباد ہوئی۔ بنی عباس کی خلافت سواپانسو برس بعد اسی صدی میں ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہوئی۔ اور بقول بعض مؤرخین کے آٹھ لاکھ مسلمانوں کا خون مغلوں کی تلوار سے دجلہ کے ریتے میں بہ گیا۔ دمشق اور اسکندریہ کا قحط جس کا ذکر گلستاں اور بوستاں میں ہے اور مصر کا قحط جس میں حسب تصریح صاحب وصاف ایک ایک روٹی ہزار ہزار

---

[1] ہی معرکہ میں جیسا کہ شیخ نجم الدین دایہ نے مرصاد العباد کے دیباچہ میں لکھا ہے تاتاریوں نے صرف رَے اور اس کے گردو نواح میں تقریباً سات لاکھ مسلمان قتل اور اسیر کئے تھے اور خراسان کے چار شہر بلخ۔ مرو۔ ہرات۔ نیشاپور بالکل تاراج اور نابود ہو گئے۔ اور ان کے دائیں بائیں اکثر بستیاں قتل وغارت کا نشانہ ہوئیں ؛

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دینار کو بک گئی۔ اور فارس کا قحط جس میں ایک لاکھ آدمی بھوکا مر گیا۔ اسی صدی میں واقع ہوئے۔ اتابکان فارس کے خاندان پر اسی صدی میں زوال آیا دار الملک شیراز جو شیخ کا مولد و مسکن تھا۔ اسی صدی میں کئی بار قتل و غارت کیا گیا۔ فرقۂ اسماعیلیہ جو پونے دو سو برس مشرق میں نہایت زور شور کے ساتھ حکمران رہا۔ ان کا خاتمہ تاتاریوں نے ایران میں اور کردوں نے شام میں ہمیشہ کے لئے اسی صدی میں کیا۔ یہ تمام حوادث اور وقائع شیخ کے سامنے ظہور میں آئے تھے۔ جن سے ایک صاحب بصیرت آدمی بے انتہا عبرت اور نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔ چنانچہ بغداد کا مرثیہ جو اس نے عربی میں لکھا ہے اس میں کہتا ہے ۔ ؎

رعی اللہ انسانا تیقظ بعدھم لان مصاب الزید مزجرۃ العمر

یعنی خدا حمایت کرے اس شخص کی جو خلافت عباسیہ کے زوال بعد متنبہ ہو گیا۔ کیونکہ زید کی مصیبت عمرو کے لئے تازیانہ ہے۔

یورپ کے مشہور مصنف ہگ مار صاحب کا قول ہے کہ میں نے عمدہ تعلیم صرف ایک سکول یعنی مدرسۂ روزگار میں پائی ہے جسمیں محنت اور مصیبت دو بڑے گرمجوش اور دلسوز استاد تھے ٭ اس کے سوا جیسی عمدہ صحبتیں شیخ کو میسر آئی تھیں ویسی بہت کم آدمیوں کو میسر آتی ہیں شیخ کی عادت جیسا کہ ایک رسالہ[1] میں اس کے نحوائے بیان سے معلوم ہوتا ہے یہ تھی کہ عالم سفر میں وہ جہاں جاتا تھا۔ وہاں کے علماء صلحاء۔ مشائخ اور کاملین سے ضرور ملتا تھا۔ صاحب نفحات الانس نے لکھا ہے۔ کہ شیخ نے کثرت سے دانشمندوں اور عالموں کو دیکھا تھا۔ وہ خود بھی بوستان میں کہتا ہے ؎

تمتع ز ہر گوشۂ یافتم ز ہر خرمنے خوشۂ یافتم

اگرچہ ساتویں صدی ہجری جس میں کہ شیخ کی جوانی اور بڑھاپا گزرا تھا مسلمانوں کی علمی ترقیات اور فضائل و کمالات سابق کی نسبت بہت محدود ہو گئے تھے۔ لیکن پھر بھی بلاد اسلام میں ایک جم غفیر اعلیٰ درجہ کے مشائخ اور علماء حکما کا نظر آتا تھا خصوصاً

[1] یہ رسالہ شیخ کے کلیات میں شامل ہے ٭

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جن ملکوں میں شیخ کی زیادہ آمد و رفت رہی ہے جیسے ایران روم۔ شام۔ عراق عرب اور مصر وغیرہ اب بھی دینی اور دنیوی علوم کے مرکز تھے۔ ہمارے تذکروں سے ثابت ہوتا ہے کہ ان ملکوں میں جن لوگوں نے ساتویں صدی ہجری کے آغاز سے آٹھویں صدی کے شروع تک وفات پائی ہے اور جن سے شیخ کا ملنا ممکن تھا ان میں کم سے کم چارسو جلیل القدر عالم اور محقق ایسے موجود تھے جو تمام بلاد اسلام میں مانے گئے ہیں اور جن کی تصنیفات اب تک مسلمانوں میں نہایت عظمت کیساتھ تسلیم کی جاتی ہیں جیسے شیخ محی الدین ابن عربی۔ خواجہ نصیر الدین طوسی۔ شیخ صدر الدین قونوی مولانا جلال الدین رومی۔ ابن تیمیہ حرانی۔ امام یافعی شیخ ابوالحسن شاذلی۔ شیخ تاج الدین قسطلانی۔ شیخ شہاب الدین سہروردی۔ شیخ ابن فارض۔ شیخ اوحد الدین کرمانی۔ قاضی ابن خلکان شیخ الاسلام تقی الدین ابن الصلاح۔ خواجہ علاؤ الدین سمنانی۔ علامہ قطب الدین شیرازی امام محی الدین نووی۔ قاضی ناصر الدین بیضاوی۔ ابن عساکر فقیہ شافعی وغیرہ وغیرہ ایسے ایسے سینکڑوں جلیل القدر علما اور مشائخ شیخ کی نظر سے گذرے تھے۔ اور ان کے علاوہ جیسا کہ گلستاں اور بوستاں سے ثابت ہوتا ہے۔ وہ ہر فرقہ اور ہر گروہ کے آدمیوں سے ملتا اور ان کی صحبت سے فائدہ حاصل کرتا تھا جس طرح وہ مشائخ اور فقرا کے حلقوں میں بیٹھتا تھا۔ اسی طرح امرا کی مجلسوں اور بادشاہوں کے دربار میں شریک ہوتا تھا۔ کبھی وہ احرار اور ابرار کی صحبت سے مستفیض ہوتا تھا اور کبھی اوباش والواط کے جلسوں کا تماشائی تھا نہ اسکو شراب خانے میں جانیسے عار تھا نہ بت خانے میں رہنے سے ننگ تھا۔ اسی نے جامع بعلبک میں مدتوں وعظ کہا تھا۔ اور وہی بت خانہ سومنات میں ایک مدت تک پجاری رہا۔ کبھی وہ بصرہ کے نخلستان میں یاروں کیساتھ کھجوریں توڑتا نظر آتا تھا۔ اور کبھی فلسطین کی بستیوں میں پیاسوں کو پانی پلاتا پھرتا تھا۔ غرضکہ اسکی تمام عمر خصائل انسانی اور نیرنگئے روزگار کے مطالعہ میں بسر ہوئی تھی۔ اسی سبب سے یورپ کے بعض مصنفوں نے اسکو گریٹ مورلیسٹ کہا ہے اور اسی وجہ سے اخلاق بشری کی تصویر جس عمدگی کیساتھ اس نے اپنے کلام میں کھینچی ہے ویسی آجتک ایران کے کسی شاعر سے نہیں کھچ سکی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شعرائے ایران میں جسقدر عمر شیخ نے پائی ہے ظاہرا اور کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ جہاں تک ہماری تحقیق سے ثابت ہوتا ہے اُس نے ایک سو بیس برس اس قفس عنصری میں بسر کئے ہیں۔ اگرچہ ہر علم وفن میں کمال کا درجہ حاصل کرنے کے لئے زیادہ عمر پانی ضرور ہے مگر شاعر کے لئے سب سے زیادہ اس بات کی ضرورت ہے شاعر جسقدر بڈھا ہوتا جاتا ہے شاعری جوان ہوتی جاتی ہے اگرچہ شیخوخت کے مرتبہ کو پہنچکر شاعر کے فکر میں بلند پروازی نہیں رہتی۔ لیکن بلاغت جو شاعری کا رکن اعظم ہے کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ جن شاعروں نے تھوڑی عمر پائی ہے گو کہ ان کی قابلیت و استعداد اعلیٰ درجہ کی تھی۔ مگر ان کی شاعری میں ضرور کچھ نہ کچھ نقصان رہ گیا جیسا کہ عرفی شیرازی کی نسبت شیخ ابوالفضل نے لکھا ہے کہ "غنچہ استعدادش ناشگفتہ ماند" ایک نوجوان شاعر جس کی طبیعت میں کمال جودت اور بلند پروازی ہو بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک شوخ چالاک الھڑ بچھیرا جس کی باگ ڈور اور جست اور خیز اکثر بے اصول اور خلاف قاعدہ ہوتی ہے اور ایک معمر اور سن رسیدہ شاعر گو اسکی فکر کیسی ہی پست اور محدود ہو اس شائستہ اور سدھے ہوئے گھوڑے کے مانند ہے جو کبھی بے اصول قدم نہیں اُٹھاتا۔ الغرض شاعری کے لئے جتنی ضروری شرائط درکار ہیں وہ سب خدا تعالےٰ نے شیخ کی ذات میں جمع کردی تھیں۔

شاعری کی بنیاد زیادہ تر چار چیزوں پر ہے ایک یہ کہ شاعر کے خیالات کم وبیش کسی حقیقت واقعیہ پر نہ کہ اختراع ذہن پر مبنی ہونے چاہئیں ورنہ شعر میں کچھ تاثیر نہ ہوگی دوسرے ایسے خیالات ہوں جنمیں عام کے خیالات کی نسبت ایک قسم کی ندرت اور نرالاپن اور تعجب پایا جائے ورنہ معمولی بات چیت میں اور شعر میں کچھ فرق نہ ہوگا۔ تیسرے یہ کہ خیالات عمدہ لباس میں ظاہر کئے جائیں کیونکہ خیال کیسا ہی عمدہ ہو اگر مناسب لفظوں میں ادا نہ کیا جائے۔ تو دائرہ شاعری سے خارج ہوگا۔ چوتھے شاعر کے دل میں جب کہ وہ کسی مضمون پر شعر لکھ رہا ہے کم وبیش اس مضمون کا جوش اور ولولہ موجود ہونا چاہئے۔ ورنہ شعر نہایت کمزور ہوگا۔ یہ چاروں باتیں جیسی شیخ کی شاعری میں پوری پوری پائی جاتی ہیں ویسی ایران کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کسی اور شاعر میں مشکل سے پائی جائیں گی۔ اگرچہ بعض کے کلام میں یہ تمام خاصیتیں موجود ہیں۔ لیکن ان کا کلام چونکہ نہایت محدود اور ایک خاص صنف میں منحصر ہے جیسے خواجہ حافظ شیراز کی غزل اس لئے ہم ان کو شیخ کا ہم پلہ نہیں سمجھتے ۔

شیخ کو اور شعراء پر اس سبب سے بھی بہت بڑی فوقیت ہے کہ اسکی نظم و نثر دونوں مسلم الثبوت ہیں یہ بات بظاہر عجیب معلوم ہوگی۔ کہ ایران میں جتنے مسلم الثبوت شعرا گذرے ہیں ان میں شیخ کے سوا ایک بھی ایسا نہیں ہے جسکی نثر کو مثل نظم کے جمہور نے تسلیم کیا ہو۔ اگرچہ ہندوستان میں نورالدین ظہوری کو بھی نظم و نثر کا جامع مانتے ہیں لیکن اہل ایران اسکی نظم و نثر دونوں کو ناپسند کرتے ہیں بیشک اسکی سہ نثر کے اکثر فقرے بادی النظر میں نہایت دلفریب ہیں جیسے

سنبل حرفش از آہ ناشکیباں ۔ بنفشہ نقطہ اش از خال دلفریباں

از رشح طراوت کلمات بہر سطرش مالامال آبحیات خضر تشنہ لب سیرابی ادا مسیحا مردہ جاں بخشی ہوا نکتہ ہائے برجستہ غنچہ ہائے سربستہ نثرش نثر رفعت۔ شعرش شعرے بر تبت۔ ہر صفحہ پر چمنے۔ و ہر سطرے نخلے۔ برگش لفظ دلکش۔ و بارش معنی بہیش و ہر حرفش فصلے و ہر فرعش اصلے" اسی طرح سہ نثر کے اور بہت سے فقرے الفاظ پرستوں کو نہایت خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں الفاظ کے سوا اور کچھ بھی نہیں ع

خوب اند و خوش اند لیک ندارند

بخلاف اس کے شیخ نے گلستاں میں اس سے بہت زیادہ دلاویز و دلکش الفاظ میں حقائق واقعیہ کو بیان کیا ہے یہ بات گلستاں کے سوا کسی فارسی نثر میں آجتک نہیں دیکھی گئی ۔

(۱) در ایام جوانی چنانکہ افتد و دانی۔ نظرے داشتم بروئے۔ و گذرے داشتم بکوئے۔ ۲۔ اے برادر حرم در پیش و حرامیان از پس اگر رفتی بردی۔ و اگر خفتی مُردی (۳) آزردن دل دوستان جہل است و کفارہ یمین سہل۔ (۴) تو کہ چراغ نہ بینی بچراغ چہ بینی (۵) طریق درویشاں ذکر است و شکر۔ و خدمت و طاعت و ایثار و قناعت و توحید و توکل و تسلیم و تحمل۔ ہر کہ بدیں صفتہا موصوف است بحقیقت درویش است اگرچہ در قباست اما ہرزہ گردے بے نمازے ہوا پرستے ہوس بازے کہ روزہا بشب آرد در بند شہوت و

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بشہار رزکند- درخواب غفلت و بخورہ ہر چہ درمیان آید- وبگوید آنچہ برزبان آید- زندیق است اگرچہ درعبادت (۶) پدر را عسل بسیار است امّا پسر گرمی دارست- (۷) صیاد بے روزی در دجلہ ماہی نگیرد- و ماہیئے بے اجل بر خشکی نمیرد- (۸) گوئی خردہ مینا بر خاکش ریختہ و عقد ثریا از تاکش در آویختہ (۹) عصارہٗ تاکی بقدرتش شہد فائق شدہ و تخم خرما بہ تربیتش نخل باسق گشتہ“

نظم و نثر کے جامع فارسی زبان ہی میں نادر الوجود نہیں ہیں بلکہ ہر ایک زبان میں یہی حال ہے انگریزی میں باوجودیکہ لٹریچر کی ترقی انتہا کے درجہ کو پہنچ گئی ہے صرف گنتی کے آدمی ایسے ہیں جنکو نظم و نثر دونوں میں تمام اہل فن کے نزدیک قبولیت حاصل ہوئی ہے بعضے ملٹن کو اور بعضے سکاٹ کو اور بعضے اور ایک آدھ آدمی کو نظم و نثر کا جامع خیال کرتے ہیں- پس شیخ کے لئے یہ کچھ کم فخر کی بات نہیں ہے کہ ایران میں صرف اسی کی نظم و نثر دونوں ایسی ہیں جن کو تمام اہل زبان نے تسلیم کیا ہے-

شیخ نے بھی تغزّل یعنی عاشقانہ اشعار کی بنیاد تمام شعرائے ایران کی طرح امردوں اور سادہ رخوں کے عشق ہی پر رکھی ہے- لیکن یہ بات جیسی کہ بادی النظر میں مذموم اور قبیح معلوم ہوتی ہے حقیقت میں ایسی نہیں ہے- اور صرف اس بنا پر شیخ یا ایران کے اور شعراء پر امرد پرستی کا الزام لگانا بیجا ہے- فارسی زبان میں اور اس کی پیروی سے اُردو زبان میں بھی ہمیشہ سے شاعری کا یہ طریقہ رہا ہے کہ شاعر مرد ہو یا عورت رند ہو یا صوفی خدا کا عاشق ہو یا مخلوق کا- مرد کا عاشق ہو یا عورت کا- بلکہ سرے سے عاشق ہو یا نہ ہو- ہمیشہ غزل ایسے عنوان سے لکھتا ہے- جس سے معلوم ہو کہ شاعر کسی پر عاشق ہے- اور وہ اور اُسکا معشوق دونوں مرد ہیں- اسی طرح ہندی میں شاعر مرد ہو یا عورت- دنیا دار ہو یا تارک دنیا عشق حقیقی رکھتا ہو یا عشق مجازی- مرد کا عاشق ہو یا عورت کا ہمیشہ عاشقانہ نظم ایسے طور پر لکھتا ہے- جس سے ثابت ہو کہ شاعر عورت ہے اور اس کا معشوق مرد ہے اسی طرح عربی میں شاعر اپنے تئیں مرد اور معشوق کو عورت فرض کر لیتا ہے اگر بالفرض کوئی شخص تینوں زبانوں میں شعر کہنے پر قادر ہو تو اس غریب کو ہر زبان کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دستور کے موافق کہیں آپ کو مرد اور معشوق کو عورت اور کہیں آپ کو عورت اور معشوق کو مرد اور کہیں آپ اور معشوق دونوں کو مرد قرار دینا پڑے گا۔ حضرت امیر خسرو دہلوی کی فارسی غزلوں سے صاف یہ پایا جاتا ہے۔ کہ وہ کسی سادہ رُخ لڑکے پر مفتون ہیں۔ اور ان کے ہندی دوہڑوں سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی عورت اپنے پیارے خاوند یا دوست کے عشق یا جدائی میں بیتاب ہے۔ اور عربی قصائد کی تشبیہوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی مرد اپنی زوجہ یا محبوبہ کی یاد میں مضطر و بے قرار ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تمام فرضی اور اصطلاحی عنوان بیان ہیں جن کو حقیقت واقعی سے کچھ علاقہ نہیں ہے۔ جس طرح ہزاروں پارسا اور پرہیزگار شاعر جنہوں نے کبھی شراب کا مزا نہ چکھا۔ نہ اُس کی صورت دیکھی۔ نہ اُس کی بُو سونگھی۔ صدہا شعر شراب و کباب کے مضمون کے لکھتے ہیں۔ اسی طرح ہزاروں پاکباز اور صاحب عفّت شعر لکھتے وقت تھوڑی دیر کو اُمرد پرست اور شاہد باز بنجاتے ہیں البتہ اس سے مشرقی شاعری کی حد سے زیادہ بے اعتباری پائی جاتی ہے جس کے اصول و فروع سب تصنّع اور بناوٹ اور ادّعائے محض پر مبنی ہیں لیکن شیخ سعدی اور مولانا روم اور امیر خسرو اور خواجہ حافظ اور تمام شعرائے متصوّفین اس سے مستثنےٰ ہیں کیونکہ یہ لوگ اکثر عشق مجازی کے پیرایہ میں اپنے واردات اور حالات اور حقائق واقعیہ بیان کرتے ہیں۔ بعض اشخاص یہ خیال کرتے ہیں کہ ان لوگوں کے کلام کو جس میں بظاہر تمام خال و خط اور شراب و شاہد کے مضامین درج ہیں۔ حقیقی معنوں پر محمول کرنا اور اس سے شاہد حقیقی کے شیون وصفات مراد لینی صرف ایک مُلّایانہ گھڑت ہے جس میں سراسر تکلّف اور بناوٹ پائی جاتی ہے۔ مگر ایسا خیال وہی لوگ کر سکتے ہیں۔ جو کوچۂ شاعری سے نابلد ہیں کنایہ ہمیشہ صراحت سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔ اور دوست کا ذکر ہمیشہ اغیار سے چھپایا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا روم مثنوی میں صاف صاف فرماتے ہیں۔ ؎

خوشتر آں باشد کہ سرّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

شعرائے متصوّفین کے اشعار اگر حقیقی معنوں پر محمول نہ کئے جائیں۔ تو اُن میں وہ کرشمہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جس نے ایک عالم کے دل کو تسخیر کیا ہے باقی نہیں رہتا۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ مولانا محمد شیریں جو کہ مولانا مغربی کے نام سے مشہور ہیں اور جنکا دیوان غزلیات متصوفانہ اشعار میں مشہور ہے اُن کے سامنے کسی نے انکے معاصر شیخ کمال اسمٰعیل خجندی کا یہ مطلع پڑھا ہے

چشم اگر این است و ابرو این و ناز و عشوہ این
الوداع اے زہد و تقوی الفراق اے عقل و دین

مولانا نے سنکر کہا ایسا شعر کہنا کیا ضرور ہے جو معنی مجازی کے سوا کوئی اور محمل نہ رکھتا ہو شیخ نے بھی یہ بات سُنی اور ایک موقع پر مولانا کے سامنے ذکر چھیڑ کر کہا کہ چشم اور عین مرادف لفظ ہیں۔ پس عین سے ذات الٰہی مراد لی جا سکتی ہے۔ اور ابرو حاجب کا مرادف ہے۔ پس ممکن ہے کہ حاجب سے صفات الٰہی جو کہ حاجب ذات ہیں مراد لے جائیں مولانا نے اس توجیہ کو تسلیم کیا۔ اور شیخ کے بیان کی داد دی۔ خواجہ حافظ کی نسبت اسی کتاب میں لکھا ہے کہ یہ شخص لسان الغیب اور ترجمان الاسرار ہے اس نے اکثر اسرار غیبی اور معانی حقیقی مجاز کے لباس میں ایسی خوبی سے بیان کئے ہیں کہ کسی اور سے ایسا بیان نہیں ہو سکتا" پھر اکابر صوفیہ میں سے ایک بزرگ کا قول نقل کیا ہے جو کہ صوفیہ کے حق میں دیوان حافظ کو تمام دیوانوں سے بہتر بتاتے تھے۔ لیکن حق یہ ہے کہ تغزل کا یہ طریقہ خواجہ حافظ وغیرہ نے شیخ سعدی شیرازی کے تتبع سے حاصل کیا ہے

البتہ ایران کی شاعری میں یہ بات قابل غور ہے کہ انھوں نے تغزل کی بُنیاد امرد پرستی پر کیوں رکھی ہے عرب کی شاعری میں شاعر اپنے تئیں مرد اور معشوق کو عورت اور ہندی میں اپنے کو عورت اور معشوق کو مرد باندھتے ہیں۔ اور یہ دونوں طریقے نیچر کے مطابق ہیں مگر مرد کا مرد پر عاشق و فریفتہ ہونا اور اس سے وصل کا طالب اور کامجو ہونا اگرچہ محض زبانی جمع خرچ کیوں نہ ہو ایک ایسا طریقہ ہے جس سے فطرت انسانی بالکل آبا کرتی ہے ہمارے نزدیک اسکا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ فارسی زبان میں عربی اور ہندی زبان کیطرح تذکیر و تانیث کا تفرقہ نہیں ہے اسمیں ضمیریں اور افعال و صفات مرد اور عورت دونوں کیلئے یکساں لائی جاتی ہیں پس ممکن ہے کہ قدیم فارسی میں بھی ہندی کیطرح شعرا اپنے تئیں عورت اور معشوق کو مرد باندھتے ہوں لیکن اس سبب سے کہ شاعر عموماً مرد ہوتے تھے۔ اور ضمائر یا افعال وغیرہ سے یہ ثابت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نہ ہوتا تھا کہ شاعر نے اپنے تئیں مرد فرض کیا ہے یا عورت۔ رفتہ رفتہ یہ خیال پیدا ہو گیا ہے
کہ فارسی میں عاشق یا معشوق دونوں مرد فرض کئے جاتے ہیں۔ میں یہ خیال کرتا ہوں کہ
اگر کامل غور اور توجہ سے دیکھا جائے تو یہ ایک ایسی توجیہ ہے جس کے صحیح ہونے میں کچھ
تھوڑا ہی سا شبہ باقی رہ جاتا ہے اسکے سوا دوسری وجہ یہ بھی خیال میں آتی ہے کہ جب مسلمان ۱۵
عرب سے نکل کر اطراف و جوانب میں پھیلے تو بسبب اسکے کہ ان کے ہاں عورتوں کا مردوں سے چھپانا فرض بلکہ داخل فرض
میں سے تھا غیر قوموں کے میل جول سے عورتوں کے باب میں انکی غیرت حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی خصوصاً مسلمان
بادشاہوں میں اس غیرت کا ظہور سب طبقوں سے زیادہ تھا۔ ڈاکٹر برنیر فرانسیسی جو ہندوستان میں
پندرہ سولہ برس عالمگیر کے ساتھ رہا ہے اپنے وقائع سفر میں لکھتا ہے "ہندوستان میں جب بادشاہ
سفر کرتا تھا تو بیگمات کی سواری کے نزدیک کوئی متنفس اگرچہ کیسا ہی ذی رتبہ اور صاحب
اختیار ہو نہیں جانے پاتا تھا۔ ورنہ بالضرور خواجہ سراؤں اور خواصوں کے ہاتھ سے نہایت بیرحمی
کیساتھ پٹتا تھا۔" اور ایران میں سنا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص بیگمات کی سواری سے آدھے فرسنگ
کے فاصلہ پر نظر پڑ جاتا تھا تو اس کی سزا موت کے سوا کچھ نہ تھی۔ اور جس شہر یا گاؤں میں سے
بیگمات کی سواری نکلتی تھی۔ وہاں کے تمام مرد اور عورت اپنے اپنے مقام اور مسکن چھوڑ کر
چلے جاتے تھے"۔ شاید اس بیان میں کچھ مبالغہ ہو مگر اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے
کہ عورتوں کے باب میں مسلمان بادشاہوں کی غیرت حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی چونکہ شعرا اکثر
بادشاہوں کے مداح اور مصاحب ہوتے تھے اس لئے وہ کوئی بات سلاطین کے مقتضائے مزاج
کے خلاف شعر میں درج نہ کر سکتے تھے۔ پس نہایت قوی گمان ہے کہ شعرا نے غزل اور تشبیب میں
عورتوں کے حسن و جمال کا ذکر اور جو جو معاملات عشق کے زمانہ میں عاشق و معشوق کے درمیان واقع
ہوتے ہیں انکو صاف صاف بیان کرنا سلاطین کی حمیت اور غیرت کے برخلاف سمجھا ہو اور اس
لئے تمام عشقیہ مضامین امردوں اور سادہ رخوں پر ڈھالے گئے ہوں سلاطین مغلیہ میں سے جہانگیر کے عہد
میں جو ایک واقعہ گذرا ہے وہ اس خیال کی تائید کرتا ہے ایک موقعہ پر جہانگیر کے روبرو قوال امیر خسرو
کی غزل گا رہا تھا۔ اور بادشاہ اسکو سنکر بہت محظوظ ہو رہا تھا جب قوال نے یہ شعر گایا

توشبانہ می نمائی بہ بر کہ بودی امشب — کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بادشاہ دفعتہً بگڑ گیا اور قوال کو فوراً پٹوا کر نکلوا دیا۔ اور اسقدر برہم ہوا کہ تمام ندیم اور خواص خوف سے لرزنے لگے اور مُلّا نقشی ٹھر کُن کو جسکا بادشاہ بہت لحاظ کرتا تھا بلا کر لائے تاکہ وہ کسی تدبیر سے بادشاہ کے مزاج کو دھیما کریں۔ جب وہ سامنے آئے تو بادشاہ کو نہایت غیظ و غضب میں بھرا ہوا پایا۔ عرض کیا حضور خیر باشد! بادشاہ نے کہا دیکھو امیر خسرو نے کیسی بے غیرتی کا مضمون شعر میں باندھا ہے بھلا کوئی غیرتمند آدمی اپنی محبوبہ یا منکوحہ سے ایسی بے غیرتی کی بات کہہ سکتا ہے؟ مُلّا نقشی نے ایک نہایت عمدہ توجیہ سے اسی وقت بادشاہ کا غصہ فرو کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ امیر خسرو نے چونکہ ہندوستان میں نشو و نما پایا تھا۔ اس لئے وہ اکثر ہندوستان کے اصول کے موافق شعر کہتے تھے یہ شعر بھی اُنہوں نے اسی طریقہ پر کہا ہے گویا عورت اپنے شوہر سے کہتی ہے کہ تو رات کو کسی غیر عورت کے ہاں رہا ہے کیونکہ اب تیری آنکھوں میں نشہ کا یا نیند کا خمار پایا جاتا ہے یہ سُنکر بادشاہ کا غیظ و غضب فوراً جاتا رہا اور پھر گانا بجانا ہونے لگا۔

اگرچہ شیخ یا اور شعرائے ایران کے عاشقانہ اشعار سے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اُن کی امرد پرستی اور شاہد بازی پر استدلال نہیں ہو سکتا لیکن اس میں شک نہیں کہ گلستان کے پانچویں باب کی بعض حکایتوں اور نیز شیخ کے اکثر اشعار سے صاف پایا جاتا ہے۔ کہ عشق و محبت اسکی سرشت میں تھا۔ اور کسی نہ کسی وقت میں اسکو سادہ رخوں اور امردوں کی طرف میلان خاطر رہا ہے مگر اسبات کو ہم کسی بُرے معنی پر محمول نہیں کرتا۔ صوفیہ کے حالات جو نفحات الانس وغیرہ میں لکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک عشق مجازی بشرطیکہ پاک اور بے عیب ہو سالک کے لئے ایک بہت بڑا ذریعہ ترقی باطنی کا ہے اور اکثر بڑے بڑے مشائخ اور عرفا میں یہ خصلت پاکدامنی اور عفّت کے ساتھ دیکھی گئی ہے۔ شیخ نے جس طرح اپنے عاشق مزاج ہونے کا جا بجا اقرار کیا ہے۔ اسی طرح ناپاک عشق بازی اور ہوا و ہوس سے بیسیوں جگہ اپنی برأت بھی کی ہے چنانچہ ایک جگہ غزل میں کہتا ہے ؎

گر نظر صدق را نام گنہ نے نہند ۔۔۔ حاصل ما ہیچ نیست جز گنہ اندوختن

تمّت بالخیر

کاتب نواز نقلشاہ پسر

محمدی پریس پیسہ اخبار سٹریٹ لاہور باہتمام ملک محمد شفیع پرنٹر چھپا اور شیخ الہ بخش پبلشر نے چھپوا کر شائع کیا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اللہ شوق دے نو کتاباں پڑھا کرو

تاریخ حریت اسلام پر علامہ سر اقبال کی رائے گرامی { فوق کو اسلامیات سے ہمیشہ شغف رہا ہے - اس سے پہلے ان کی متعدد تصانیف شایع ہو چکی ہیں - لیکن حق یہ ہے کہ حریت اسلام ان کی بہترین تصنیف ہے - دلیری اور بیباکی سے اعلان حق کرنا گذشتہ مسلمانوں کی سیرت کا ایک نمایاں پہلو تھا - مگر افسوس کہ عصر حاضرہ کے عام مسلمان تو تاریخ اسلام سے بالکل بے بہرہ ہیں - اچھے اچھے تعلیم یافتہ موٹے موٹے واقعات سے بھی بالکل بے خبر ہیں - ان حالات میں فوق صاحب کی تصنیف پنجاب کے اسلامی لٹریچر میں ایک قابل قدر اضافہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ کوئی مسلمان خاندان اس بیش بہا کتاب کے مطالعہ سے محروم نہ رہے گا - اسلامی سکولوں اور کالجوں کے کتب خانے خاص طور پر اس کے مطالعہ کی طرف توجہ کریں -

اس زمانہ میں جب کہ جمہوریت کی روح ہندوستان میں نشوونما پا رہی ہے - دیگر اہل ملک کے لیے بھی یہ کتاب سبق آموز ہوگی - کتاب تیسری بار نہایت اعلے لکھائی چھپائی اور کاغذ کے ساتھ چھپی ہے - اور اعلے مجلد ولائیتی ہے - جس پر سنہری حروف میں کتاب کا نام کندہ ہے ÷ قیمت .. ..

شرح گلدستہ محسن کاکوروی { یعنی مداح رسول زمن ثانی ادیس قرنی صوفی پاک باطن میر محمد محسن کاکوروی کے مشہور و معروف نعتیہ کلام کی بہترین شرح جنہوں نے اپنی کل زندگی نعت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم میں وقف کر دی تھی ÷ قیمت .. ..

بحر العروض معہ نقشہ زحافات - قیمت .. ..

رباعیات اکبر الہ آبادی { یعنی مجموعہ رباعیات لسان العصر خان بہادر مولانا سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی سشن جج مرحوم جن کے کلام بلاغت نظام کا چار دانگ عالم میں شہرہ ہے - قیمت ۱۲ر

مظہر الاعجاز شرح اردو گلشن راز { یہ کتاب قطب الاقطاب ہادی شیخ و شاب حضرت شیخ محمود شبستریؒ کی مشہور و معروف تصنیف گلشن راز کی سلیس اردو میں لاجواب شرح ہے - سب سے بڑی خوبی اس طرح کی یہ ہے کہ فاضل مترجم نے تمام گلشن راز کا لب لباب کتاب کے دیباچہ میں لکھ دیا ہے جس سے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اصلی کتاب کے [illegible] سمجھنے میں بالکل آسانی ہو گئی ہے - اور یہ خوبی گلشن راز کی کسی
اور شرح میں نہیں ہے - لکھائی چھپائی کاغذ نہایت اعلیٰ ۔ قیمت ... ... عہ

خلافت اسلامیہ نظم و نثر از علامہ سر اقبال جس میں بتایا گیا ہے کہ جمہوریت اسلام اور آئین
انتخاب خلیفہ مذہب و سیاست کا مشترکہ مطمح نظر ہے ۔ قیمت ۲ر

درد دل یا ایک یتیم کا خطاب ہلال عید سے } علامہ سر اقبال کی وہ معرکۃ الآرا نظم جس میں ایک یتیم کا
ہلال عید سے خطاب اس انداز سے قلمبند کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا سراپا درد ہو کر آنسو بہانے
لگتا ہے ۔ قیمت ۲ر

اردو ترجمہ حاجی بابا اصفہانی } از حضرت مونس بھوپالوی منشی فاضل - اس ترجمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ نثر کا ترجمہ نثر میں اور نظم کا
ترجمہ نظم میں کیا گیا ہے - اور اس میں اس بات کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ کوئی لفظ بغیر
ترجمہ نہ رہ جائے - ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں زبان کی وہ سلاست و روانی نہیں
دکھائی جا سکتی جو کسی عبارت کے مفہوم کو اپنی زبان میں ادا کر کے دکھائی جا سکتی ہے
تاہم فاضل مترجم نے اس کی بھی امکانی کوشش کی ہے کتاب بے حد دلچسپ اور ہر ایک شخص کے
پڑھنے کے لائق ہے ۔ قیمت ... ... عہ

رہبر کامل یعنی نصائح حضرت علی کرم اللہ وجہہ } یہ کتاب حضرت علی المرتضیٰؓ کی اپنی فرمودہ کتاب غرر الحکم و
درر الکلم مرتبہ علامہ تمیمیؒ کا اردو ترجمہ ہے جس میں ہزارہا پراثر نصائح - کلمات - امثال اقوال - معارفت
حقائق - لطائف نکات - آداب - اخلاق - اعمال صالح - سخاوت - صداقت - عبادت - سلوک
انفاق - اصلاح وغیرہ کا بیش بہا ذخیرہ دیا ہے جو دنیا و عاقبت میں انسان کی عاقبت فلاح و مغفرت
کیلئے اشد ضروری و لازمی ہے - کوئی گھر اس سے خالی نہیں رہنا چاہئے ۔ قیمت ... ... عہ

گنجینہ ہدایت ترجمہ اردو کیمیائے سعادت مصنفہ امام غزالیؒ مع سوانح عمری امام صاحب
حضرت حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی مشہور ترین تصنیف ہے اور اس قدر دلچسپ کہ طبیعت سیر نہیں
ہوتی جب تک ساری پڑھ نہ لی جائے ۔ قیمت ۱۲ر

ملنے کا پتہ

شیخ جان محمد الہ بخش تاجران کتب علوم مشرقی کشمیری بازار لاہور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

Entered in Database
24/2/66
Signature with Date

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar